

اِسلام کی کرنیں دیارِ مغرب میں



ڈاکٹر حافظ حقانی میاں قادری

اسلام کی کرنیں دیارِ مغرب میں

ڈاکٹر حافظ حقانی میاں قادری

فضلی سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
اردو بازار، کراچی

ISLAM KI KIRNAY DYAR-E-MAGRAB MAIN

By: **Dr. Hafiz Haqani Mian Qadri**

نام کتاب	:	اسلام کی کرنیں دیارِ مغرب میں
اشاعت اوّل	:	۲۰۰۸ء
پیش کش	:	ساجد رحمٰن فضلی
ناشر	:	فضلی سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

تقسیم کار

فضلی بک سپر مارکیٹ
نزد ریڈیو پاکستان، اُردو بازار، کراچی
فون: 2629724 - 2212991 (92-21)
e-mail: fazleebook@hotmail.com

کتاب سرائے
فرسٹ فلور، الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ
اُردو بازار، لاہور۔ فون: 7320318 (92-42)
e-mail: hikmat100@hotmail.com

فہرست

حرفِ اوّل

پروفیسر عبدالجبار شاکر☆

آج کی دنیا میں چھ ارب سے زائد انسان بستے ہیں، جن کا ایک درجن کے قریب آسمانی اور غیر آسمانی مذاہب و ادیان کے ساتھ ذہنی اور قلبی تعلق ہے۔ اسلام ان مذاہب میں سب سے زیادہ قبولیت حاصل کرنے والا دین ہے۔ دنیا میں ڈیڑھ ارب کے قریب وہ خوش نصیب ہیں جنہیں کلمۂ توحید کے اقرار اور رسالت نبوی ﷺ کے اتباع کی سعادت حاصل ہوئے۔ دین ابراہیمؑ کے پیروکاروں میں تین بڑی شاخیں آج موجود ہیں، جن میں یہودی، عیسائی اور مسلمان شامل ہیں۔ اسلام ان مذاہب میں ایک حتمی اور دائمی شریعت کا پیغام بر ہے۔ اس میں سابقہ انبیائے کرام کی تعلیمات کی حفاظت، توثیق اور تجدید موجود ہے۔ ان مذاہب میں یہود اگرچہ تعداد میں بہت کم ہیں مگر اپنے تاریخی عناد اور نسلی تعصب کے باعث مسلمانوں سے ایک مستقل مخالفانہ اور مخلصانہ رویہ رکھتے ہیں۔ عالم عیسائیت اگرچہ عددی اعتبار سے بہت زیادہ ہے مگر اپنی اعتقادی اور عملی گم راہیوں کے باعث اب محض چند رسومات و رواجات کا مجموعہ بن گیا ہے۔ اس کے ساتھ عیسائی دنیا کی بیشتر آبادی کا تعلق Hatching، Matching اور Despatching کی حد تک باقی ہے، یعنی پیدائش، شادی اور تدفین کے مواقع پر اگر کوئی چاہے تو عیسائی رسومات کے مطابق ان مواقع سے استفادہ کر سکتا ہے ورنہ عملی

☆ ڈائریکٹر جنرل دعوہ اکیڈمی۔ بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد
ڈائریکٹر جنرل شریعہ اکیڈمی۔ بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد

زندگی کے مسائل کے ساتھ اس کا تعلق نہ ہونے کے برابر ہے۔ جہاں تک اُمت مسلمہ کا تعلق ہے، اپنی بے عملی اور بعض حالات میں جہالت کے باوجود یہ ابھی تک ایک عملی مذہب (Practising Religion) ہے۔ اس کے اساسی اور بنیادی افکار و تصورات پر لاکھوں افراد اس حیطۂ ارض پر روبہ عمل ہیں۔

اسلام اپنی تعلیمات کے لحاظ سے دنیا کا سب سے محفوظ اور کامل دین ہے۔ قرآن مجید، اللہ تعالیٰ کا واحد کلام ہے جو اپنی اصلی حالت میں محفوظ ہے اور اس کے احکام پر عمل درآمد کا مکمل نقشہ سنتِ نبوی ﷺ کے نظائر کی صورت میں موجود ہے۔ اُمت مسلمہ کا تعامل اس دین کی دائمی اور دوری حیثیت پر ایک تاریخی شہادت پیش کرتا ہے۔ اس کی تعلیمات فطرت پر مبنی ہیں، اس لیے جو کوئی اس دین فطرت کا غیر جانب داری سے مطالعہ کرتا ہے یا اُمت مسلمہ کے کسی گروہ یا فرد کو اس کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے دیکھتا ہے، اس کے دل و دماغ میں بھی ایک تبدیلی پیدا ہوتی ہے اور یہ تبدیلی بعض صورتوں میں قبولیت اسلام پر منتج ہوتی ہے۔ پیش نظر کتاب ''اسلام کی کرنیں... دیارِ مغرب میں'' اس قبولیت اسلام کی بعض ایمان افروز اور دلچسپ روداوں اور اعترافات پر مشتمل ہے۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حضور ﷺ پر سب سے پہلے ایمان لانے والی ایک خاتون آپ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ ہیں۔ عہد رسالت میں ہر متنفس قبولیت اسلام کے مرحلے سے گزرا ہے۔ یوں شرفِ صحابیت سے فیض یاب ہونے والوں کی تعداد ڈیڑھ لاکھ کے قریب پہنچتی ہے۔ خلافت راشدہ میں اسلامی تعلیمات کا پرچم تین براعظموں کے درجنوں ممالک پر لہرا رہا تھا۔ گزشتہ چودہ صدیوں سے قبولیت حق کے یہ مناظر تاریخ اسلامی کا مستقل ورثہ ہیں۔

یوں تو اسلام اپنی تاریخ کے ہر دور میں ایک مقبول مذہب رہا ہے۔ دنیا کے موجود کے دوسو ممالک سے کوئی ایک ایسا نہیں ہے، جہاں اس کی نورانیت کی شعاعیں انسانی قلوب کو منور نہ کر رہی ہوں، مگر دوسری جنگ عظیم کے بعد قبولیت اسلام کی لہر میں خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے۔ ماضی میں اسلام، پیغمبر اسلامؐ اور قرآن مجید کے خلاف یک طرفہ اور منفی پروپیگنڈا

مستشرقین اور پادریوں کے ذریعے بڑے عروج پر رہا ہے مگر بیسویں صدی میں ذرائع ابلاغ کی کثرت اور کتب کی اشاعت نے تقابلی ادیان کا ایک ایسا رجحان پیدا کر دیا ہے جس سے دین و اخلاق کی حقیقی تصویر کو سمجھنے کے مواقع ہاتھ آئے ہیں۔ بہت سے غیر مسلم ممالک میں اسلامی سینٹرز کام کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کی ایک معقول تعداد میں غیر اسلامی ملک میں تلاشِ روزگار یا تعلیمی اکتساب کے لیے موجود ہے۔ ان مسلمانوں کے طرزِ عمل سے دوسری اقوام اور مذاہب کے لوگوں کو اسلام کی حقیقی تصویر کو دیکھنے اور اس کا سنجیدگی سے جائزہ لینے کے مواقع ملے ہیں۔ جس کے نتیجے میں قبولیت اسلام کی لہریں تو دنیا کے ہر خطے میں موجود مگر بالتخصیص یورپ اور امریکا میں یہ روز افزوں ہے۔ افریشیائی ممالک میں بھی ہر جگہ قبولیت اسلام کے جذبات پیدا ہوئے ہیں مگر پیش نظر کتاب میں جن سعید روحوں کی قبولیت اسلام کی داستان بیان کی گئی ہے، ان سب کا تعلق یورپ اور امریکا کی سرزمین سے ہے۔

قبولیت اسلام کے حوالے سے مطالعہ و تجزیہ کیا جائے تو یہ عجیب حقیقت سامنے آتی ہے کہ ان میں زیادہ تر کا تعلق عیسائیت سے ہے اور پھر قبولِ اسلام کرنے والوں میں غالب تعداد خواتین کی ہے۔ یہ دونوں صورتیں دعوت و تبلیغ اسلام سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے غور و فکر کے مواقع پیدا کرتی ہیں۔ عیسائی بھائیوں میں خواہ ان کا تعلق کیتھولک (Catholic)، سیوتھرن (Lutheran)، میتھوڈسٹ (Methodist)، کینسائی (Presbyterian)، کلیسائی (Anglican) یا موحدین (Unitaian) سے ہو، سب اس تذبذب کا شکار ہیں کہ آیا بائبل خدا کے اصلی الفاظ پر مشتمل ہے یا نہیں؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے جو لوگ ہوئے ہیں ان کی آخرت کا معاملہ کیا ہوگا؟ ایک خدا، کس طرح تین خدا ہو سکتے ہیں؟ عیسیٰ علیہ السلام خود تین میں سے ایک خدا ہیں تو پھر وہ کس کی عبادت کرتے رہے؟ ان سب اشکالات کی روشنی میں حقیقی اور سچا راستہ کون سا ہے؟ انجیل سائنسی حقائق کا مقابلہ کیوں نہیں کر سکتی؟ اور عیسائیت ایک مکمل ضابطۂ حیات کی نسبت محض چند مذہبی رسوم و رواجات کا مجموعہ کیوں ہے؟ یہ اور بعض دوسرے سوالات ایسے ہیں جو عیسائی بھائیوں اور بہنوں کو تلاشِ حقیقت پر مجبور کرتے ہیں اور جب وہ غیر جانب داری سے ان حقائق کا مطالعہ کرتے ہیں تو اسلام کو قبول کرنے سے

کوئی حجاب مانع نہیں ہوتا۔

ہمیں یہ تسلیم ہے کہ فروغِ مذہب کی سب سے بڑی تحریک خود عیسائی مشنریوں کے ساتھ وابستہ ہے۔ ویٹی کن عیسائیت کے فروغ کی منصوبہ بندی کا صرف ایک مرکز ہی نہیں بلکہ ایک منظم عیسائی ریاست ہے۔ ۱۹۹۱ء سے ''ٹرانس ورلڈ ریڈیو'' سے ہر ہفتے میں سو کے قریب مختلف زبانوں میں عیسائیت کے تبلیغی پروگرام پیش ہوتے ہیں۔ اس تبلیغی کام کے لیے دنیا کے مختلف ممالک میں بائیس سو کے قریب ریڈیو اور ٹیلی ویژن اسٹیشن قائم ہیں۔ بائبل کا ترجمہ دنیا کی سات سو زبانوں میں ہو چکا ہے۔ (پیش نظر رہے کہ قرآن مجید کے تراجم ابھی تک ۱۰۷ زبانوں میں ہوتے ہیں)۔ صرف ۱۹۹۱ء کے ایک سال میں بائبل کے مختلف زبانوں میں ۵۳۲۶۹۰۰۰ نسخے تقسیم ہوتے ہیں۔ عیسائیوں کے تبلیغی رسائل پچیّس سو کی تعداد میں باقاعدگی سے شائع ہوتے ہیں۔ پچیّس ہزار کے قریب عیسائی مشن اور ان کی ایجنسیاں پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان غیر ملکی مشنوں کی آمدنی کا اندازہ صرف ۱۹۹۱ء کے ایک سال کے حوالے سے لگائیے کہ وہ ۱۸/ارب ۹۰/کروڑ ڈالر تھے۔ عیسائی اکابر اکیسویں صدی کو عیسائیت کی صدی قرار دے رہے ہیں اور بزعم خود پوری دنیا کو عیسائی بنانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ان اعداد و شمار سے کسی درجے میں بھی مرعوب ہونے کی ضرورت نہیں، مگر ہمیں ان کی روشنی میں اپنے دعوتی، اصلاحی اور تنظیمی اہداف کو از سر نو متعین کرنا ہوگا۔ پیش نظر کتاب اسلامی دعوت کے پیش کاروں اور کارکنوں کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہو سکتی ہے۔

راقم کو اس ایمان افروز کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے، چند پہلوؤں نے خصوصی طور پر متاثر کیا ہے۔ یورپ میں اسلام قبول کرنے والوں میں خواتین کی تعداد تین چوتھائی کے قریب ہے۔ ان سب خواتین کی عمریں عموماً بیس سے تیس سال کے درمیان ہیں۔ یہ خواتین، جیسا کہ ان کے بیان کردہ احوال سے ظاہر ہوتا ہے، بہت پڑھی لکھی اور خوش حال خاندانوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کے بیانات سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سب اسلام کے بارے میں پھیلائے گئے منفی پروپیگنڈے سے متاثر تھیں۔ اپنے عیسائی ماحول اور سیکولر ممالک میں انھیں اپنے حقوق کا تحفظ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ یہ سب کلیسا کی کارروائیوں کی زخم خوردہ تھیں۔ اپنے

ازدواجی تعلقات سے غیر مطمئن زندگی گزار رہی تھیں۔ مادّی آسائشوں کے حصول کے باوجود روحانی سکون سے ناآشنا تھیں۔ ان میں سے بعض تو سنجیدگی سے تلاشِ حق میں سرگرداں تھیں لیکن بعض کو اتفاقاتِ زمانہ نے اسلام کی پاکیزگی سے متعارف کرادیا۔ انہیں ان کے دنیادار مذہبی رہنماؤں نے بہت سی غلط فہمیوں اور غلط بیانیوں سے گمراہ کررکھا تھا۔ ان کے خود تراشیدہ الزامات اور اتہامات کی نوعیت کچھ یوں ہے، جیسے کہ قرآن مجید معاذ اللہ حضرت محمد ﷺ کی ذاتی تصنیف ہے جسے انھوں نے بائبل سے متاثر ہوکر یا پھر کچھ راہبوں سے ملاقاتوں میں سن کر لکھا ہے۔ مگر اسے براہِ راست پڑھنے سے، وہ اس دھوکے اور طلسم سے باہر نکل آئیں۔ بالخصوص ان میں سے جنھوں نے ڈاکٹر موریس بوکائے کی کتاب ''بائبل، قرآن اور سائنس'' کا مطالعہ کیا، ان پر یہ حرفِ حق بہت خوبی کے ساتھ واضح ہوگیا کہ یہ صحیفۂ فطرت، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی تخلیق نہیں ہوسکتا۔

اس کتاب کے مطالعے سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمان خواتین، غیر مسلم معاشروں میں کس قدر بہتر دینی اور دعوتی کام کرسکتی ہیں۔ جہاں تک مردوں کا تعلق ہے، انھیں جیل خانوں کی خلوت آمیز زندگی میں مطالعہ قرآن کی سہولت حاصل ہوتو تلاشِ حق میں کس قدر مددمل سکتی ہے۔ ان دنوں کالجوں اور یونی ورسٹیوں میں تقابل ادیان یا بین المذہبی مکالمے کے مطالعے کے جو امکانات پیدا ہوئے ہیں، انھوں نے غیر مسلم مرد و زن کو مطالعۂ اسلام کے قریب کیا ہے۔ مقامِ مسرت ہے کہ خواتین میں قبولیت اسلام کی لہر روز افزوں ہے۔ ایک خاتون کے مسلمان ہونے کے معنی ہیں کہ ایک خاندان میں مسلم عقیدے کے اثرات داخل ہوگئے ہیں۔ پھر ان نومسلم خواتین نے اسلامی ثقافت کے مظاہر بالخصوص حجاب کو جس خوش دلی سے قبول کیا ہے، بے پردہ مسلمان خواتین کے لیے اس میں بہت بڑا درسِ بصیرت ہے۔

اس کتاب میں زیادہ تر خاکے تو نومسلم خواتین کے ہیں مگر اس میں کچھ مردوں کی قبولیت اسلام کی دل پزیر داستان بھی موجود ہے۔ بالخصوص یوسف اسلام اور محمد مارماڈیوک پکتھال کا تذکرہ تو بہت سودمند ہے۔ اس نوع کی کتابیں اس سے قبل بھی مارکیٹ میں موجود ہیں۔ ڈاکٹر عبدالغنی فاروق، محمد حنیف شاہد، سیف اللہ ربانی اور چند دوسرے حضرات کی کتب

اس موضوع پر ملتی ہیں۔ کچھ حضرات کے قبولیت اسلام پر مستقل کتابیں بھی لکھی گئی ہیں۔ مگر محترم ڈاکٹر حافظ حقانی میاں قادری صاحب کی یہ کتاب اپنی افادیت کے اعتبار سے لائق توجہ ہے۔ اس مجموعۂ مضامین کے فاضل مرتب بہت وسیع المطالعہ شخصیت ہیں۔ ان کے قلم سے ایک درجن کے قریب کتابیں لکھی گئی ہیں، جن کے متنوع موضوعات سے ان کی علمی قدر و قامت کا اندازہ ہوتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اپنے موضوع اور اسلوب کی انفرادیت کے پیش نظر اس کتاب سے قارئین کے ایمان میں اضافہ ہوگا نیز ان میں دین اسلام کی دعوت کو پھیلانے کا داعیہ بھی پیدا ہوگا۔

میں فاضل مرتب کی اس کامیاب علمی اور دعوتی کاوش پر انھیں ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس کوشش کو ان کے لیے زادِ آخرت بنائے اور عامۃ المسلمین کے لیے چراغِ ہدایت بنائے۔ آمین یاربّ العالمین۔

پروفیسر عبدالجبار شاکر

اسلام آباد

۱۶ر نومبر ۲۰۰۷ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلام کی صدی

سید عزیز الرحمٰن☆

ایک عرصے سے تواتر کے ساتھ دنیائے مغرب سے مشاہیر کے اسلام لانے یا کم از کم اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے بارے میں اچھے خیالات کے اظہار کی خبریں اور واقعات سامنے آرہے ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ دوسری جانب اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اور تعلیمات کے بارے میں غلط فہمیوں کے پھیلانے اور ان کی ترویج کا سلسلہ بھی دراز سے دراز تر اور وسیع سے وسیع تر ہوتا جارہا ہے، بلکہ اب تو بات توہین آمیز خاکوں، کارٹونوں اور فلموں تک جا پہنچی ہے۔ظاہری اعتبار سے شاید ان دونوں میں مناسبت محسوس نہ ہو لیکن درحقیقت یہ دونوں پہلو ایک دوسرے سے پیوست ہیں۔

اب صورت حال یہ ہے کہ کہیں تو اسلام کے ''سونامی'' سے ڈرایا جارہا ہے، کہیں ایک بار پھر صلیبی جنگیں شروع کرنے کی بات ہورہی ہے، کہیں تہذیبوں کے تصادم اور اس کے نتیجے میں اسلام کو ختم کردینے کے منصوبے جنم لے رہے ہیں، کہیں مسلمانوں میں روشن خیالی کی بنیادیں تلاش کی جارہی ہیں تو کہیں اس پہلو سے غور وفکر کیا جارہا ہے کہ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی آبادی مغرب کی تہذیب وثقافت پر کس طور پر اثر انداز ہوکر اسے متاثر کرسکتی ہے۔

نوبت یہاں تک آچکی ہے کہ اب یہ صدائیں بلند ہونا شروع ہوگئی ہیں کہ ''اسلام کا سورج مغرب میں طلوع ہورہا ہے''۔ The Islam is rising in the west یہ مغرب

☆ ڈائریکٹر دارالعلوم والتحقیق برائے اعلیٰ تعلیم وٹیکنالوجی، کراچی
مدیر ماہنامہ تعمیر افکار، کراچی

سے شائع ہونے والی تازہ کتاب کا نام ہے۔ اس عنوان سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اسلام آج مغرب کا اہم ترین موضوع ہے۔

اس بات کی تائید اعداد و شمار سے بھی کی جاسکتی ہے، یہ اعداد و شمار ہماری ان معروضات کی تائید کرتے ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ کیجئے:

☆ ایک اطالوی صحافی نے ریانا فلاسی نے اپنا تجزیہ پیش کرتے ہوئے کہا ہے کہ آئندہ ۲۰ برسوں کے اندر اندر ۳۰ تا ۴۰ فیصد تک نصف درجن یورپی شہری مسلمان ہو جائیں گے۔ اس نے کہا کہ اس کی اصلی وجہ یورپ میں مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی آبادی ہے۔ (ڈان۔ کراچی۔ ۱۳ / مارچ ۲۰۰۵ء)

☆ ایک خبر کے مطابق آج یورپی یونین کے اہم رکن فرانس میں مسلمانوں کی آبادی ۵۰ لاکھ اور جرمنی میں ۳۵ لاکھ ہے۔ آئندہ چند عشروں میں یورپ کے کئی بڑے شہروں کا مسلم اکثریتی شہر بننے کا امکان ہے۔ (نوائے وقت۔ کراچی۔ ۱۹ جون ۲۰۰۵ء)

☆ یورپ میں اشاعت اسلام کی رفتار اگر یہی رہی تو آئندہ پچیس برسوں میں مسلمانوں کی تعداد وہاں ۶ کروڑ سے تجاوز کر جائے گی (واضح رہے کہ اکثر یورپی ممالک کی آبادی بہ مشکل ۵ تا ۶ کروڑ ہے)۔ یورپی یونین میں ترکی کی شمولیت کی مخالفت کی ایک بڑی وجہ اس کی مسلم آبادی ہے جس کے باعث یورپی یونین کی مسلم آبادی عیسائی آبادی سے بڑھ جائے گی۔ (جنگ کراچی۔ ۱۶ فروری ۲۰۰۷ء)

☆ برطانوی پالیسی ساز ادارے کرسچن ریسرچ کے مطابق اگلے پندرہ برس (یعنی ۲۰۲۰ء تک) میں برطانیہ کے ۴ ہزار چرچ بند ہو جائیں گے۔ (نوائے وقت کراچی۔ ۱۵ مارچ ۲۰۰۷ء)

یہ تو اس ساری صورت حال کا ایک پہلو تھا، اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ مسلمانوں کے خلاف دہشت گردی و بنیاد پرستی کا جو عالمی پر پیگنڈہ ہو رہا ہے، اس سے بھی خیر کا ایک پہلو برآمد ہوا ہے۔ اس کے نتیجے میں مغرب میں اسلام کو سمجھنے اور پھر قبول کرنے کا رجحان بڑھا ہے۔ اس وقت جاپان سمیت امریکہ اور یورپ میں مقامی عیسائی آبادی کے قبول اسلام کے

واقعات تیزی سے رونما ہورہے ہیں جس میں ان کے نمایاں اور ممتاز افراد بھی شامل ہیں۔

چنانچہ نوائے وقت کی ایک خبر کے مطابق یورپی نوجوانوں میں اسلام سے دلچسپی کا رجحان بہت بڑھا ہے، اس لئے یورپی ممالک کو اندیشہ ہے کہ وہاں یورپ مین اسلامی انقلاب کی آواز زیادہ بلند ہوجائے گی۔ (نوائے وقت کراچی۔۱۹ جون ۲۰۰۵ء)

☆ فرانس اور برطانیہ میں گزشتہ دس برسوں کے اندر ایک لاکھ سے زیادہ مقامی افراد نے اسلام قبول کیا ہے۔ (جنگ کراچی۔۱۶ر فروری ۲۰۰۷ء)

☆ امریکہ میں اس وقت مسلمانوں کی تعداد ایک کروڑ ہے جب کہ ہر سال ۶ فیصد کے حساب سے ۲۰ ہزار لاطینی امریکی اسلام قبول کررہے ہیں۔ (نوائے وقت کراچی۔۷ر فروری ۲۰۰۵ء) واضح رہے کہ شمالی امریکہ میں لاطینی امریکیوں کی بھی ایک بڑی تعداد آباد ہے۔

☆ فرانس میں مساجد کی تعداد ۴۰۰۰ تک پہنچ گئی ہے، تحقیقی ادارے ''اسلام آرکائیوز سنٹر انسٹی ٹیوٹ'' نے تخمینہ پیش کیا ہے کہ ۲۰۴۶ء تک مسلمان جرمنی کی اکثریتی آبادی بن جائیں گے۔ گلاسکو یونیورسٹی برطانیہ میں مذہبی مطالعے کی پروفیسر نکول بورگ کا کہنا ہے کہ وہ تنہا گلاسگو کے علاقے میں ۱۲۰۰ر ایسے افراد کو جانتی ہے جنہوں نے عیسائیت ترک کرکے اسلام قبول کیا ہے۔ (نوائے وقت کراچی۔۵ مارچ ۲۰۰۷ء)

☆ آسٹریلیا کی ایک نومسلم خاتون عائشہ نے ایک سوال کے جواب میں بتایا کہ یہاں ہر ہفتے آپ کو ملک بھر سے نئے لوگوں کے مسلمان ہوجانے کی خبریں سنائی دیتی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ آسٹریلیا میں مسلمان ہونے والی ۸۰ فیصد تعداد خواتین کی ہوتی ہے۔ (جنگ سنڈے میگزین ۲۹ اپریل ۲۰۰۷ء)

مسلمانوں کی اس بڑھتی ہوئی آبادی کے حوالے سے دو نکتے نہایت اہم ہیں، ایک تو یہ کہ اس اضافے کا سبب نومسلموں کی تعداد میں ہونے والا مسلسل اضافہ ہے۔ یہ وہ نومسلم ہیں جو زیادہ تر ان اقدامات کے نتیجے میں ابتدا میں اسلام کی جانب راغب ہوئے جو درحقیقت اسلام کے خلاف کئے گئے تھے، اور جس کا مقصد اسلام کے پیغام کو پھیلنے سے روکنا اور مسلمانوں کی حیثیت کو متاثر کرنا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ مشیت ایزدی نے ان اقدامات کا رخ

موڑ دیا اور اسے اسلام اور اہل اسلام کے حق میں رحمت بنا دیا۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس اضافۂ آبادی کا ایک بڑا سبب مسلمانوں کی شرح پیدائش ہے، اور پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ مسلمانوں کے برعکس دیگر مذہبی قوتوں میں شرح پیدائش نہایت کم ہے، ظاہر ہے کہ اس کا فائدہ بھی براہ راست مسلمانوں کو پہنچ رہا ہے کہ ان کا تناسب بہتر ہو رہا ہے۔

مسلمانوں کی شرح پیدائش میں اضافہ اور غیر مسلموں کی شرح پیدائش میں کمی بجائے خود مغرب کے لئے ایک بڑا خطرہ ثابت ہو رہی ہے۔ چنانچہ آج کا مغرب اس حوالے سے شدید مخمصے سے دوچار ہے۔ چند خبریں اس حوالے سے بھی ملاحظہ کیجئے۔

☆ برطانوی ماہرین اپنے ملک میں خطرناک حد تک کم شرح پیدائش سے انتہائی پریشان ہیں۔ کیوں کہ وہاں ملک چلانے کے لئے مطلوب افراد موجود نہیں ہیں۔ (روزنامہ اسلام۔ کراچی ۲۵ فروری ۲۰۰۶)

☆ آئندہ تین دہائیوں میں جاپان یورپ اور امریکہ میں بچوں کے چچا، ماموں اور پھوپھا نہیں ہوں گے بلکہ ان کے رشتے دار صرف دادا اور پردادا ہوں گے کیوں کہ وہاں شرح پیدائش خطرناک حد تک گر گئی ہے۔ (معارف فیچر سروس، کراچی۔ ۱۶ مئی ۲۰۰۱ء)

☆ ۲۰۴۰ء تک برطانیہ میں عیسائی آبادی ۷۲ فیصد سے گھٹ کر صرف ۳۲ فیصد رہ جائے گی۔ (نوائے وقت۔ کراچی۔ ۶ ستمبر ۲۰۰۵ء)

☆ جاپان کا معاشرہ اس وقت ایک ایسا معاشرہ کہلا رہا ہے جو بچوں سے خالی ہے کیوں کہ وہاں شرح پیدائش تیزی سے گر گئی ہے۔ جاپانی خواتین کی انجمنوں کا کہنا ہے کہ معاشرے کا عمومی رویہ بچے پیدا کرنے کے حق میں نہیں۔ (نوائے وقت۔ کراچی۔ ۵ دسمبر ۲۰۰۴ء)

☆ جاپان میں اگر بچوں کی شرح پیدائش موجودہ ۲۹ء۱ فیصد کے حساب سے برقرار رہی تو ۳۳۰۰ء تک پوری جاپانی قوم دنیا سے ختم ہو جائے گی۔ (ٹائم میگزین۔ ۱۶/ جنوری ۲۰۰۶ء)

روس میں شرح پیدائش آج ۰۳ء۱ فیصد ہے جب کہ ۱۹۸۰ء کی دہائی میں یہ ۰۳ء۲ تھی۔ (نیوز ویک ۴ نومبر ۲۰۰۶ء)

☆ فرانس میں ایک خاتون پر بچوں کی تعداد آج ۱ء۹ ہے۔ جب کہ آبادی میں اضافے کے لئے اسے ۲ء۰۷ ہونا چاہئے (ٹائم میگزین ۳ر اکتوبر ۲۰۰۵ء) گویا فرانس میں شرح پیدائش کو اس وقت موجودہ شرح سے ڈیڑھ گنا زیادہ ہونا چاہئے۔

☆ فرانس میں زیادہ بچے پیدا کرنے والی ماؤں کے لئے پر کشش مراعات کا اعلان کیا گیا ہے کیوں کہ وہاں شرح پیدائش خطرناک حد تک گر گئی ہے۔ (روزنامہ اسلام۔ کراچی۔ ۲ ستمبر ۲۰۰۵ء)

☆ آسٹریلیا میں بھی کم سن لڑکیوں کے حاملہ ہو جانے کی حوصلہ افزائی کی جارہی ہے اور بچے کی پیدائش پر انہیں بونس دینے کا اعلان کیا گیا ہے۔ پہلے انہیں ۲۱۰۰ امریکی ڈالر فی بچہ دیئے جائیں گے جسے بڑھا کر بعد میں ۳۵۰۰ امریکی ڈالر کر دیا جائے گا۔ (نوائے وقت۔ کراچی ۲۵ جون ۲۰۰۴ء)

دنیا بھر میں تیزی سے گھٹتی ہوئی شرح پیدائش ہی کے سبب دنیا میں ۲۰۵۰ء تک ہر تین میں سے ایک فرد بوڑھا ہوگا۔ ۲۰۵۰ء تک جاپان، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، یورپ اور جنوبی امریکہ میں سالانہ دس لاکھ افراد کی کمی ہوگی جب کہ اس سال تک جاپان میں ۸۰ فیصد آبادی بوڑھوں پر مشتمل ہوگی۔ (روزنامہ عوام۔ کراچی ۲۰۰۵ء ۸ر مارچ)

قدرت کے یہ اشارے فطرت سے انحراف کی تعزیر بھی قرار دیے جاسکتے ہیں۔ انسان نے جب سے بہ زعم خود کائنات کا نظم ونسق اپنے ہاتھ میں لیا ہے، اور آسمانی ہدایت سے یکسر لاتعلق رہ کر محض عقلِ خام کے بل بوتے پر اپنے معاملات چلانے کا تجربہ کیا ہے، اس وقت سے وہ مسلسل مائل بہ انحطاط ہے، اور لطیفہ یہ ہے کہ اسی کو وہ کامیابی تصور کر رہا ہے، اور اسی کامیابی کو وہ پوری دنیا پر مسلط کرنے کا خواہاں ہے۔ یعنی راہ ہدایت اس سے اب بھی بہت دور ہے۔

دنیا بھر میں بڑھتے ہوئے قبول اسلام کے رجحان کو سامنے رکھیں تو بہت سی نئی باتیں اور اسلامی تعلیمات کے اعجاز کے نئے پہلو سامنے آتے ہیں۔ مثال کے طور پر ۲۸ر سالہ نومسلم ہدیٰ خطاب کو اسلامی تعلیمات کے اس نکتے نے متاثر کیا کہ ان میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ شادی

سے قبل جنسی تعلقات اس کے ہاں پہلے بھی ناجائز تھے اب بھی ناجائز ہیں۔ اس کے برعکس عیسائیت کی تعلیمات تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ (ترجمان القرآن، لاہور۔ دسمبر ۲۰۰۷ء: ص ۸۰)

اس واقعے میں ہمارے ان دانشوروں کے لئے بھی سبق و عبرت ہے جن کی تمام تگ و دو کا حاصل ہی جدت طرازی، روایات سے انحراف اور فقہی ذخائر میں شاذ اقوال کی تلاش، مغربی فلسفے اور فکرِ مغرب سے اس سلسلے میں استشہاد اور پھر ان کی اشاعت ہے۔ ہر نئی چیز ضروری نہیں ہے کہ مفید بھی ہو اور ہر قدیم چیز کو محض اس بنا پر غلط قرار نہیں دیا جا سکتا کہ وہ قدیم ہے۔

موجودہ حالات کسی نہ کسی درجے میں تو ہمارے لئے خوش آئند ہیں، مگر اس سے زیادہ ہمیں ہماری ذمے داریوں کی جانب بھی توجہ دلاتے ہیں۔ ہماری اصل ذمے داری یہ ہے کہ پورے دنیا میں تبلیغ اسلام کے لئے فضا سازگار ہے، کھیت کے کھیت تیار ہیں، فقط بیج کاشت کرنے کی ضرورت ہے۔ مردانِ حق کے لئے راستہ واضح ہے۔ یہ راہ پُرخطر ضرور ہے مگر پر پیچ نہیں، اور کامیابی قربانی تو مانگتی ہے۔ اس صدی کا یہی پیغام ہے۔

زیرِ نظر کتاب اس حوالے سے ہمارے حوصلوں کو بڑھاتی، ارادوں کو مہمیز دیتی اور اس پیغام کو تازہ کرتی ہے۔ برادر محترم جناب ڈاکٹر حافظ حقانی میاں قادری نے مغرب میں قدم قدم پر پھیلی ہوئی ہزاروں داستانوں میں سے پچاس کا انتخاب کیا ہے اور ان نومسلموں کے حالات ہمارے سامنے رکھ دیئے ہیں، جنہوں نے پورے شرح صدر کے ساتھ اس اسلام مخالف فضا میں حق و صداقت کی آواز پر لبیک کہا ہے۔ تاکہ ہماری خوابیدہ نگاہیں بھی دیکھیں، ہمارے قلوب و اذہان بھی سوچیں اور سمجھیں اور پھر خدا کرے کہ ہم بھی اپنے اوپر عائد ہونے والے عصر حاضر کے اس فریضے سے سبک دوش ہوسکیں۔ مؤلف کو ہدیۂ تبریک اور ناشر کا شکریہ کہ انہوں نے ہمیں بھولا ہوا سبق یاد دلایا ہے۔

سید عزیز الرحمٰن

۸؍جنوری ۲۰۰۸ء / ۲۸؍ذی الحجہ ۱۴۲۸ھ

دیباچہ

مذہب اسلام اللہ تبارک وتعالیٰ کا پسندیدہ ترین دین ہے۔ اسلام کی آمد اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہ حیثیت خاتم النبیین بعثت مبارکہ کے بعد اب قیام قیامت کے لئے اگر اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی دین قابل قبول ہے تو وہ صرف اسلام ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے:

ان الدین عنداللہ لاسلام

اللہ کے نزدیک پسندیدہ ترین دین اسلام ہے۔

جبکہ دوسری جگہ ارشاد ہے:

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور میں نے تمہارے لئے اسلام کو بہ طور دین پسند کر لیا۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی اخروی نعمتوں کے حصول کی اب صرف ایک صورت ہے، اللہ کے پسندیدہ دین اسلام کو من وعن مکمل طور پر قبول کر لینا۔

آج دنیا بھر کے کونے کونے میں جہاں جہاں سورج اپنی کرنیں بکھیرتا ہے اس دین کے پیروکار موجود ہیں، قرآن مجید کے دنیا بھر کی چھوٹی بڑی زبانوں میں تراجم موجود ہیں۔

دنیا کی تمام چھوٹی بڑی زبانوں میں اسلام، تاریخ، تہذیب وتمدن اسلام پر لٹریچر

موجود ہے۔ لیکن افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ امت مسلمہ کا حال بہت پتلا ہے۔

بدقسمتی یہ ہے کہ بحیثیت مجموعی ہم بحیثیت مسلمان اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے سے قاصر رہے ہیں۔ دیارِ غیر اسلامی میں جہاں جہاں مسلمان بستے ہیں عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے اپنے ملکوں سے جہاں سے بھی آ کر بسے ہیں، اس کے سفیر ہیں۔ میں یہ کہتا ہوں کہ مسلمان جہاں بھی جائے وہ اسلام کا سفیر ہوتا ہے۔ افسوس یہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنی اس سفارت کاری کے فرائض بھلا دیئے ہیں۔ اور وہ مادیت پرستی اور پیسہ کمانے کی دوڑ میں سب سے آگے نکلنا چاہتا ہے۔ نتیجتاً وہ اپنی عائلی فرائض کے ساتھ ساتھ اپنے دعوتی فرائض بھی بھولتا جارہا ہے۔ میں یہ باتیں ریڈیو یا ٹی وی کے مذاکروں کی روشنی میں، یا اخبارات و جرائد میں چھپنے والے مضامین کی بنیاد پر نہیں بلکہ روزمرہ کی زندگی میں اپنے آنکھوں دیکھے احوال کو سامنے رکھ کر کر رہا ہوں۔ حد تو یہ ہے کہ مسلمان بچے بحیثیت مجموعی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی جستجو سے بھی بے بہرہ ہیں۔ باوجود اس کے کہ یورپ و امریکہ میں ہزاروں مساجد اور اسلامک سینٹرز ہیں اور وہاں سے قال اللہ اور قال الرسول کی صدائیں بھی بلند ہو رہی ہیں۔ لیکن مسلمان بحیثیت مجموعی صحیح معنٰی میں مسلمان ہونے کا تاثر چھوڑنے سے قاصر رہا ہے۔ فیا حسرتا۔ اب ایسے میں غیر مسلموں کے سامنے دعوت دین کون پیش کرے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے دین مبین کی تبلیغ و اشاعت کے لئے اس کا انتظام بھی خود فرما دیا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے۔

افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علیٰ نور من ربہ

پس کیا جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا تو وہ اپنے رب کی طرف سے نور سے پُر ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت اور بھلائی کو دین کی فہم سے وابستہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

من یرد اللہ بہ خیرا یفقہ فی الدین

اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اسے دین کی سمجھ عطا

فرما دیتے ہیں۔

اس آیت و حدیث کی تعبیر ہم یورپ و امریکہ وغیرہ میں روز دیکھتے ہیں ۔ جن خواتین وحضرات کے دل کے دریچے اللہ تعالیٰ اپنی ہدایت کے لئے کھول دیتا ہے تو ان کی کیفیت دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے، اور ہم جیسے پیدائشی مسلمانوں کے لئے حد درجہ سبق آموز ہوتی ہے۔

میں ذاتی طور پر بہت سے ایسے نومسلم خواتین وحضرات کو جانتا ہوں اور بہت سے میرے شاگرد بھی ہیں جن کی زندگی میں اسلام ایک عظیم انقلاب لے کر آیا۔ قبول اسلام سے پہلے ان کی حالت کیا تھی اور اب ان کی کیفیت کیا ہے ان کے تلاوت قرآن کے انداز کو دیکھیں۔ نماز پڑھنے کو دیکھیں۔ دین سیکھنے کی جستجو کو دیکھیں۔ ان کی عبادت کی کیفیت

ان تعبد اللہ کانك تراہ

کا مصداق نظر آتی ہے۔ یورپ و امریکہ میں قدم قدم پر ایسے واقعات بکھرے ہوئے ہیں جنہیں سن کر ایمان تازہ ہو جائے اور آنکھیں نم ہو جائیں۔

ایسے ہی صاحبان ایمان نومسلموں کے حالات و واقعات اس کتاب میں جمع کئے گئے ہیں۔ ان نومسلموں کے حالات زندگی امریکہ کے مختلف رسائل و جرائد، اخبارات یا نیوز لیٹرز میں شائع ہوئے ہیں۔ ایک چیز کو میں نے محسوس کیا وہ یہ ہے کہ ان واقعات و حالات کو Narrative انداز میں بیان کیا گیا ہے جو کہ انتہائی سادہ انداز ہوتا ہے میں نے اسی سادگی کو ترجمے میں بھی قائم رکھنے کی کوشش کی ہے۔ ترجمے میں غیر ضروری تکلف سے کام لینے سے پرہیز کیا ہے، تاکہ اصل بیان کی روح برقرار رہے۔

اس کام کی ابتدا یکم اکتوبر ۲۰۰۱ء کو کی گئی مگر پھر کئی سال یہ سلسلہ تعطل کا شکار رہا۔ ایک دن میں نے اس کا تذکرہ برادر خورد ڈاکٹر سید عزیز الرحمٰن سے کیا۔ انہوں نے جلد از جلد اس کی تکمیل کی ضرورت پر زور دیا۔ اب یہ کتاب مکمل ہو کر فضلی سنز کے زیر اہتمام منظر عام پر آ رہی ہے۔

میں اپنی اہلیہ کا خاص طور پر مشکور ہوں کہ انہوں نے ہمیشہ کی طرح اس کتاب کی

تیاری کے مرحلے پر میری حوصلہ افزائی جاری رکھی، اللہ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

میں جناب پروفیسر عبدالجبار شاکر کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے میری درخواست پر کتاب پر ایک مبسوط حرف اول تحریر فرمایا اور میں اپنے ناشر برادرم ساجد رحمٰن فضلی کے لئے بھی دعا گو ہوں۔

ڈاکٹر حافظ حقانی میاں قادری

ایف، ۳۳/۱، بلاک ایف، نارتھ ناظم آباد،

کراچی ۷۴۷۰۰، یکم اپریل ۲۰۰۸ء

افرح الشیبانی

۲ رمئی ۱۹۹۶ء کا دن مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ میں اپنے خاندان کے دیگر افراد کے ساتھ غیر فرقہ وارانہ قدامت پرست مسیحی چرچ (Non-Denominational Conservative Christian Church (Church of Christ) گئی تھی۔

میں بنیادی طور پر چرچ کے ماحول میں پلی بڑھی۔ بائبل اسکول میں تعلیم حاصل کی اور بائبل کے گیت گانے والے گروپ کی قائد تھی۔ ایک نوخیز نوجوان کی حیثیت سے میرے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا تھا (جو کہ یقیناً ہر نوجوان کی زندگی میں تو کم از کم ایک مرتبہ پیدا ہوتا ہی ہے) میں اس خاص چرچ (Church of Christ) کی ممبر کیوں ہوں؟ لیوتھیرن، کیتھولک یا میتھوڈسٹ (Lutheran, Catholic, Methodist مسیحی فرقوں کی ممبر کیوں نہیں ہوں۔

اگر مختلف چرچوں کی مذہبی تعلیمات وعقائد باہم متصادم ہیں اور ان میں تضاد ہے تو پھر ہمیں یہ کیسے معلوم ہو کہ حق پر کون ہے۔ کیا یہ تمام برحق ہیں؟ کیا یہ تمام فرقے ہمیں خدا سے ملاتے ہیں جیسا کہ ایک مرتبہ میں نے سنا تھا۔

کچھ لوگ یوں بھی کہتے ہوئے پائے جاتے ہیں کہ اگر آپ ایک اچھے انسان ہیں تو آپ کا عقیدہ کچھ بھی ہو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ کیا یہ صحیح ہے؟

تھوڑی سی تلاش وجستجو کے بعد میں نے یہ فیصلہ کرلیا کہ اس بات کی تحقیق کی جائے کہ آخری اور بنیادی سچا راستہ کون سا ہے۔ اب میں نے اس سمت پیش قدمی کا فیصلہ کرلیا اور

مختلف چرچوں کا تقابلی مطالعہ شروع کر دیا۔ ایک عمیق مطالعے کے بعد میں نے ایک ایسے چرچ کے ساتھ وابستہ ہونے کا فیصلہ کرلیا جو بائبل کا سب سے اچھا پیروکار تھا۔ اور وہ Church of Christ تھا۔ میں اس چرچ کے عقائد اور بنیادی تعلیمات سے مطمئن تھی کیوں کہ وہ (اس وقت میرے خیال کے مطابق) بائبل کی تعلیمات پر گامزن تھا۔ اس موقع پر میں یہ بھول ہی گئی تھی کہ بائبل کے مختلف الگ الگ ایڈیشن ہیں۔

میں نے ایک سال مشی گن کرسچین کالج میں گزارا جو ایک چھوٹا کالج تھا اور جس کا الحاق (Churches of Christ) سے تھا۔ یہ کالج تعلیمی لحاظ سے مجھے اچھا معلوم نہیں ہوا اس لیے میں نے اس کو چھوڑ کر ویسٹرن مشی گن یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا۔

میرا داخلہ ذرا تاخیر سے ہوا تھا اس لیے مجھے ہاسٹل میں رہائش حاصل کرنے میں دشواری ہوئی۔ یونیورسٹی کی انتظامیہ نے مجھے غیر ملکی طلباء کے ہاسٹل میں رہائش دے دی۔ اتفاق سے یہاں میرے کمرے کی ساتھی ایک امریکی لڑکی ہی تھی۔ لیکن میں نے یہ محسوس کیا کہ ہمارے اطراف میں اجنبی ممالک کے اجنبی لوگ ہیں۔ ثقافتی اختلاف کے ساتھ رہن سہن کا یہ میرا پہلا تجربہ تھا جس نے مجھے ڈرا ہی دیا۔ (کیوں کہ میں سفید، امریکی، عیسائی درمیانے طبقے سے تعلق رکھتی تھی) میں نے بہت چاہا کہ میں کہیں اور رہائش اختیار کرلوں مگر رہائش کے لیے کوئی کمرا خالی ہی نہ تھا۔ میں اپنے کمرے کی ساتھی کو بہت چاہتی تھی اس لیے میں نے فیصلہ کیا کہ کم از کم اس سمسٹر تک یہیں رہوں۔

میرے کمرے کی ساتھی ہاسٹل کی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی تھی اور اس کو ہاسٹل میں سب ہی جانتے تھے۔ میں چونکہ مارچ کرنے والے بینڈ گروپ میں شامل تھی، اس لیے میں اکثر وقت ان ہی کے ساتھ گزارتی تھی۔ بینڈ مارچ کا زمانہ ختم ہوا تو میرے پاس پھر کوئی مصروفیت نہ رہی پھر میں نے اپنے کمرے کی ساتھی کے ساتھ ہاسٹل میں مہم جوئی شروع کر دی یہ بہت دل چسپ اور دل کو لبھانے کا تجربہ تھا۔ ہاسٹل میں ایک بڑی اکثریت عرب طلباء کی بھی تھی۔ یہ عرب خوب صورت، دل کش اور حسِ مزاح رکھنے والے تھے۔ میری ساتھی نے ان میں سے ایک کے ساتھ ملنا جلنا شروع کر دیا۔ اور پھر میرا بھی ان عرب طلباء کے ساتھ کافی

اٹھنا بیٹھنا شروع ہو گیا۔ وہ تمام عرب طلباء مسلمان تھے۔ (لیکن ان میں باعمل چند ہی تھے) جب ہم سب طلباء آپس میں اکٹھے ہوتے تو ہم کبھی بھی مذہب کو زیرِ بحث نہیں لاتے۔ ہم تو بس ہلا گلا کرتے تھے۔ اس طرح ایک سال گزر گیا۔ دوسرے تعلیمی سال میں بھی یہ اور میرے عرب دوست تھے۔ ہم اکٹھے پڑھتے اور ہنسی مذاق کرتے باہم گفتگو کرتے اور لطف اندوز ہوتے تھے۔ اب تک ہم نے اپنے مذہبی اختلافات پر گفتگو نہیں کی۔ چوں کہ ہم میں سے کوئی باعمل فرد تو تھا ہی نہیں لہٰذا یہ مذہبی اختلافات ہمارے درمیان اب تک مسئلہ نہیں بنا تھا۔ کبھی کبھی میں چرچ نہ جانے پر دل ہی دل میں شرمندگی محسوس کرتی تھی۔ لیکن میں اپنے ذہن کو جھٹک دیتی تھی۔ یونی ورسٹی میں خوب مزہ آ رہا تھا۔

ایک اور سال گزر گیا، گرمیوں کی چھٹیوں میں میں اپنے گھر آ گئی۔ ایک دن میرے کمرے کی ساتھی نے ٹیلی فون پر مجھے ایک نہایت رنجیدہ کر دینے والی خبر سنائی۔ وہ خبر یہ تھی کہ وہ مسلمان ہو گئی ہے، میں تو دہشت زدہ ہو کر رہ گئی۔ اس نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ اس نے مذہب کیوں تبدیل کیا۔ یہ تو مجھے معلوم تھا کہ وہ اپنے بوائے فرینڈ کے بھائی کے ساتھ باتیں کرتی تھی ہوسکتا ہے کہ یہ سب کچھ اسی کا کیا دھرا ہو۔ فون بند کرتے ہی میں نے اس کو بڑا تفصیلی خط لکھا جس میں میں نے اس کو یہ نصیحت کی تھی کہ اس نے مذہب تبدیل کر کے اپنی زندگی برباد کر لی ہے۔ میں نے اس کو یہ بھی لکھا کہ اس کو عیسائیت کو ایک اور موقع دینا چاہیے۔

اسی موسم گرما میں میرے بوائے فرینڈ (عرب) نے از وسا پیسیفک یونی ورسٹی کیلی فورنیا میں داخلہ لے لیا۔ پھر ہم دونوں نے شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا اور یہ بھی طے کر لیا کہ ہم اکٹھے کیلی فورنیا منتقل ہو جائیں گے۔ اب میرا بوائے فرینڈ جو کہ اب میرا شوہر بھی تھا باعمل مسلمان تھا اور نہ میں باعمل عیسائی تھی۔ ہم نے اب تک مذہب پر گفتگو کی ہی نہ تھی۔ اب میں نے چوری چھپے مذہب اسلام پر کتابیں پڑھنا شروع کر دیں، تاہم وہ ساری کتابیں غیر مسلم مصنفین کی لکھی ہوئی تھیں۔ ان میں ایک کتاب Islam Revealed تھی جو Anis Sorosh کی تحریر کردہ تھی۔ کتاب پڑھنے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ میرے کمرے کی ساتھی نے اسلام قبول کر کے ایک جرم کا ارتکاب کیا ہے مجھے اپنے مجرم ہونے کا بھی احساس ہوا کہ اگر میں اپنی

دوست کے ساتھ رہتے ہوئے ایک اچھے باعمل عیسائی ہونے کا نمونہ پیش کرتی تو وہ اسلام قبول کرنے کے بجائے چرچ کی باعمل عیسائی ہوتی۔

ان غیر مسلم مصنفین کی کتابیں پڑھ کر مجھے یہ معلوم ہوا کہ مذہب اسلام انسان کا بنایا ہوا مذہب ہے اور تضادات کا مجموعہ ہے۔ سروش کی کتاب پڑھنے کے بعد میں نے یہ تہیہ کرلیا کہ اپنی دوست اور اپنے شوہر دونوں کو عیسائی بناؤں گی۔

یونی ورسٹی میں میرے شوہر کو مذاہب سے متعلق کچھ کورسز لینے پڑے ایک دن وہ یونی ورسٹی سے گھر آیا تو کہنے لگا کہ مجھے آج کل کورسز کے سلسلے میں مذاہب کو پڑھنا پڑ رہا ہے۔ لیکن میں جتنا زیادہ عیسائیت کے بارے میں معلومات حاصل کرتا جاتا ہوں، اسلام کے بارے میں میرا اعتقاد مضبوط تر ہوتا جاتا ہے۔ اس کے بعد اس نے اسلامی تعلیمات وفرائض پر عمل کرنا بھی شروع کردیا۔ اب یہاں سے ہمارے درمیان مسائل اور اختلافات نے جنم لینا شروع کردیا۔ ہم نے مذہب پر گفتگو اور بحث کرنا شروع کردی اور اپنے اپنے مذہبی اعتقادات پر دلائل دینا شروع کردیے۔ میرے شوہر نے مجھے کہا کہ مجھے اسلام سیکھنا اور سمجھنا چاہیے میں نے اس سے کہا کہ میں پہلے ہی اسلام کے بارے میں بہت کچھ جانتی ہوں۔ میں سروش کی کتاب نکال کر لائی اور اسے دکھائی اور کہا کہ جس مذہب کے اعتقادات یہ ہوں میں وہ مذہب قبول نہیں کرسکتی۔

میرا شوہر عالم تو نہیں ہے۔ تاہم میں نے سروش کی کتاب میں سے مذہب اسلام پر جو بھی اعتراضات کیے اس نے مجھے اس کے تسلی بخش جوابات دیے۔ میں اس کی علمیت سے متاثر ہوئی۔ اس نے مزید مجھے یہ بھی کہا کہ اگر میں واقعی اسلام کے متعلق کچھ جاننا چاہتی ہوں تو مجھے براہ راست اسلامی ذخائر کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اس نے ایک اسلامک بک اسٹور سے کچھ کتابیں مجھے لادیں پھر میں نے مقامی مسجد میں اسلامی معلومات کی کلاسیں لینا شروع کردیں۔

وہ اسلام جو میں نے غیر مسلم مصنفین کی کتابوں میں پڑھا تھا، اس اسلام سے یکسر مختلف تھا جو میں نے غیر مسلم مصنفین کی کتابوں میں پڑھا۔ اس طرح مجھے صحیح اسلام کی تصویر

دیکھنے کو ملی۔

پھر میں نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ یہ بہر حال میرے لیے بڑا مشکل مرحلہ تھا۔ میرا فخر وغرور سینہ تان کر میرے سامنے کھڑا ہوگیا۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ میں اس کا اقرار کیسے کروں کہ میری دوست اور میرا شوہر صراط مستقیم پر تھے۔ میں بڑی پریشان، عاجز اور سہمی ہوئی تھی۔ پھر ہوا یوں کہ میں نے اپنے غرور وتکبر اور انا کے بت کو پاش پاش کردیا۔ اور اس بات کا فیصلہ کرلیا کہ اب میں سچائی کے راستے سے دور نہیں رہ سکتی۔ اور الحمدللہ اسلام قبول کرلیا۔ میرا یہ فیصلہ تمام فیصلوں میں سے سچا اور صحیح تھا۔

اس مرحلے پر میں اپنے غیر مسلم قارئین سے کچھ کہنا چاہتی ہوں:۔

ا۔ کچھ سال پہلے جب میں نے سچائی کی تلاش شروع کی تو اس وقت میں نے کچھ غلط مفروضے قائم کرلیے تھے۔ پہلا مفروضہ تو یہ تھا کہ صداقت صرف عیسائیت کے ساتھ ہی وابستہ ہے۔ اس وقت مجھ کو اس بات کا خیال نہ آیا کہ میں عیسائیت کے علاوہ بھی غور وخوض کرتی۔ دوسرا مفروضہ یہ تھا کہ میں یہ سمجھتی تھی کہ بائبل خدا کے اصلی الفاظ پر مشتمل کتاب ہے۔ یہ غلط مفروضے تھے، کیوں کہ یہ مفروضے مثبت اندازِ فکر اختیار کرنے میں بہت مانع رہے۔ لیکن جب میں نے مذہب اسلام کا سنجیدگی سے مطالعہ کیا اور وہ مطالعہ پہلے سے کوئی رائے قائم کئے بغیر کیا اور وہ مطالعہ عیسائیت سے ہٹ کر کیا۔ تو اس وقت میرے سامنے عیسائیت اور اسلام دو مذہب تھے۔ (اور بعض دوسرے مذاہب بھی)۔ غرض کہ میں نے اسلام اور عیسائیت کا مطالعہ بالکل خالی الذہن ہوکر کیا۔ اے عیسائیت کے نقاد مفکرین اور نقاد قارئین میرا یہی مشورہ ہے کہ اسلام کا مطالعہ بالکل غیر جانب داری سے کریں۔

۲ دوسری غلطی جو عموماً لوگ کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ جب وہ اسلام کے متعلق گفتگو کرتے ہیں تو وہ کوئی خاص نکتہ اٹھالیتے ہیں اور پھر اس پر اپنا نقطۂ نظر قائم کرتے ہوئے پورے مذہب اسلام کو نشانہ بناتے ہیں۔

مثال کے طور پر بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ اسلام عورتوں کے بہت زیادہ خلاف ہے کیوں کہ اسلام کے نظام وراثت میں عورت کا حصہ مرد سے آدھا ہے۔ وہ لوگ یہ نہیں بتاتے

کہ اسلام میں معاشی ذمہ داریوں کا بوجھ مرد کو اٹھانا پڑتا ہے نہ کہ عورتوں کو۔ جس طرح آپ جب تک معمے (Puzzle) کے تمام ٹکڑوں کو ان کی درست جگہ پر نہیں رکھ لیتے آپ صحیح تصویری خاکہ مکمل نہیں کر سکتے۔

۳۔ میرے بہت سے جاننے والے مجھے یہ طعنہ دیتے ہیں کہ میں اپنے شوہر کی وجہ سے مسلمان ہوئی ہوں۔ یہ صحیح ہے کہ میں نے اسلام کا مطالعہ اپنے شوہر کے کہنے پر ہی شروع کیا۔ لیکن اسلام قبول کرنے کا فیصلہ میرا اپنا تھا کیوں کہ اسلام ہی سچا مذہب ہے۔ میں یہ بھی بتاتی چلوں کہ میرے اور میرے شوہر کے درمیان کچھ اختلافات کی بنیاد پر میں نے طلاق لینے کا فیصلہ کیا ہے۔ لیکن میرا یہ فیصلہ مذہب اسلام سے متعلق میرے فیصلے کو متزلزل نہیں کر سکتا۔

اپنے شوہر سے طلاق کے بعد میں کسی باعمل مسلمان سے شادی کی خواہش مند رہوں گی ان شاء اللہ۔ اور مذہبِ اسلام پر پوری طرح عمل کرنے کی سعی و کوشش کرتی رہوں گی۔ ایک اچھی باعمل مسلمان خاتون ہونا میری اولین ترجیح ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراطِ مستقیم پر چلائے۔

ایمل

میں ریاست ہائے متحدہ امریکا کے شمال مغربی علاقے میں پیدا ہوئی۔ وہیں پلی بڑھی۔ میرا یہ خواب تھا کہ میں بڑی ہو کر راہبہ (Nun) بنوں۔ ہمارا گھرانا رومن کیتھولک تھا۔ مجھے ان راہبات کی روحانیت والے انداز سے بڑا لگاؤ تھا۔ اسی لیے میں راہبات کی طرف کھنچی چلی جاتی تھی۔ جب میں چودہ سال کی ہوئی تو اس خیال نے دل میں مزید جگہ پکڑ لی۔ پھر یوں ہوا کہ رومن کیتھولک عقائد کے متعلق مجھے تردد، شک وشبہات اور بے اعتمادی سی پیدا ہو گئی، اور مجھے پروٹسٹنٹ عقائد ونظریات میں کشش نظر آئی۔ عقیدۂ تثلیث کے ساتھ میری جذباتی وابستگی تھی۔ میں ہمیشہ یہی کوشش کرتی تھی کہ میں اپنے عقائد ونظریات پر مضبوطی سے قائم رہوں اور ان پر سختی سے عمل کروں۔ لوگ مجھ سے کہتے تھے کہ اتنا زیادہ روحانی ہونے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ میری عمر اس وقت بیس سال کی تھی کہ ایک مرتبہ میری گفتگو ایک ٹیکسی ڈرائیور سے ہوئی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے کسی کے ساتھ مذہب اسلام سے متعلق گفتگو سنی اور اسلام کی اصطلاح میرے کانوں میں پڑی۔ خبرنامہ میں تو اسلام اور مسلمانوں کے متعلق گفتگو اکثر سننے میں آتی تھی جس میں مسلمانوں کو دہشت گرد (Terrorist) کہا جاتا تھا۔ میں نے اسی ٹیکسی ڈرائیور سے کہا کہ مسلمان تو دہشت گرد ہوتے ہیں وہ یہ سن کر نرم انداز میں مسکرایا۔ اور پھر اس نے مجھے قرآن مجید کے مطالعے کا مشورہ دیا۔

میں نے پہلے مذہب اسلام کے متعلق کچھ کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد قرآن مجید کا

مطالعہ کیا اس طرح مجھ کو اپنے عقائد اور اپنی مذہبی منطق بھی سمجھ میں آئی۔

میں کوئی بے وقوف تو نہ تھی کہ حق بات میری سمجھ میں نہ آتی۔ دو سال کے بعد میں نے کلمہ شہادت پڑھ کر اسلام قبول کرلیا۔ اور دو سال سے باقاعدہ پردہ کرنا شروع کردیا۔

الحمدللہ اب میں انتیس سال کی ہوں میرا عقیدہ مضبوط ہے اور میری صحت بھی اچھی ہے۔ اور ماشاءاللہ میرا خوش اخلاق شوہر اس کا تو کیا کہنا۔ یہ میری پہلی دعا تھی جس کو اللہ نے شرفِ قبولیت بخشا اور بہترین شوہر عطا فرمایا۔ میری کہانی کوئی غیر معمولی کہانی نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کچھ لوگوں کو یہ ناگوار گزرتی ہو لیکن میں اپنی زندگی کا یہ اہم واقعہ بتاتے ہوئے قطعاً اکتاہٹ محسوس نہیں کرتی۔ میں نے اپنے خاندان والوں کو بھی بتایا۔ ہوسکتا ہے کہ ان کے لیے یہ واقعہ غیر معمولی ہو۔ وہ میرے قبول اسلام سے بالکل خوش نہیں ہیں۔ میری بہن اب تک میرے پردے کو پسند نہیں کرتی۔ میرے شوہر کے خاندان والے مجھ سے بہت خوش ہیں۔ میں بھی بہت خوش ہوں اور پرسکون بھی کیوں کہ قبولِ اسلام سے شک وشبہہ اور ذہنی اختلال ختم ہوگیا۔ یہ سب کچھ ایک رات میں اچانک نہیں ہوا۔ بلکہ میں نے اس پر کافی ہوم ورک کیا۔ اور اب تک کررہی ہوں۔ آپ خود اپنا مذہب تبدیل نہیں کرتے بلکہ اللہ آپ کو سچائی کا راستہ دکھاتا ہے۔ میں ہر روز کچھ سیکھنے کی کوشش کرتی ہوں اور اس جدوجہد کو خوش آمدید کہتی ہوں۔ میری کہانی بہت سادہ سی ہے مگر ہوسکتا ہے کہ کسی کو متاثر کر جائے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اسی کو راہِ ہدایت عطا فرماتے ہیں جو اس کی کوشش کرتا ہے۔

سی ۔ ہدمنی ڈاج

چند ماہ قبل جب سے میں نے ایک اسلامی سائٹ کو پڑھنا شروع کیا تھا، میں نے یہ محسوس کیا کہ مجھ میں قبولِ اسلام کا داعیہ پیدا ہو رہا ہے۔ لوگ دین اسلام سے کس طرح متعارف ہوتے ہیں، اسلامی عقیدہ کس طرح لوگوں کو کس طرح اپنی طرف متوجہ کرتا ہے۔ اور جب وہ اسلام قبول کر لیتے ہیں تو ان کی زندگیوں میں تبدیلی آتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

اس قسم کے سوالات کو جاننے کے لیے مجھے بہت سے لوگوں نے E-Mail کیا۔ میں آپ کو ان شاء اللہ یہ بتاؤں گی کہ کس طرح، کب اور کیوں امریکی فرد (جیسی کہ میں ہوں) اسلام قبول کرتا ہے۔ یہ ایک طویل داستان ہے اور میں نہیں سمجھتی کہ آپ اس داستان کو چند صفحوں میں سمجھ سکیں گے۔

میں کوشش کروں گی کہ ادھر اُدھر کی نہ ہانکوں اور نہ ہی موضوع سے باہر جاؤں۔ اگر چہ واقعتاً یہ طویل داستان ہے لیکن میں یہ چاہوں گی کہ آپ کے علم میں یہ بات آجائے کہ میں نے کس طرح اسلام کے راستے کی طرف پیش قدمی کی۔ میں اپنے حالات زندگی بیان کرنے کی کوشش نہیں کروں گی بلکہ متعلقہ موضوع تک ہی خود کو محدود رکھوں گی۔ جب میں پیچھے مڑ کر اپنی زندگی کی طرف دیکھتی ہوں تو سب کچھ عجیب معلوم دیتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے میرے لیے منصوبہ بندی کر دی تھی۔ جب میں اس بات کو سوچتی ہوں تو میرے منہ سے سبحان اللہ کی صدائیں بلند ہوتی ہیں۔ میں اللہ کا شکر بجا لاتی ہوں، اس مقام کے لیے جہاں

آج میں ہوں۔ ساتھ ہی مجھے یہ بات غم زدہ بھی کر دیتی ہے کہ میں مسلم خاندان میں کیوں پیدا نہ ہوئی تا کہ میری پوری زندگی ہی اسلام میں گزرتی۔ میں ان لوگوں کو سراہتی ہوں جو پیدائشی مسلمان ہیں کبھی مجھے ان پر ترس آتا ہے کیوں کہ وہ اس نعمت کا شکر ادا نہیں کرتے۔

ان شاء اللہ اس کو پڑھ کر اس کو اس بات کے سمجھنے میں مدد ملے گی کہ میں کس طرح مسلمان ہوئی۔ ہوسکتا ہے کہ اس کے مطالعے سے آپ کو دعوتِ دین کا خیال پیدا ہو جائے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ اپنے عقیدہ پر اور مضبوطی سے گامزن ہو جائیں۔ مجھے امید ہے کہ اس کا مطالعہ آپ کے لیے مفید رہے گا۔ یہ اگرچہ میری داستان ہے مگر میرا خیال ہے کہ بہت سے دوسرے لوگ بھی اس میں خود کو محسوس کریں گے۔

میں سان فرانسسکو کیلی فورنیا میں پیدا ہوئی اور ساحلی مضافات میں پروان چڑھی۔ میرا چھوٹا سا شہر جس کی آبادی چودہ ہزار نفوس پر مشتمل تھی۔ اس میں سفید رنگت والے اعلیٰ متوسط طبقے کے عیسائی رہتے تھے۔ یہ سان فرانسسکو کے جنوب میں گولڈن گیٹ کے اس پار ایک خوب صورت علاقہ تھا۔ پہاڑی علاقے کے ساتھ اور خوب صورت وادی سے متصل بحرالکاہل کے ساتھ میں اپنے پڑوسیوں سے واقف تھی۔ ہم ساتھ بیس بال کھیلتے ندی میں سے مینڈک پکڑتے، پہاڑوں میں گھڑ سواری کرتے اور اپنے گھر کے احاطے میں لگے ہوئے درختوں پر چڑھتے تھے۔ میرے والد کنیسائی (Presbyterian) اور میری ماں کیتھولک (Catholic) تھی۔ میرے والد کسی بھی چرچ کے ساتھ زیادہ گرم جوشی سے وابستہ نہ تھے۔ لیکن میری ماں بہت متحرک تھی اور اس نے ہم سب کو کیتھولک طریقے پر ہی پروان چڑھانے کی کوشش کی۔ وہ اکثر ہمیں چرچ لے جاتی مگر ہم یہ نہیں سمجھ پاتے تھے کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ لوگ کھڑے ہوتے ہیں پھر بیٹھ جاتے ہیں پھر گھٹنوں کے بل کھڑے ہوتے پھر بیٹھ جاتے پھر کھڑے ہو جاتے اور پادری کے ساتھ کچھ پڑھتے چرچ کی ہر بینچ کے ساتھ ایک کتابچہ ہوتا، ایک قسم کی ہدایت نامہ، اس سے ہمیں یہ معلوم ہو جاتا تھا کہ کس ترتیب سے کیا کچھ کرنا ہے۔ (اگر ہم اس دوران نہ سوئیں تب) میں اس چرچ میں بپٹسٹ تھی اور آٹھ سال کی عمر میں مجھے پہلے مذہبی گروپ کا ممبر بنایا گیا۔ اس کے بعد ہم سال میں ایک مرتبہ ہی چرچ جاتے تھے۔ ہم

اپنے محلہ میں سڑک کے بالکل اختتام پر رہتے تھے۔ جب کہ میرا گرامر اسکول گلی کے سرے پر تھا ایک چھوٹے سے چرچ کے بالکل قریب۔ میری عمر دس سال کی تھی جب اس چرچ کے لوگوں نے مجھے بچوں کے کرسمس کے پروگرام میں شرکت کے لیے بلایا۔ میں نے وہاں بچوں کے پروگرام میں شرکت کی اور اس کے بعد سے میں باقاعدگی سے چرچ جانے لگی۔ میرے گھر کے کسی فرد کو چرچ جانے میں کوئی دل چسپی نہ تھی۔ چرچ کی عبادت میں تقریباً تیس افراد شرکت کرتے جو کہ تمام کے تمام بوڑھے افراد تھے مگر وہ سب بہت اچھے اور خوش اخلاق تھے۔ ان افراد میں تین جوڑے ایسے تھے جو جوان تھے اور وہ اپنے چھوٹے بچوں کو بھی اپنے ساتھ لے آتے تھے۔ میں اس چرچ کی بہت فعال رکن بن گئی تھی۔ جب میں چھٹی کلاس میں تھی تو میں نے چرچ میں آنے والے لوگوں کے چھوٹے بچوں کو سنبھالنا (Babysitting) شروع کر دیا تھا تاکہ ان کے والدین سکون سے عبادت کر سکیں۔ جب میں نویں کلاس میں تھی تو اس وقت میں نے پادری کی بیوی کے ساتھ سنڈے اسکول میں پڑھانا شروع کر دیا تھا۔ ہائی اسکول میں میں نے چرچ سے وابستہ نوجوانوں کا ایک گروپ تشکیل دیا تھا جس میں زیادہ تر میرے دوست شامل تھے۔ یہ ایک چھوٹا سا گروپ تھا۔ ہمارے قریب ہی ایک پریسبٹرین چرچ بھی تھا جس میں نوجوانوں کا گروپ تقریباً سو افراد پر مشتمل تھا۔ اس پورے گروپ کو ایک مرتبہ میکسیکو کے مطالعاتی دورے پر بھی بھیجا گیا تھا۔ ہمارے گروپ کے پاس بھی ایک موقع ایسا آیا تھا مگر ہم نے اپنے چرچ میں بائبل کی کلاسوں کو ترجیح دی تھی۔ ہم اکثر خدا کے متعلق گفتگو کرتے اور فلاح و بہبود کے کاموں کے لیے چندے بھی اکٹھے کرتے تھے۔

میں اپنے دوستوں کے ساتھ اکثر روحانیت پر گفتگو کرتی تھی۔ ہم اپنے ذہنوں میں اٹھنے والے سوالات پر بحث مباحثہ کرتے تھے۔ ہمارے سوالات اکثر اس قسم کے ہوتے تھے۔ ان لوگوں کا کیا ہوگا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد سے پہلے اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں وہ جنت میں جائیں گے یا جہنم میں۔ کیا بہت سے نیک افراد صرف اس وجہ سے جنت میں نہیں جائیں گے کیوں کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کو خدا نہیں مانتے جیسا کہ ہمارے ذہن میں گاندھی کا بھی خیال آتا تھا۔ کیا بہت سے ظالم و جابر لوگ (جیسا کہ ہمارے بعض دوستوں کے والد) صرف

اس وجہ سے جنت میں داخل کیئے جائیں گے کیوں کہ وہ عیسائی ہیں۔ خدائے بزرگ و برتر نے لوگوں کے گناہوں کو معاف کرنے کے لیے حضرت عیسیٰ کے خون کی قربانی کیوں لی (عیسائی عقیدے کے مطابق) کیا حضرت آدم کی خطا کی سزا ہمیں ملنی چاہیے۔ بائبل سائنسی حقائق سے مطابقت کیوں نہیں رکھتی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کیسے ہو سکتے ہیں؟ ایک خدا کس طرح تین خدا ہو سکتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

یہ وہ سوالات تھے جو میرے ذہن میں کلبلاتے رہتے تھے۔ ہم ان پر گھنٹوں بحث مباحثہ کرتے رہتے تھے لیکن کبھی کسی جواب تک نہ پہنچ سکے۔ حتیٰ کہ چرچ والے بھی ہمیں ان سوالات کے تسلی بخش جوابات نہ دے سکے۔ وہ ہمیں یہی کہتے کہ "Have Faith" کہ بس یہ عقیدہ رکھو۔ ہمارے چرچ میں ایک دن مجھے معلوم ہوا کہ پریسبیٹرین چرچ والوں نے نارتھ کیلی فورنیا میں سمر کیمپ کا انتظام کیا ہے۔ میری عمر دس سال کی تھی جب میں نے اس سمر کیمپ میں شرکت کی۔ پھر میں سات سال تک مسلسل اس سمر کیمپ میں جاتی رہی۔ میں اپنے گھر کے قریب اس چھوٹے سے چرچ سے بہت خوش تھی کیوں کہ میں نے بغیر کسی اضطراب کے خدائی لمس محسوس کیا تھا۔ یہیں سے میں نے خدا کے ساتھ اپنا گہرا رابطہ قائم کیا تھا۔ سمر کیمپ میں ہم اپنا وقت مختلف مصروفیات میں گزارتے تھے۔ جن میں تفریحات کے علاوہ عبادت، بائبل کا مطالعہ، روحانیت پر مبنی گیت گانا اور بہت سی چیزیں شامل تھیں۔ غرضیکہ یہاں کی بہت سی یادیں میری دل و دماغ کے ساتھ وابستہ تھیں۔ ہمیں یہاں کائنات کی چیزوں پر غور کرنا بھی سکھایا جاتا۔ اس کا طریقہ کار یہ تھا کہ آپ کہیں بھی کسی سبزہ زار پر بیٹھ جائیں یا کسی پل پر یا دریا کے کنارے اور اس پر غور و فکر شروع کر دیں۔ یہاں آ کر میں اپنے اردگرد دیکھتی، کبھی دریا کے کنارے کو، درختوں اور بادلوں کو، حشرات الارض کو، پانی کی آواز کو سنتی، پرندوں کا چہچہانا سنتی، یہاں آ کر مجھ کو ایک گونہ قلبی سکون حاصل ہوتا۔ اور میں اللہ تعالیٰ کی خوب صورت تخلیقات پر اس کا شکر ادا کرتی۔ ہر سمر کیمپ کے اختتام پر جب میں گھر واپس لوٹتی تو یہاں کی یادیں ہمیشہ میرا پیچھا کرتیں۔

گھر سے باہر وقت گزارنا، اکیلے رہنا، اور خدا کے متعلق غور و فکر کرنا، زندگی، اور اس

زندگی میں میرا کیا مقام ہے اس پر سوچنا مجھے اچھا لگتا تھا۔ میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ایک ذاتی رائے قائم کی اور وہ یہ کہ وہ ایک معلم تھے اور ایک مثال تھے۔ اور میں نے چرچ کی سارے تعلیم کو یہ نظریہ قائم کر کے نظر انداز کر دیا۔

میرا اس نظریہ پر یقین تھا اور آج بھی ہے کہ "اپنے پڑوسی کو ایسا ہی چاہو جیسا کہ تم خود اپنے آپ کو چاہتے ہو۔ اور واپسی کی طلب کے بغیر جو کچھ دوسروں کو عطا کر سکتے ہو عطا کر دو۔ دوسروں سے ایسا ہی سلوک روا رکھو جیسا کہ تم اپنے ساتھ سلوک کی توقع کرتے ہو"۔ میں نے دوسروں کی مدد کے لیے بڑی جدوجہد کی اتنی زیادہ کہ جتنی میں کر سکتی تھی۔ میں خوش قسمت تھی کہ مجھے پہلی نوکری ایک آئس کریم اسٹور میں ملی، جب بھی مجھے میری تنخواہ کا چیک ملتا اگرچہ وہ زیادہ رقم کا نہیں ہوتا تھا مگر میں ہر مرتبہ پچیس ڈالر ایک فلاحی پروگرام میں جس کا نام "Foster Parents Plan" تھا بھیجتی تھی، یہ ایک خیراتی پروگرام تھا جو غیر ممالک میں ضرورت مند بچوں کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ ہائی اسکول کی چار سالہ تعلیم کے دوران میں ایک چھوٹے مصری بچہ کی جس کا نام شریف تھا، ذمہ دار (Sponsor) تھی میری رقم ہر ماہ اسی کو جاتی تھی اور وہ بچہ مجھے خط بھی لکھتا تھا۔ اس کے خط عربی میں ہوتے تھے اور وہ خط میں اس طرح مخاطب ہوتا تھا کہ جس طرح کسی بڑے بزرگ کو مخاطب کرتے ہیں حالاں کہ اس کو یہ معلوم نہ تھا کہ وہ اپنے سے عمر میں پانچ سال بڑی لڑکی کو خط لکھ رہا ہے وہ نو سال کا تھا اس کے والد کا انتقال ہو چکا تھا اس کی ماں بیمار رہتی تھی اور کوئی کام نہیں کر سکتی تھی۔ اس کے دو بھائی اور ایک بہن تھی۔ جب میں سولہ سال کی تھی کہ مجھے اس کا ایک خط ملا جس میں اس نے پُر جوش انداز میں لکھا کہ اس کی بہن کی منگنی ہو گئی ہے۔ میں نے سوچا کہ وہ میری ہم عمر ہے اور اتنی جلدی اس کی منگنی ہو گئی! یہ مجھے بڑا عجیب لگا۔ یوں یہ میرا کسی مسلمان کے ساتھ پہلا رابطہ تھا۔ ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ میں اپنے ہائی اسکول میں مصروف ہو گئی۔ وہاں طلباء کا ایک گروپ تھا جس کا نام "Students for Social Responsibility" تھا۔ ہم نے نکاراگوا کے اسکول کے بچوں کے لیے، کینیا کے گاؤں کے لوگوں کے لیے فنڈ جمع کیے، ہم نے نیوکلیئر اسلحہ کے خلاف مہم چلائی۔ طالب علموں کے بین الممالک تبادلے کے پروگرام کے تحت ہمارے

یہاں مختلف ممالک کے لوگ آئے۔ جس میں جرمنی، فرانس، سوئیڈن وغیرہ کے طالب علم بھی تھے۔ فرانس کے طلباء کو ہم نے اپنے گھر بلایا۔ ہائی اسکول میں جونیئر کلاس میں میں طلباء کے ایک گروپ کی میزبان تھی یہ گروپ ''Children of War'' کہلاتا تھا۔ نوجوانوں کا ایک گروپ جس میں ساؤتھ افریقہ، غزہ کی پٹی کے، گوئیٹے مالا اور جنگ سے متاثرہ دوسرے ممالک کے طلباء تھے ملک کے مختلف علاقوں میں جاتا تھا اور لوگوں سے امن وسلامتی سے متعلق اپنی امیدوں اور خیالات کا اظہار کرتا تھا۔ ان میں سے دو کا قیام ہمارے گھر پر تھا۔ گروپ لیڈر کا تعلق نکاراگوا سے تھا جب کہ اس کا دوسرا ساتھی ساؤتھ افریقہ کا تھا۔ ہائی اسکول کی جونیئر کلاسیں ختم ہونے کے بعد گرمیوں میں میں نے سان فرانسسکو میں ایک اعزازی نوکری تلاش کر لی نوکری یہ تھی کہ وہاں پناہ گزین عورتوں کو انگریزی پڑھانی تھی۔ میری کلاس میں دو چینی مسلم خواتین جن کا نام فاطمہ اور مسیون تھا یہ دونوں ویت نام کی بیوائیں تھیں۔ یہ میرا کسی مسلمان کے ساتھ دوسرا رابطہ تھا اگرچہ ان دونوں خواتین کی انگریزی نہ جاننے کی وجہ سے ان سے گفتگو بہت کم ہوتی تھی۔

میرے اب تک کے عملی تجربات نے مجھے باہر کی دنیا کے ساتھ مربوط کر دیا تھا اور مجھے تمام افراد کی اہمیت کا اندازہ ہو چکا تھا۔ میرے ہائی اسکول کے زمانے میں اور میرے ابتدائی جوانی کے ایام میں ہی میرے دل میں دو باتوں کا بڑا گہرا ذوق پیدا ہو گیا تھا۔ ایک خدا پر یقین دوسرے دنیا کے دوسرے ممالک کے لوگوں کے ساتھ رابطہ۔

جب میں اسکول کی تعلیم ختم کرنے کے بعد پورٹ لینڈ آرگن میں آئی اور کالج کی تعلیم کا سلسلہ شروع کیا تو میں اپنی یہ دونوں دلچسپیاں ساتھ لے کر آئی۔ یہاں آ کر میں نے لوئیس اینڈ کلارک کالج میں داخلہ لے لیا اور اپنے کورس میں فرانسیسی اور ہسپانوی زبان کو بھی شامل کیا۔ اس خیال سے کہ ان زبانوں کے سیکھنے سے پناہ گزینوں کو تعلیم دینے میں آسانی رہے گی۔ اس کے علاوہ میرے ذہن میں انگریزی کی ٹیچر بننے کا خیال بھی تھا۔ جب میں کالج میں آئی تو مجھے دوسری دو لڑکیوں کے ساتھ ہاسٹل میں کمرہ مل گیا۔ ان میں سے ایک لڑکی کیلی فورنیا ہی کی تھی اور اس جگہ سے کہ جہاں میں پلی بڑھی تھی تھوڑے ہی فاصلے پر رہتی تھی۔

دوسری لڑکی انتیس سالہ جاپانی خاتون تھیں جبکہ اس وقت میری عمر سترہ سال کی تھی۔ میں کالج میں کسی کو نہیں جانتی تھی، اس لیے میں نے لوگوں سے رابطہ کرنے کے لیے کالج کی سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کر دیا اس طرح میں نے اپنی دل چسپی کا دائرہ ڈھونڈ لیا ایک تو Campus Crusade for Christ کا گروپ تھا جو کہ سو فیصد عیسائی گروپ تھا۔ اور دوسرا "Conversation Groups" تھا۔ یہ ایسا گروپ تھا کہ جس میں امریکی طلباء کو دیگر ممالک سے آنے والے طلباء کے ساتھ ملاقات اور گفتگو کروائی جاتی تھی۔ میں اپنے پہلے سمسٹر میں Campus Crusade والے گروپ کے رابطہ میں رہی۔ ان میں سے کچھ تو بہت اچھے اور دردمند طلباء تھے لیکن طلباء کی اکثریت ریاکار اور منافق تھی۔ ہم ہر ہفتہ جمع ہوتے، اظہارِ خیال کرتے اور گیت گاتے تھے وغیرہ وغیرہ۔ میں ہر ہفتے پورٹ لینڈ کے علاقے میں مختلف چرچوں میں جاتی تھی۔ بہت سے چرچوں میں مختلف باتیں ہوتی تھیں جن کا مجھے پہلے کوئی تجربہ نہ تھا۔ ایک جگہ چرچ میں تو مجھے ایسی احمقانہ باتیں نظر آئیں کہ میں نے ان چرچوں میں جانا چھوڑ دیا اور گروپ کی میٹنگ میں بھی جانا چھوڑ دیا۔ اس چرچ میں ایک پتھر کے ساتھ الیکٹرانک گٹار لگا ہوا تھا اور لوگ اپنے ہاتھ ہوا میں بلند کر کے لہرا لہرا کر ''ہالیلوجہ'' گاتے تھے۔ میں نے یہ بات آج تک کسی چرچ میں نہیں دیکھی تھی۔ اور آج کل یہ چیزیں ٹی وی پر بھی دیکھ رہی ہوں۔ میں چوں کہ ایک چھوٹے چرچ سے آئی تھی اور وہاں یہ نہیں ہوتا تھا۔ میرے گروپ کے دوسرے ساتھی اس چرچ میں بڑے شوق سے آتے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ بعض حرکات ایسی ہوتی ہیں کہ ان کا خدا کی عبادت سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ یہ چیز مجھے بے چین کرتی تھی۔ میں جب اکیلے ہوتی تو خدا کو اپنے ساتھ محسوس کرتی تھی۔ میں اکیلے اپنے کالج کے وسیع احاطے میں گھومتی، بینچوں پر بیٹھتی، قریبی پہاڑ کا خوب صورت منظر دیکھتی، مختلف رنگوں کے پودے اور درخت دیکھتی اور خدا کے عجائبات کا نظارہ کرتی۔ میں وہاں گرجے کی عمارت کو دیکھ کر تعجب میں پڑ گئی۔ یہ ایک چھوٹی سی، گول عمارت تھی جو درختوں میں گویا کہ چھپی ہوئی تھی۔ یہ بہت خوب صورت اور سادہ سی عمارت تھی۔ میں نے اس گرجے میں جانا شروع کر دیا۔ میں وہاں جا کر آرگن بجانے کی پریکٹس کرتی یا پھر خاموش بیٹھی رہتی۔ میں اس چرچ میں خود کو خدا کے زیادہ

قریب محسوس کرتی ۔ میرے یہ محسوسات دوسرے چرچوں میں نہیں تھے۔ اسی دوران میری دوسرے ممالک سے آئے ہوئے طلباء کے ساتھ "Conversation Group" میں ملاقاتیں ہوتی تھیں۔ میرے ساتھ پانچ طلباء تھے۔ ایک میں خود، ایک جاپانی مرد وعورت، ایک اطالوی اور ایک طالب علم فلسطین سے۔ ہم ہفتہ میں دو دن دوپہر کے کھانے پر اکٹھے ہوتے تھے تاکہ دوسرے ممالک کے طلباء اپنی انگریزی کی استعداد کو بڑھائیں۔ ہم اس گروپ میٹنگ میں اپنے خاندانوں، اپنی تعلیم، اپنے بچپن، اور اپنے ثقافتی فرق وغیرہ پر گفتگو کرتے تھے۔ فلسطینی طالب علم فارس نے اپنی زندگی، اپنے خاندان اور اپنے عقیدے وغیرہ کے بارے میں بھی گفتگو کی۔ اس بات نے مجھے خلجان میں ڈال دیا۔ میں اس سے پہلے مسلمانوں میں صرف شریف، فاطمہ اور میسون کو جانتی تھی وہ سب غیر ملکی تھے اور میری ثقافت وتہذیب سے بالکل بے گانہ تھے۔ ان کے عقیدے نے مجھے کبھی خلجان میں نہ ڈالا تھا شاید اس کی وجہ ایک ثقافتی رکاوٹ تھی یا کچھ اور اب یہاں مجھے اسلام کے بارے میں کچھ معلوم ہو چلا تھا۔ جوں جوں مجھے اسلام کا ادراک ہوتا رہا مجھے اپنی زندگی میں اسلام کے امکانات کا احساس بھی ہو چلا تھا۔ کالج کے دوسرے سال یہ گروپ ختم ہوگیا اور غیر ملکی طلباء (International Students) کا دوسرے کالج میں تبادلہ ہوگیا۔ ان کی گفتگو اور تبادلۂ خیالات کا خاکہ میرے ذہن میں تھا۔ اس سال میں نے کالج میں مذہبیات کے مطالعہ کی کلاس بھی لینا شروع کر دی۔ اس میں مطالعہ اسلامی بھی تھا۔ اس کلاس نے عیسائیت سے متعلق میرے پچھلے تمام خیالات کو یکجا کر دیا۔ جیسے جیسے میں نے اسلام کا مطالعہ شروع کیا گویا مجھے میرے سارے سوالات کے جوابات ملتے گئے۔ ہم سب حضرت آدم کی خطا کی وجہ سے سزا کے مستحق نہیں ہیں۔ حضرت آدم نے خطا کے بعد خدائے رحمٰن ورحیم سے معافی چاہی اور اس نے انہیں معاف کر دیا۔ اللہ کو گناہوں کے بدلے میں کسی اور کی جان کی قربانی کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر ہم خلوص ویقین کے ساتھ اللہ سے معافی کے خواستگار ہوں تو وہ ضرور ہمیں معاف کر دے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا نہ تھے۔ وہ اللہ کے رسول تھے، جس طرح کہ ان سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر آچکے تھے اور ان سب نے ایک ہی تعلیم دی۔ ''ایک اللہ کو مانو'' اُسی کی عبادت کرو۔ اسی کے

آگے اپنی جبینِ نیاز جھکاؤ اور اللہ کے احکامات کے مطابق تقویٰ اور پرہیزگاری والی زندگی بسر کرو۔ یہ میرے سارے سوالات کے جوابات تھے۔ تثلیث کے متعلق بھی میرا ذہن صاف ہو گیا تھا۔ اللہ بے عیب ہے وہ عادل ہے وہ ہمیں ہمارے اعمال کے مطابق سزا یا جزا دے گا۔ ان تعلیمات نے گویا مجھے یکسو کر دیا اور یہ تعلیمات میرے عقل و شعور میں جگہ پکڑ گئیں۔ مجھے محسوس ہوا کہ گویا مجھے فطرت نے صحیح راستہ سجھا دیا ہے۔ میرے لیے اب کچھ دشوار نہ تھا میں جتنا مزید مطالعہ کرتی گئی میرا عقیدہ مضبوط اور میرا دل اطمینان حاصل کرتا گیا۔ گرمیوں کی چھٹیوں میں میں گھر واپس آ گئی اور گھر پر بھی اسلام کا مطالعہ جاری رکھا۔ میں لائبریری سے کتابیں لاتی اور اپنی دوستوں کے ساتھ تبادلہ خیالاتِ کرتی۔ ان کو بھی روحانیت کی تلاش تھی۔ اور یہ بھی مشرقی مذاہب کا مطالعہ کر رہی تھیں۔ ان کا رجحان بدھ مت کی طرف تھا۔ انہوں نے میری تلاش کو جان لیا تھا وہ اس پر خوش تھیں کہ جس چیز کی مجھے تلاش تھی وہ مجھے مل گئی تھی۔ وہ مجھ سے یہ سوال ضرور کرتی تھیں کہ اسلام نے کس طرح میری زندگی کو متاثر کیا جب کہ میں کیلی فورنیا کے ایک آزاد خیال (Liberal) گھرانے سے تعلق رکھتی ہوں۔ میں نے مطالعہ جاری رکھا اور میں دعا بھی کرتی تھی کہ اللہ نے مجھے اب کسی قدر اطمینان و سکون بخش دیا ہے میں اپنے قریب کسی اسلامک سینٹر جانا چاہتی تھی۔ لیکن سب سے قریب سینٹر سان فرانسسکو میں تھا۔ چوں کہ میں نوکری بھی کر رہی تھی اس لیے اتنی دور جانا میرے کام کے اوقات کو متاثر کرتا تھا۔ لہٰذا میں نے مطالعہ پر خوب زور دیا پھر میں نے اس بارے میں اپنے گھر کے افراد کے ساتھ بات چیت کی۔ مجھے یاد ہے کہ جب میں نے ان کے ساتھ اسلام کے متعلق بات چیت کی تو وہ اس وقت ٹی وی پر ایک پروگرام دیکھ رہے تھے۔ وہ پروگرام اسکیموز (Skimos) کے متعلق تھا۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ اسکیمو کی زبان میں برف (Snow) کے لیے دو سو سے زائد الفاظ ہیں کیوں کہ برف ان کی زندگی کا ایک اہم حصہ ہے۔ اس کے بعد دنیا کی مختلف زبانوں کے بارے میں گفتگو کرتے رہے کہ دنیا کی مختلف زبانیں بولنے والے افراد میں ان کی انتہائی اہم چیز کے لیے بہت سے الفاظ ہوتے ہیں۔

میرے والد نے مجھے بتایا کہ امریکی رقم (Money) کے لیے بہت سے الفاظ

بولتے ہیں جیسے (Money, Dough, Bread etc) میں نے کہا ڈیڈی! کیا آپ کو معلوم ہے مسلمان خدا کو اس کے ننانوے ناموں کے ساتھ پکارتے ہیں میں نے محسوس کیا میرے یہ الفاظ میرے والد کے لیے بہت اہم تھے۔ گرمی کی چھٹیوں کے بعد میں واپس اپنے کالج آ گئی۔ سب سے پہلا کام میں نے یہ کیا کہ میں نے ساؤتھ ویسٹ پورٹ کی مسجد سے رابطہ قائم کیا اور ان سے پوچھا کہ مجھے کسی خاتون سے ملوائیں پھر ایک خاتون کے ذریعہ مجھے مختلف خواتین کے ٹیلی فون نمبرز مل گئے۔ اُسی ہفتہ میں ان سے ملنے ان کے گھر گئی۔ گفتگو کے دوران ہی مجھے یہ احساس ہوا کہ یہ تو پہلے سے مسلمان خواتین ہیں۔ پھر میں نے ان سے کہا کہ میں کسی ایسی خاتون کی تلاش میں ہوں جو مختلف اسلامی اعمال کے بارے میں رہنمائی کر سکے اور عملی طور پر سمجھا سکے۔ مثلاً نماز کس طرح پڑھی جائے۔ میرے پاس نماز کی کتاب ہے مگر اس کی ادائیگی کس طرح کرنا ہے یہ مجھے معلوم نہیں۔ میں انگریزی میں نماز کے کلمات ادا کرتی تھی مگر بعد میں مجھے یہ معلوم ہوا کہ یہ صحیح نہیں تھا۔ پھر ایک خاتون نے مجھے بچے کے عقیقے کی دعوت پر بلایا۔ میں اس کے ہاں گئی۔ میں وہاں مسلمان عورتوں سے مل کر بہت خوش ہوئی اور ان سے بہت ہی دوستانہ ماحول میں گفتگو ہوئی۔ وہیں کچھ عورتوں نے مجھے کلمہ پڑھایا۔ انہوں نے ہی مجھے نماز پڑھنا سکھائی۔ اور دین اسلام کے بارے میں بہت کچھ سکھایا۔ جس رات میں نے کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت پڑھ کر اسلام قبول کیا۔ میں نے محسوس کیا کہ میں نے آج ایک نئی زندگی شروع کی ہے۔ 9-3191

میں ابھی تک ہاسٹل میں ہی رہ رہی تھی۔ اور مسلم کمیونٹی سے کچھ الگ تھلگ تھی۔ مجھے مسجد تک اور اس علاقے تک جہاں مسلم خواتین رہتی تھیں دو بسوں میں جانا پڑتا تھا۔ لہٰذا جلد ہی میرا ان خواتین سے رابطہ منقطع ہو گیا۔ اور میں اپنے عقیدے کے ساتھ کالج میں اکیلی تھی۔ میں کچھ پریشان بھی تھی۔ میں کبھی لائبریری سے کتابیں لے آتی۔ کالج کی ساری عمارت آدمیوں سے بھری ہوئی تھی۔

ایک مرتبہ پھر میں نے جمعہ کی نماز کی ادائیگی کے لیے مسجد جانا چاہا مگر کسی وجہ سے نہ جا سکی پھر بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ ان خواتین سے ہفتہ کی شام کو ملاقات ہو سکتی ہے مگر میں

وہاں بھی نہ جا سکی۔ مجھے محسوس ہوا کہ میرے حوصلے ٹوٹ رہے ہیں میں پریشان بھی تھی لیکن میں نے خود سے سیکھنے اور مطالعہ کی طرف توجہ مرکوز رکھی۔ میرے اسلام قبول کرنے کے چھ ماہ بعد میں نے پہلی مرتبہ رمضان المبارک کے روزے رکھے۔ میں حجاب کے متعلق بھی سوچ رہی تھی مگر میں یہ قدم اٹھانے سے پہلے ذرا ڈر رہی تھی۔ میں نے بہت سے مکمل لباس پہننا شروع کر دیے تھے اور میں عموماً اسکارف اپنے کاندھوں پر ڈال لیتی تھی۔ مجھے ان خواتین نے اسکارف باندھنا بھی سکھا دیا تھا۔

شروع میں تو میں حجاب کے لیے قطعاً تیار نہ تھی شاید اُس وقت تک میرا عقیدہ اتنا مضبوط نہ تھا۔ پھر بات میری سمجھ میں آ گئی کہ اگر میں حجاب پہنوں گی تو زیادہ باوقار نظر آؤں گی۔ لیکن میں یہ سوچ رہی تھی کہ اگر میں یہ پہنوں گی تو لوگ مجھ سے سوالات کریں گے اور میں ابھی اس بات کے لیے قطعاً تیار نہ تھی۔ اور نہ ہی اتنی مضبوط تھی کہ لوگوں کا مقابلہ کر سکوں۔ اس رمضان المبارک کے مہینے نے مجھ میں بے حد تبدیلیاں کیں۔ رمضان کی پہلی تاریخ کو میں اپنی کلاس میں حجاب کے ساتھ گئی۔ اس سے پہلے میں نے کبھی حجاب نہیں لیا تھا۔ رمضان کے مقدس مہینے نے مجھے اندر سے مضبوط بنا دیا تھا۔ اور میں اپنے مسلمان ہونے پر فخر کر رہی تھی۔ اور اب میں لوگوں کے سوالات کے جوابات دینے کے لیے قطعاً تیار تھی۔ میں نے اس رمضان میں خود کو بہت اکیلا اکیلا محسوس کیا۔ مسلم کمیونٹی میں سے کسی نے مجھے نہیں بلایا۔ کالج میں سحری کے لیے کھانے کا مسئلہ بھی پیدا ہوا کیوں کہ اس وقت کینٹین نہیں کھلتی تھی۔ بہر حال کالج کینٹین مجھے ایک بیگ میں کھانا دینے کے لیے تیار ہو گیا میں ہمیشہ شام میں کینٹین جا کر اپنے کھانے کے دو بیگ لے آتی۔ ایک افطار کے لیے اور ایک سحری کے لئے۔ میں اپنا کھانا ہاسٹل میں لے آتی اور سحری اور افطار میں اکیلے ہی کھاتی تھی وہ مجھے ہمیشہ ایک جیسا ہی کھانا دیتے تھے۔ دہی، پھل بسکٹ، مچھلی یا انڈوں کا سینڈوچ۔ دونوں وقت کا ایک جیسا کھانا ہوتا تھا۔ پورے مہینے یہی سلسلہ چلتا رہا۔ میں اکیلی ہو گئی تھی لیکن اس کے ساتھ ساتھ میں نہایت پر سکون اور مطمئن تھی۔

جب میں نے اسلام قبول کیا میں نے اپنے گھر والوں کو بتا دیا تھا ان کو کوئی خاص تعجب نہیں ہوا۔ ان کو اندازہ تھا کہ ہو سکتا ہے کہ ایک دن ایسا ہو جائے۔ کیوں کہ انہوں نے

گرمیوں کی چھٹیوں میں جب میں گھر پر تھی میرا طرز عمل دیکھ لیا تھا۔ انہوں نے میرا فیصلہ قبول کرلیا تھا۔ اور ان کو اس بات کا علم تھا کہ میں اپنے فیصلے کے ساتھ انتہائی مخلص ہوں۔ پہلے بھی میرے گھر والے ہمیشہ میری سرگرمیوں اور چرچ میں آمدورفت کو قبول ہی کرتے آئے تھے۔ اگرچہ وہ کبھی چرچ نہیں جاتے تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ نہایت وسیع النظر بھی نہ تھے۔ لیکن جب میں نے حجاب لینا شروع کیا تو انہوں نے محسوس کیا کہ میں نے ان کی سوسائٹی سے علیحدہ ہونا شروع کر دیا ہے اور میں ان سے کوئی امتیاز برت رہی ہوں۔ ان کے اس رویہ سے میری حوصلہ شکنی ہوئی۔ وہ مجھے ویسا ہی قبول کرنا چاہتے تھے کہ جیسی میں تھی۔ انہوں نے محسوس کرلیا کہ حجاب ایک بہت بڑی تبدیلی ہے۔ اگرچہ انہوں نے میرے مسلمان ہوجانے کو اتنا زیادہ محسوس نہیں کیا لیکن وہ یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ میری اس تبدیلی سے میری بیرونی زندگی پر کوئی اثر پڑے۔

جب میں نے شادی کا ارادہ ظاہر کیا تو وہ اور پریشان ہوئے۔ اس عرصے میں فارس سے میری ملاقات ہوجاتی تھی۔ وہ فارس جو فلسطینی تھا اور ہمارے گروپ میں تھا۔ یہ وہی فارس ہے جس نے اسلام میں میری دلچسپی کی حوصلہ افزائی کی تھی وہ پورٹ لینڈ ہی میں تھا اور کالج میں پڑھ رہا تھا۔

ہم دونوں میں ملاقاتیں ہوجاتی تھیں۔ کبھی کھانے پر، کبھی لائبریری میں، اور کبھی وہ اپنے بھائی کے ہاں مجھے بلا لیتا تھا۔ میں نے کالج کے دوسرے سال گرمیوں میں یعنی اسلام قبول کرنے کے ایک سال بعد فارس کے ساتھ شادی کرلی۔ میرے گھر والے پریشان ہوگئے۔ وہ میرے حجاب سے قطعاً خوش نہیں تھے اور وہ یوں محسوس کرتے تھے کہ گویا میں نے حجاب لے کر ان کو کسی بوجھ تلے دبا دیا ہے۔ وہ مجھ سے بحث کرتے کہ میں ابھی بہت چھوٹی ہوں، وہ پریشان تھے کہ میں نے اپنے سارے منصوبے ترک کر دیے۔ کالج چھوڑ دیا اور نوجوانی کی عمر میں ماں بن کر اپنی زندگی تباہ کرلی۔ اگرچہ وہ میرے شوہر کو بہت چاہتے ہیں لیکن شروع میں ان کو فارس پر بھروسا نہیں تھا ان کا خیال تھا کہ فارس نے ان کی بیٹی کے ساتھ گرین کارڈ کے حصول کے لیے شادی کی ہے۔ میرا اپنے گھر والوں کے ساتھ اس بات پر جھگڑا رہتا تھا۔ کبھی تو

مجھے یوں محسوس ہوتا کہ کہیں میرا بندھن ٹوٹ نہ جائے۔

تین سال پہلے کچھ تبدیلیاں آئیں ۔ میں اور فارس کاروالس منتقل ہو گئے۔ یہاں آرگن اسٹیٹ یونی ورسٹی بھی ہے۔ ہم یہاں ایک مضبوط مسلم کمیونٹی کے ساتھ قیام پذیر ہیں۔ میں نے یہاں (Child Development) میں گریجویشن کر لی ہے۔ میں نے یہاں کئی نوکریاں بھی کیں، سیکریٹری سے لے کر استاد تک کی نوکری مگر حجاب اس معاملہ میں کبھی رکاوٹ نہیں بنا۔ میں اپنی مسلم کمیونٹی میں بہت سرگرم ہوں۔ میرے شوہر کو ان شاء اللہ اس سال الیکٹریکل انجینئر کی ڈگری مل جائے گی۔ ہم سال میں کئی مرتبہ اپنے گھر بھی جاتے ہیں۔ میرے والد فارس سے بہت خوش ہیں۔ اس گرمیوں کی چھٹیوں میں میں فارس کے والدین سے بھی مل کر آئی ہوں وہ بہت اچھے لوگ ہیں۔ میں نے باقاعدہ عربی پڑھنا بھی شروع کر دی ہے۔ اب میرے خاندان کے لوگ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی زندگی تباہ نہیں کی۔ انہوں نے دیکھ لیا کہ اسلام میری زندگی میں خوشیاں لے کر آیا ہے، افسوس اور دکھ لے کر نہیں آیا۔ وہ اس بات پر بہت خوش ہیں کہ میں بہت خوش اور پرسکون ہوں۔

کیلن (ام کلثوم)

میں نے تقریباً تین سال قبل اسلام قبول کیا۔ رمضان المبارک کے مہینے کے بعد یعنی دونوں عیدوں کے درمیان۔

میرے روحانیت کے سفر کا دورانیہ تیس سال سے زائد عرصے پر محیط ہے۔ میں ایک کیتھولک عیسائی گھرانے میں پیدا ہوئی اور میں نے مذہبِ عیسائیت میں کئی ایسی باتیں دیکھیں جن سے میں متفق نہ تھی پھر میں ایک یہودی ربّی (Rabbi) سے ملی جو کہ ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ شخص اور ایک استاد تھا۔ میں نے اس سے عبرانی زبان اور تورات پڑھنا شروع کی اور یہودی مذہب کے قوانین معلوم کیے۔ میں نے یہودیت میں حلال و حرام کے مسائل اور ان کے روایتی کھانے بنانے بھی سیکھے جو کہ ایک عورت ہونے کی حیثیت سے میرا بنیادی کام بھی تھا۔ یہودیت میں میں نے بہت سے باتیں معلوم کیں لیکن بعض باتوں کا مجھے کبھی اطمینان بخش جواب نہ ملا میں نے مذہب کے مطالعے کے ساتھ روحانیت کے سفر کی جانب بھی تلاش جاری رکھی۔

میں عورتوں کے ایک گروپ سے ملی جو روحانیت کا پروپیگنڈا کرتی تھیں لیکن ان کے کاموں میں مجھے یک رنگی نظر آئی نہ ہی یکسوئی۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ دیویوں اور دیوتاؤں پر یقین رکھتی تھیں۔ میرے ذہن میں ایک خلش بھی موجود تھی کہ خدا (God) مرد ہے اور میں

عورت ہو کر ایک مرد (خدا) پر کس طرح اعتقاد رکھوں۔

ویسے مجھے یہودیوں کا خدا سے متعلق نظریہ پسند تھا کیوں کہ اس میں خدا کا تصور غیبی اور نامعلوم سا تھا۔ لیکن یہودیت کی تعلیمات سے مجھے اتفاق نہ تھا۔ میں یہودیوں کے مذہب کی عزت وتوقیر کرتی تھی مگر مجھے ان کا طریقہ کار پسند نہ تھا۔

اس کے بعد میں مشرقی روحانیت کی طرف مائل ہوگئی۔ اور مشرق کے مختلف مذاہب کا مطالعہ کیا۔ ان تمام مطالعوں کا نچوڑ میرے سامنے یہ آیا کہ اب میرے سامنے دو راستے ہیں۔ ایک خدائی راستہ دوسرا دنیاوی راستہ۔ میں خدائی راستے کو اختیار کرنا چاہتی تھی اور خدا کے قوانین کو اختیار کرنا چاہتی تھی اور خدا کے پیغام کو جو کہ امن، سلامتی، سکون اور فلاح کا راستہ تھا دوسروں تک پہنچانا چاہتی تھی۔ میں پانچ سال تک اِسی تلاش میں مزید بھٹکتی رہی کہ مجھے خدائی راستہ کیسے حاصل ہو۔ اس کی صحیح رہنمائی کون کرے گا۔ کون مجھے بتائے گا؟

میرے دوستوں میں سے زیادہ تر کا تعلق شمالی امریکا اور مڈل ایسٹ سے تھا۔ اور میرے دوستوں کے حلقے میں یہودی، عیسائی اور مسلمان بھی تھے لیکن وہ اپنی مذہبی تعلیمات پر عمل کرنے والے نہ تھے اور نہ ہی ان کی اس بات سے مجھے کوئی سروکار تھا۔ یقین جانیے میرا بھی منظم مذہبی تعلیمات سے کوئی خاص رجحان نہ تھا۔ میں اپنی زندگی میں خدا کے تصور کو جاننا چاہتی تھی کہ جس نے ہمیں سب کچھ عطا کیا تھا۔ عیسائیت میں میں نے یہ جانا کہ ہمیں حضرت عیسیٰ پر ایمان رکھنا چاہیے۔ یہودیت سے یہ معلوم ہوا کہ ہم براہ راست خدا سے بات کر سکتے ہیں۔ جو میں معلوم کرنا چاہتی تھی وہ مجھے کوئی نہیں بتاتا تھا۔

جب میری عمر پچیس سال کی ہوئی تو یوں ہوا کہ مجھے ایک نوجوان شخص سے پیار ہوگیا۔ یہ شخص عراق کا رہنے والا تھا، مذہباً یہودی تھا اور کئی برس سے اسرائیل میں رہ رہا تھا۔ وہ ۱۹۷۰ء میں کینیڈا آیا تھا۔ ہم ایک دوسرے سے ملے اور ایک دوسرے پر فدا ہوگئے۔ اسرائیل اور لبنان کے درمیان جنگ ہو رہی تھی۔ ہم نے شادی بھی کرلی۔ پھر اس نے فیصلہ کیا کہ وہ واپس اسرائیل جا کر فوج میں بھرتی ہوگا۔ اس نے ایسا ہی کیا اور جنگ میں مارا گیا۔ میں اس واقعے سے بہت غم زدہ ہوئی۔ لیکن پھر یوں ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے میری رہنمائی کی اور مجھے بڑا

عظیم تحفہ عطا کیا۔ میری ملاقات ایک لبنانی لڑکی سے ہوئی وہ شیعہ فرقے سے تعلق رکھتی تھی۔ وہ بہت باعمل مسلمان تو نہ تھی لیکن وہ بڑے فخر سے خود کو مسلمان کہتی تھی۔ ہم آپس میں گفتگو کرتے میں نے اس کو سارا احوال بھی سنایا۔ اور اپنے شوہر کے مرنے کا قصہ بھی۔ یہ سن کر وہ بھی رونے لگی کیوں کہ اس کا بھائی بھی مارا گیا تھا۔ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ آیا میرے شوہر نے اس کے بھائی کو مارا ہے یا اس کے بھائی نے میرے شوہر کو مارا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ انہوں نے ایک دوسرے کو نہ مارا ہو بلکہ کسی اور نے ان کو مارا ہو۔

ہم دونوں نے آنسو بہاتے ہوئے ایک دوسرے کو اپنا گہرا دوست بنالیا اور ہم نے ایک دوسرے کی دل جوئی شروع کردی میرے دل پر میرے شوہر کے مرنے کا گہرا صدمہ تھا اور اس کے دل پر اپنے بھائی کے مرنے کا زخم بھی بہت گہرا تھا۔ ہم دونوں نے محسوس کیا کہ جنگوں سے کس طرح لوگوں کے گھر تباہ ہوتے اور دل ٹوٹتے ہیں۔

۱۹۹۵ء میں مونٹریال کینیڈا میں عورتوں کے حجاب لینے پر تنازع اٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے اس مسئلے پر خود جا کر لوگوں سے گفتگو اور معلومات کا سلسلہ شروع کیا۔ اور لوگوں کے انٹرویو کرنا شروع کیے۔ کیوں کہ میں چار سال سے ریڈیو کی ملازمت کر رہی تھی۔ میں نے اپنی دوست کے توسط سے مختلف عورتوں کے انٹرویو کیے۔ ان عورتوں نے مجھے حجاب لینے کی اہمیت و افادیت سے آگاہ کیا۔ اور ان کی ان باتوں نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا کہ ان عورتوں کا اللہ کے احکامات سے کتنا گہرا رابطہ ہے اور اللہ تعالیٰ سے کتنا تعلق ہے۔ میں ان کی سچائیوں اور نرم دلی سے بہت متاثر ہوئی۔ پھر میری دوست نے مجھے اسلام کے متعلق بتایا۔ اور کلمہ

لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں بتایا۔

اس نے مجھے بتایا کہ اللہ کی نظر میں مرد و عورت، تمام رنگ و نسل، اقوام و قبائل کے افراد یکساں اور برابر ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے پیغمبر ہیں حضرت مریم ان کی والدہ محترمہ ہیں۔ اور ایک عظیم مثال ہیں۔ اور اسلام میں غذائی قوانین یہودیت کی طرح سخت نہیں ہیں۔ میرے ذہن نے ان چیزوں کو قبول کرلیا۔ میری اس لبنانی لڑکی سے دوستی کے ایک ماہ

کے عرصے ہی میں میں نے اسلام قبول کرلیا اور اس کی طرح مسلمان ہوگئی۔ قبول اسلام کے لیے وہی مجھے اپنے ساتھ لے کر گئی۔

یہ تین سال پہلے کی بات ہے۔ اب میں حجاب بھی لیتی ہوں اور میں بہت خوش ہوں۔ میں نے یونی ورسٹی جانا شروع کردیا اور اب میں یونی ورسٹی میں مذہبیات کے شعبہ میں ہوں۔ میرا شعبہ اسلام ہے۔ میرا ارادہ کسی اسلامی موضوع پر ڈاکٹریٹ کرنے کا ہے۔ اور میں عورتوں کے قوانین سے متعلق موضوع پر مہارت حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ مطالعہ حدیث میرا پسندیدہ موضوع ہے۔ میں انگریزی زبان میں ''ساتویں صدی میں اسلام اور عورت'' کے موضوع پر ایک کتاب بھی لکھ رہی ہوں۔ میں ریڈیو سے اپنی دوست کے ساتھ پروگرام بھی پیش کرتی ہوں۔ اس نے بھی ریڈیو سے وابستگی کرلی ہے۔ اس خاص پروگرام میں ہم دنیا کے مختلف خطوں میں رہنے والی عورتوں سے مذہبی گفتگو کرتے ہیں۔ میں یہ چاہتی ہوں کہ مسلم اساتذہ اور علماء اسلام کے پیغام پر پڑی اس دھند کو اٹھانے کے لیے دن رات کام کریں۔ میں مسلمان عورتوں اور معاشرے میں ان کے اہم کردار سے متعلق ایک ڈاکومینٹری فلم بھی بنانا چاہتی ہوں۔

اللہ تعالیٰ میری رہنمائی فرمائے اور مجھے وہ سب عطا فرمائے جس کا بحیثیت مسلمان میں نے خواب دیکھا۔ میں مضامین بھی لکھتی ہوں۔ اللہ تعالیٰ میرے قلم اور میری آواز کو دین اسلام کی ترویج کا ذریعہ بنادے۔ میرا اسلامی نام ام کلثوم ہے۔ یہ نام ہمارے آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کا نام ہے۔ میں نے یہ نام اس لیے پسند کیا کہ دوران مطالعہ مجھے سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی شخصیت وکردار نے بے حد متاثر کیا۔

یہ میری کہانی ہے۔

میرا پہلا پیار ایک عراقی یہودی شخص تھا جو کہ میرا شوہر تھا اور وہ جنگ میں مارا گیا۔ میرا دل ٹوٹ چکا تھا۔ بکھر چکا تھا۔ ایک لبنانی مسلمان لڑکی نے اس کو پھر سے جوڑ دیا۔ اس لڑکی نے عراق کے ایک مسلمان مرد کو مجھ سے ملوایا کچھ دنوں کے بعد ہم نے شادی کا فیصلہ کرلیا۔

الحمد للہ! میں اور میرا شوہر مسلمان ہیں۔ میرے شوہر نے اسلام کے بارے میں

مجھے سکھانے اور پڑھانے میں میری بڑی مدد کی۔ کھو جانے کے نقصان کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے راستے کا مسافر بنالیا اب میں بہت خوش ہوں۔ میری دعا ہے کہ:

اللہ تعالیٰ تمام دکھی دلوں کو سکون و ہدایت عطا فرمائے۔ (آمین)

یاد رکھیے! اسلام کا پیغام امن و سلامتی کا پیغام ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ہلینا

ایک عیسائی خاندان میں پیدا ہونے اور پلنے بڑھنے کے باوجود، میں نے کبھی اپنے گھر میں خدا کا نام نہیں سنا کیوں کہ ہمارا گھرانہ بالکل غیر مذہبی گھرانا تھا۔ میں نے کبھی بھی اپنے گھر کے کسی فرد کو عبادت کرتے یا دعا مانگتے نہیں دیکھا۔ لیکن ابتدا سے مجھے یہ بتا دیا گیا تھا کہ اگر ہم کوئی عبادت کرتے ہیں تو اس کا فائدہ صرف ہم کو ہی ہوتا ہے۔ اگرچہ ہم کرسمس، ایسٹر، مِڈسمر (Mid Summer) اور مذہبی ایام (Saints days) مناتے تھے لیکن مجھے معلوم نہ تھا کہ ہم یہ کیوں مناتے ہیں اور نہ ہی کبھی میں نے یہ سوال کیا۔ ہمارا گھرانا سویڈن کا ایک پروٹسٹنٹ عیسائی گھرانا تھا۔

جب میری عمر پندرہ سال کی ہوئی تو مجھے ازخود مذہبیات سے دلچسپی پیدا ہوئی۔ میں نے عیسائیت کے بارے میں معلوم کرنا چاہا۔ گرمیوں کے موسم میں تین ہفتوں کا گولف اور دیگر معلومات کا کیمپ لگایا گیا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ طلباء کو گولف سکھانے کے ساتھ ساتھ ان کو مذہبی تعلیم بھی دی جائے۔ صبح کو پادری مذہبی تعلیم دیتے تھے پھر گولف کے کھلاڑی ہمیں گولف سکھاتے تھے۔ میں نے ان تین ہفتوں میں کچھ بھی نہ سیکھا۔

ہائی اسکول کے زمانے میں میں بڑی جھگڑالو تھی۔ میں یہ سمجھتی تھی کہ کوئی بھی مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ میں اسکول میں پڑھائی میں بڑی ذہین تھی۔ اور میری خوداعتمادی آسمانوں کو چھوتی تھی۔ مذہب کا کبھی خیال ہی نہ آتا تھا۔ زندگی مزے سے گزر رہی تھی۔

میں کسی بھی مذہبی فرد کو دیکھتی اور اس سے ملتی، بات کرتی تو وہ کہتا کہ میں روشنی میں ہوں۔ پھر یا تو وہ مجھے پریشان نظر آتا یا بیمار۔ پھر وہ یہ کہتا ہوا پایا جاتا کہ اس کو زندگی کے لیے عیسیٰ (Jesus) کی ضرورت ہے۔ میں یہ سمجھتی تھی کہ مذہب حقیقت سے منہ چھپانے کا نام ہے۔

کالج میں جانے کے بعد زندگی کے معنیٰ اور اس کے مفہوم پر غور کرنا شروع کیا۔ میرے لیے ذہنی طور پر بھی کسی مذہب کو قبول کرنا بڑا مشکل کام تھا کیوں کہ میری دانست میں سارے مسائل اور جنگوں کی بنیاد مذہب ہی تھا۔ یہ میرا اپنا فلسفہ تھا جو میں نے خود گھڑ کر اپنے ذہن میں بسا لیا تھا۔ میں یہ بات سمجھتی تھی کوئی طاقت ایسی ہے جو ہر چیز کی خالق ہے۔ مگر یہ نہیں کہہ سکتی تھی کہ وہ طاقت خدا ہے۔

عیسائی نقطۂ نظر سے خدا کا تصور میرے ذہن میں ایک ایسے بوڑھے شخص کا تھا جس کی سفید بڑی سی ڈاڑھی ہے اور یہ بوڑھا شخص کس طرح کائنات کا خالق ہو سکتا تھا۔ میں موت کے بعد کی زندگی کی قائل تھی کیوں کہ مجھے معلوم تھا کہ اس تصور کے بغیر عدل و انصاف کے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے۔ میرا اس بات پر بھی یقین تھا کہ ہر چیز کے ہونے کے لیے کچھ اسباب ضرور ہوتے ہیں۔ میں اپنے پس منظر اور اسکول کی زندگی کی وجہ سے بھی ڈارون کی تھیوری پر بھی یقین رکھتی تھی۔ اب میں نے جتنا زندگی کی حقیقت اس کے معنی و مفہوم پر سوچ بچار شروع کیا میں اتنی ہی الجھتی گئی اور پریشان ہوتی گئی۔ میں نے محسوس کیا کہ زندگی ایک قید خانہ ہے۔ میری زندگی کی دل چسپیاں اور رعنائیاں ختم ہو چکی تھیں۔

مجھے بدھ مت اور ہندو مت کے بارے میں اسکول ہی کے زمانے سے کافی معلومات تھیں۔ ہمیں ان دونوں مذاہب کے بارے میں اور ان مذاہب کے طریقۂ عبادت کے بارے میں تفصیل سے پڑھایا گیا تھا۔ لیکن اسلام کے بارے میں میری معلومات بالکل صفر تھیں۔ مجھے یاد ہے کہ میری اسکول کی ایک کتاب میں مسلمانوں کی عبادت کے بارے میں بتایا گیا تھا اور کارٹون بنا کر مختلف عبادات دکھائی گئی تھیں لیکن مجھے اسلامی عقائد کے بارے میں کچھ معلوم نہ تھا۔ میں ذرائع ابلاغ و نشریات کے اس پروپیگنڈے سے بری طرح متاثر تھی جس میں یہ بتایا گیا تھا کہ مسلمان اپنی بیویوں پر بے پناہ ظلم ڈھاتے ہیں اور اپنے بچوں سے نفرت

کرتے ہیں۔ مسلمان مجرمانہ ذہن کے مالک ہوتے ہیں اور کسی کو قتل کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے اور نہ کسی کو قتل کرتے ہوئے ذرا بھی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

کالج کے آخری سال میں مجھے سائنس کے مضامین میں بڑی محنت کرنا پڑی۔ اس کے ساتھ ساتھ مجھے اپنی انگریزی بھی بہت بہتر بنانی تھی کیوں کہ میرا تعلق سویڈن سے تھا۔ میں کسی بین الاقوامی ادارے میں نوکری کرنا چاہتی تھی جس کے لیے اچھی انگریزی لازماً بنیادی شرط تھی۔ آخر کار میں بوسٹن (امریکا) پہنچ گئی۔ یہاں میری چار مسلمانوں سے ملاقات ہوئی۔ اب تک مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں اور اللہ کون ہے۔ اور اللہ کا کیا تصور ہے۔ میں نے ان مسلمانوں سے اسلام کے بارے میں سوالات کرنے شروع کر دیے۔ اور اسلام سے متعلق کتابوں کا مطالعہ شروع کر دیا۔ ساتھ ہی مسلمانوں کو جانچنے اور پرکھنے کے لیے ان سے سماجی رابطے بڑھا دیے۔ میری اس سے پہلے کسی غیر ملکی سے کوئی جان پہچان یا شناسائی نہ تھی اور نہ ہی کسی دوسرے مذہب کے کسی فرد سے۔ وہ تمام لوگ جن سے میری شناسائی اور ملنا جلنا تھا سویڈش تھے اور عیسائی۔ اب جو میری ملاقات ان مسلمانوں سے ہوئی تو مجھے معلوم ہوا کہ یہ تو بہت بھلے لوگ ہیں۔ انہوں نے نہ صرف میری موجودگی کو قبول کیا اور مجھ پر اپنا تسلط جمانے کی کوشش بھی نہیں کی۔ وہ لوگ میرے خاندان کے لوگوں سے زیادہ شریف اور اچھے تھے۔ میرا اسلام پر مطالعہ مسلسل جاری تھا اور اسلام میں مجھے زندگی کا ایک بہترین نظامِ حیات نظر آیا۔ مجھے اس نظام کی مضبوطی اور استحکام کا بھی ادراک ہو گیا تھا لیکن میں نے یہ نہیں سوچا تھا کہ یہ میرے لیے ہے۔

میرا ایک بڑا مسئلہ یہ بھی تھا کہ مذہب، سائنس سے متصادم تھا (جہاں تک عیسائیت کا تعلق ہے تو حقیقت یہی ہے) میں اس ضمن میں اسلام کا نقطۂ نظر معلوم کرنے کی متلاشی تھی کہ مجھے ڈاکٹر موریس بوکائے کی کتاب بائبل قرآن اور سائنس مل گئی۔ بس پھر کیا تھا مجھے میرے سارے سائنسی سوالات کا جواب مل گیا۔ یہی ایک مذہب اسلام واحد مذہب تھا جو جدید سائنس کا ساتھ دے رہا تھا۔ میں نے بہت پر جوش انداز میں یہ کتاب پڑھی لیکن ابھی میرے اندر کی آواز باہر نہیں آ رہی تھی۔ یہ کتاب پڑھنے کے بعد میرے ذہن میں گویا خیالات کا

طوفان تھا۔ میں نے اس کتاب سے بہت کچھ سیکھا۔ مجھے محسوس ہوا کہ میرا دل نرم ہونا شروع ہوگیا ہے اب میرے دل نے مؤمن کی طرح سوچنا شروع کر دیا۔ میں نے محسوس کر لیا کہ ایمان دارانہ، سادہ اور پر خشوع زندگی، حیاء، استحکام، امن وسکون، عزت واحترام کے ساتھ صرف اسلام میں ہی گزاری جا سکتی ہے۔ یعنی ایک بامعنی اور بامقصد زندگی۔ میں نے اپنی انا کو رخصت کر دیا۔ اور اسلام کے سامنے اپنا سر عاجزی کے ساتھ جھکا دیا۔

مجھ سے میرے دوستوں نے پوچھا کہ اب اسلام قبول کرنے میں کیا چیز مانع ہے۔

اس سوال سے پہلے تو میں دہشت زدہ ہوگئی پھر میرا ذہن ماؤف ہونے لگا۔ میں نے معذرت خواہانہ انداز میں سوچنا شروع کر دیا۔ لیکن میرے پاس کوئی دوسرا راستہ نہ تھا۔ تو الحمد للہ میں نے

اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمدًا عبدهٗ و رسوله

پڑھ کر اسلام قبول کر لیا۔

جو یلی

میں ایک نومسلم ہوں میں آپ کو بتانا چاہتی ہوں کہ میں نے کیوں اسلام قبول کیا۔ بلکہ زیادہ بہتر یہ ہوگا کہ میں یہ بتاؤں کہ میں نے کس طرح اسلام قبول کیا۔

پچھلے سال کی بات ہے کہ جب میری عمر تیئس سال کی تھی میں نے بچوں کی کتابوں کی برآمد اور درآمد کی ایک کمپنی کی ابتدا کی۔ کافی سوچ بچار کے بعد میں نے کسی دوسرے ملک سے ابتدا کرنے کے بجائے سعودی عرب کے ساتھ کام شروع کرنے کا فیصلہ کیا۔ واشنگٹن میں موجود سعودی سفارت خانے کے کمرشل آفس سے رابطہ کرنے کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ کسی بھی کمپنی کے ساتھ معاہدہ کرنے کی صورت میں سارے معاہدے کی تحریر عربی زبان میں ہوگی۔ اس بات سے میرے اندر عربی زبان سیکھنے کا داعیہ پیدا ہوا کہ میرے علم میں بھی ہونا چاہیے کہ میں کیا کر رہی ہوں۔ میں مقامی اسکول میں گئی جہاں مختلف زبانیں سکھانے کا انتظام تھا۔ میں نے وہاں عربی کی کلاسیں لینا شروع کر دیں میری ٹیوٹر کا نام سواد تھا۔ میں آج تک جتنے افراد سے ملی ہوں وہ ان سب سے بہترین تھی۔ اور ساتھ ہی بہت مذہبی عورت تھی۔ میں نے اسکول سے عربی سیکھنے کی کتابیں، آڈیو ویڈیو ٹیپ حاصل کیں اور اپنی پڑھائی شروع کی۔ مجھے محسوس ہی نہیں ہوا کہ میں عربی زبان کے ساتھ ساتھ مذہب اسلام سے بھی متعارف ہوتی جا رہی ہوں میں کسی مذہبی اثرات کے بغیر ہی پلی بڑھی تھی۔ مجھے عیسائیت کا ابتدائی تعارف تو تھا مگر میں کبھی چرچ نہیں گئی تھی۔ یہ سب کچھ جاری تھا مگر اس کے ساتھ ساتھ میری زندگی بڑی مشکل اور الجھاؤ

میں تھی۔ میں ملک کے مشرقی حصے میں تھی جب کہ میرا کنبہ مغرب کی جانب رہتا تھا۔ دوست، خاندان کے افراد سب وہیں تھے۔ میں ان کو یاد کر کے روتی تھی۔ میں نے کبھی خود کو زندگی میں اتنا اکیلا محسوس نہیں کیا تھا۔ یہ تنہائی میری نوکری اور میری عربی کلاسوں پر بھی اثر انداز ہونے لگی۔ میری ٹیوٹر سواد نے اس بات کو محسوس کر لیا۔ وہ ایک بہت ہی اچھی سامعہ بھی تھی۔ اس نے مجھے بہت ہی اعلیٰ نصیحت کی جو کہ وہ ہمیشہ ہی کرتی تھی۔ اس نے مجھے کہا کہ اگر میں ایک خدائے وحدہٗ لاشریک کے آگے مکمل طور پر اپنا سر تسلیم خم کر دوں تو یہ روحانی تکلیف، اکیلا پن، گھٹن، بے چینی سب ختم ہو جائے گی۔ جمعرات کا دن تھا۔ اس رات میں نے خدا سے کہا کہ اے خدا! میری مدد فرما۔ رات کو میں خدا سے دعائیں مانگتی رہی اور پھر مجھے نیند آ گئی صبح جب اٹھی تو میں نے خود کو بڑا ہلکا پھلکا محسوس کیا۔ اور میری ساری بے آرامی یک دم ختم ہو چکی تھی۔ میں نے اس ہفتے کے چھٹی کے ایام سواد کے ساتھ گزارے تا کہ میں اسلام کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کر سکوں۔ اتوار کی صبح میں نے مسلمان عورتوں کی ایک محفل میں اسلام قبول کر لیا اور کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت کو اپنا وظیفہ بنا لیا۔

اگلے جمعہ کو عصر کی نماز کے بعد ورجینیا کی مسجد دارالہجرہ میں میں نے تمام لوگوں کی موجودگی میں دوبارہ قبول اسلام کا اعلان کیا۔ کچھ دن کے بعد رمضان کا مقدس مہینہ شروع ہونے والا تھا۔ میں رمضان میں عمرہ ادا کرنے سعودی عرب گئی اور آخری دس دن وہیں گزارے یہ میری زندگی کے بہترین اور خوش گوار ترین ایام تھے۔ اتنا سکون مجھے پہلے کبھی نصیب نہ تھا۔

یہ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ اسلام نے مجھے سچائی کا راستہ دکھایا اگر ہم احکام خداوندی پر صحیح طریقے سے عمل کریں گے تو ہمیں ہر وہ چیز مل جائے گی جس کی ہم کو طلب ہو گی اور میرے خیال میں سب سے اہم چیز ہدایت ہے اور اللہ کی ذات پر غیر متزلزل ایمان ہی میرا بہترین سرمایہ ہے۔

جہادہ

میں فلاڈلفیا (امریکا) میں پیدا ہوئی اور وہیں پلی بڑھی۔ میں ایک بیپٹسٹ عیسائی گھرانے کی فرد تھی۔ میری ماں ہر اتوار کو مجھے اپنے ساتھ چرچ لے جاتی تھی۔ ہم چرچ جا کر پیانو بجایا کرتے تھے۔ مجھے چرچ جانا اچھا نہیں لگتا تھا کیوں کہ مجھے چرچ فیشن شو کی جگہ محسوس ہوتی تھی۔ لوگ ہر اتوار نئے اور عمدہ کپڑے پہن کر تیار ہو کر جب چرچ جاتے ہیں تو سب کی آنکھیں دروازے پر لگی ہوتی ہیں ہر شخص دوسرے کو دیکھتا ہے کس نے کون سا لباس زیب تن کیا ہوا ہے۔ چرچ میں عبادت ختم ہونے کے بعد جب لوگ کھڑے ہو کر گھنٹوں آپس میں باتیں کرتے میں خود کو وہاں بہت اجنبی سی محسوس کرتی تھی۔ آپ یقین کریں مجھے یہ ماحول کبھی پسند نہیں آیا۔

عبادت کے وقت جب پادری سب لوگوں کے سامنے آتا تو وہ آہستہ آہستہ پڑھنا شروع کر دیتا۔ پھر وہ بائبل ہاتھ میں پکڑ تا زور زور سے ہاتھ ہلاتا اِدھر اُدھر گردش کرتا۔ لوگ بھی ان حرکتوں سے خوش ہوتے اور مزے لیتے۔ کچھ چیخنا شروع کر دیتے۔ جب لوگوں کی دل چسپیاں عروج پر پہنچ جاتیں تو ان کے سامنے چندے کی تھالیاں بھیج دی جاتیں۔ مجھے یہ سارا طریقہ پسند نہ تھا۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ یہ پادری اتنا پُر جوش کیوں ہو جاتے ہیں۔

میں جب گھر آتی تو کبھی کبھی بائبل اٹھا کر پڑھنا شروع کر دیتی بائبل میں مجھے کہیں

یہ بات نظر نہ آتی کہ اگر آپ پر جوش ہو جائیں تو اچھلنا کودنا شروع کر دیں۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ بائبل میں کسی جگہ میں نے حضرت عیسیٰ کے عبادت کرنے کا ذکر پڑھا تھا۔ میں نے سوچا کہ اگر عیسیٰ خود خدا ہیں تو وہ کس کی عبادت کر رہے ہیں۔ مجھے محسوس ہوا کہ کہیں کچھ گڑبڑ ہے۔ میں نے یہ بات اپنی ماں اور دادی سے پوچھی کہ حضرت عیسیٰ کس کی عبادت کر رہے تھے۔ تو انھوں نے کہا کہ باپ کی۔ باپ کی؟ میں چونکی۔ اس جواب نے مجھے مزید الجھا دیا۔ اس کا جواب میں نے بہت سارے افراد سے معلوم کرنا چاہا مگر اس کا صحیح جواب کوئی بھی نہ دے سکا۔ میں اگرچہ اس وقت نوعمر اور نوخیز لڑکی تھی لیکن مجھے اس بات کا احساس ہو چلا تھا کہ چرچ میرے لیے مناسب جگہ نہیں ہے۔ میں نے کئی مرتبہ مسلمان عورتوں کو آتے جاتے، بس میں سفر کرتے دیکھا تھا۔ میں ان سے یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ وہ کون ہیں، کس مذہب کی پیرو کار ہیں۔ ان کے عقائد کیا ہیں۔ لیکن مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ ان تک رسائی کیسے ہو۔ میری ایک دوست نے مجھے بتایا کہ جب تم ان سے ملو یا ان کو دیکھو تو ان کو ''السلام علیکم'' کہو۔ پھر جب میری ایک مسلمان خاتون سے ملاقات ہوئی تو میں نے اس کو السلام علیکم کہا پھر اس کے ساتھ گفتگو شروع ہوگئی اس خاتون نے مجھے بتایا کہ مسلمانوں کی ایک مذہبی کتاب ہے اسے ''قرآن مجید'' کہتے ہیں۔ دوران گفتگو اس نے مجھے خنزیر کا گوشت کھانے کی بھی ممانعت کی۔ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ مسلمان عورتیں سر کو کیوں ڈھانپتی ہیں۔ شاید صاف ستھرا رکھنے کی غرض سے؟

ایک دن میں بس میں جا رہی تھی کہ راستے میں ایک مسلمان خاتون بس میں سوار ہوئی میں نے ان کو السلام علیکم کہا انہوں نے جواب دیا۔ بات چیت کے دوران میں نے ان سے پوچھا کہ مجھے ''قرآن مجید'' کہاں سے مل سکتا ہے۔ انہوں نے مجھے پتا بتا دیا۔ دوسرے ہی دن میں وہاں پہنچ گئی اور قرآن مجید کا نسخہ حاصل کر لیا۔ جب میں نے قرآن مجید کو پڑھنا شروع کیا تو گویا اس نے میرے محسوسات کو چھو لیا۔ میں اس کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ پھر میں اس کو واپس نہ رکھ سکی بس پڑھتی رہی۔ میں تین سال کے لیے فوج میں بھرتی ہوگئی تو قرآن مجید اپنے ساتھ لے گئی اور اس دوران اس کا مطالعہ جاری رکھا اور میں اس میں بعض باتیں اپنے فوجی

ساتھیوں کو بھی بتاتی تھی۔ میں نے تین سال کے بعد مزید دو سال کے لیے فوج میں رہنے کا فیصلہ کیا۔ اس کے بعد میں ٹیکساس آ گئی۔ یہاں میری کمرے کی ساتھی ایک بدھسٹ لڑکی تھی۔ میں دیکھتی تھی کہ اس کے پاس ایک چھوٹا سا صندوق ہے اس میں سے وہ ایک کتاب نکال کر کچھ گاتی ہے اور پھر موم بتی سامنے رکھ کر گھنٹی بجاتی ہے۔ میں نے اس کو بتایا کہ میں قرآن مجید کا مطالعہ کر رہی ہوں اور میری دل چسپی مذہب اسلام میں ہے۔ ایک دن میری دوست باہر گئی جب وہ واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں اخبار کا ایک بڑا سا تراشا تھا۔ اس نے وہ مجھے دیا اور کہا کہ شاید تم اس میں بھی دل چسپی لو۔ اس اخبار کے تراشے میں اسلام کے بارے میں بتایا گیا تھا اور جمعہ کے نماز کے اجتماع کی بڑی سی تصویر تھی۔ میں نے اس تراشا کو اپنی الماری میں رکھ دیا دو تین دن کے بعد میں نے سوچا کہ مجھے جمعہ کے اجتماع میں شرکت کرنی چاہیے تاکہ میں یہ دیکھ سکوں کہ اسلام کا عملی پہلو کیا ہے۔ اور یہ جمعہ کو کیا کرتے ہیں۔ میں جمعہ کو ایک مسجد میں گئی جمعہ کا خطبہ سنا اور مجھے بہت اچھا لگا۔ خطیب لوگوں اور ان کے رویوں کے بارے میں بتا رہے تھے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ عورتوں کو کیسا لباس پہننا چاہیے۔ انہوں نے شادی سے قبل جنسی تعلقات کے بارے میں بھی بتایا کہ حرام ہے۔ اس گفتگو کا مجھ پر بڑا اچھا تاثر رہا اور وہاں آئی ہوئی مسلم خواتین بھی بہت اچھی تھیں۔ انہوں نے مجھ سے میرا مذہب تبدیل کرنے کے بارے میں کچھ نہیں کہا بلکہ مجھے دوبارہ مدعو کیا۔ اگلے جمعہ میں دوبارہ گئی اور پھر کئی مرتبہ گئی۔

مجھے جمعہ کا خطبہ بہت اچھا لگتا تھا جو کچھ خطیب صاحب خطبہ میں بتاتے وہ حقیقت اور سچائی پر مبنی ہوتا۔ مجھے ایک خاتون نے بتایا کہ آئندہ ہفتہ مسلم کمیونٹی کی ایک پارک میں پکنک ہے۔ انہوں نے مجھے اس میں آنے کی دعوت دی جو میں نے قبول کر لی۔ اگلے ہفتہ میں پارک میں گئی۔ ہم سب شام تک وہاں رہے۔ میں نے دیکھا کہ مسلمان مردوں نے زمین پر سفید چادریں بچھائیں۔ میں نے سوچا کہ ہم یہاں بیٹھیں گے اور کھائیں گے۔ جب کہ عورتیں علیحدہ بنچوں پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ میں بھی ان کے ساتھ تھی۔ میں نے دیکھا کہ ایک شخص نے اپنے جوتے اتارے اور ایک طرف ہو کر اپنے ہاتھ کانوں پر رکھ کر بلند آواز سے کچھ بولنا شروع کیا۔ میں نے خود سے سوال کیا کہ یہ آدمی کیا کر رہا ہے۔ میں نے اپنے قریب بیٹھی ہوئی ایک عورت

سے پوچھا کہ یہ کیا کر رہا ہے اس نے بتایا کہ یہ اذان ہے۔ نماز ادا کرنے کے لیے پہلے اذان دی جاتی ہے۔ میں ان کو دیکھ رہی تھی انہوں نے پہلے سنتیں پڑھیں پھر جماعت ہوئی ایک آگے کھڑا ہو گیا اور تمام لوگوں نے اس کے پیچھے صف بنا کر نماز ادا کی۔ میں بیٹھی ہوئی سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ نماز کا ڈسپلن مجھے فوج جیسا نظر آیا کہ ایک آدمی آگے باقی تمام قطاریں اس کے پیچھے اس کی اقتداء کر رہے ہیں اس کے حکم پر چل رہے ہیں۔ عورتوں نے ان سے ذرا پیچھے ایک طرف ہٹ کر نماز ادا کی۔ میں نے ایسی تعجب خیز چیز کا زندگی میں کبھی تجربہ نہیں کیا تھا۔

میں اس چیز سے بے حد متاثر ہوئی۔ میں نے اسی وقت فیصلہ کر لیا کہ مجھے مسلمان ہو جانا چاہیے۔ شام میں جب سب جانے لگے میں نے ان کو بتایا کہ میں آئندہ جمعہ کو پھر آؤں گی۔ میں نے ساتھ میں یہ بھی بتا دیا کہ میں مسلمان ہونا چاہتی ہوں۔ جمعہ کو انہوں نے امام صاحب کو یہ بات بتائی اور میں نے ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔ یہ میری زندگی کا مسرتوں بھرا دن تھا۔ تمام عورتیں مجھ سے گلے ملیں اور مجھے مبارک باد دی۔ مجھے محسوس ہوا کہ میں ایک نئی دنیا میں آ گئی ہوں اور میری آج سے شروع ہونے والی زندگی پچھلی زندگی سے بہت اچھی ہے۔ الحمد للہ! الحمد للہ رب العالمین۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے احکام پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس عظیم دین کو صدق دل سے قبول کرنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے عقیدے کو مضبوط بنائے۔ (آمین)

کاسی اسٹاربک

عیسائیت کے متعلق مجھے کچھ واقفیت اس وقت ہوئی جب مجھے بپٹسٹ کیا گیا اور عیسائیت کے نجات کے عقیدے کے متعلق بتایا گیا۔ اس وقت میں کم عمر تھی۔ مجھے چرچ میں سنڈے اسکول میں یہ بتایا گیا کہ اگر میں بپٹسٹ نہ ہوئی تو جہنم کا ایندھن بنوں گی۔ اگرچہ مجھے بپٹسٹ ازم کے متعلق اتنا معلوم نہ تھا مگر میں پھر بھی بپٹسٹ ہوگئی کیوں کہ میں اپنے خاندان کے افراد کو خوش دیکھنا چاہتی تھی۔ میری ماں کبھی کبھی میرے کمرے میں آجاتی اور عیسائیت کے متعلق گفتگو کرتی رہتی۔ وہ مجھے عیسائیت سے متعلق معلومات میں اضافہ کرتے رہنے کی تلقین کرتی اور میری حوصلہ افزائی کرتی۔ پھر میں نے باقاعدہ چرچ جانے کا فیصلہ کرلیا۔ چرچ میں خطبے کے اختتام پر مذہبی گیت گانے کے بعد میں ایک مرتبہ ایک پادری سے ملی وہ مجھے بڑی بااخلاق طریقہ سے ملا۔ مجھے باقاعدہ چرچ آنے پر مبارک باد دی اور پھر ہم دونوں چرچ ہی میں ایک بینچ پر بیٹھ گئے پھر اس نے مجھ سے پوچھا کہ تم چرچ میں کیوں آتی ہو میں نے اس کی طرف دیکھا اور کہا کہ کیوں کہ میں حضرت عیسیٰ سے محبت کرتی ہوں اور عیسیٰ بھی مجھ سے محبت کرتے ہیں وہ بہت خوش ہوا۔ اس دوران چرچ کے کئی ممبران میرے قریب آگئے اور میری گفتگو سے بہت خوش ہوئے۔ چرچ جانے کے ابتدائی سالوں میں مجھے یاد ہے کہ ہم گیت گاتے اور مذہبی اسباق یاد کرتے پھر تھوڑا بڑے ہونے کے بعد میں بڑی لڑکیوں کے گروپ میں شامل ہوگئی اور ہم سب ہر ہفتہ چرچ کی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے لیے بڑے ذوق وشوق سے جمع ہوتے۔

جوانی کے ایام میں بھی ہم مختلف سرگرمیوں میں شریک ہوتے ہمارے چرچ کے بوڑھے ممبران بھی ساتھ ہوتے۔ میں چرچ کی سرگرمیوں میں پیانو بھی بجاتی تھی، اس لیے وہ سب مجھے اچھی طرح جانتے تھے۔ ایک دن ہم کیمپ کی سرگرمیوں میں مصروف تھے شام میں جب سب ایک جگہ جمع ہوئے تو ایک آدمی کھڑا ہو کر کچھ بیان کرنے لگا وہ اپنی شادی کے بارے میں بتا رہا تھا۔ وہ بتا رہا تھا کہ اس کی اپنی بیوی سے ملاقات کیسے ہوئی۔ وہ امریکا میں پلا بڑھا تھا جہاں شادی سے پہلے میل جول اور تعلقات معمول کی بات ہیں۔ لیکن بعض جگہ یہ بھی ہوتا ہے کہ لڑکی اور لڑکا کسی سرپرست کی موجودگی میں مل سکتے ہیں (لیکن اب ایسی مثالیں شاذ و نادر ہی ہیں) وہ بتا رہا تھا کہ اس نے شادی سے پہلے اپنی بیوی کو دیکھا اور پھر اس نے فیصلہ کیا کہ اب اس سے ملاقاتیں کرتا رہے گا۔ ایک اور بات یہ تھی کہ جب تک وہ اس کو منگنی کی انگوٹھی نہ دے دے وہ اس کو ہاتھ نہیں لگا سکتا تھا۔ جب اس کی منگنی ہو جائے تو وہ اس کے ہاتھوں میں ہاتھ دے سکتا ہے۔ وہ یہ باتیں بتا رہا تھا اور مجھے اس کی یہ باتیں بڑی تعجب خیز معلوم ہو رہی تھیں۔ مجھے اس کی باتیں بڑی اچھی بھی لگ رہی تھیں کہ شادی کے وعدے کے بعد یعنی منگنی کے بعد وہ اس لڑکی کو ہاتھ لگا لے۔ میں نے ان باتوں سے بڑا لطف اٹھایا اور اپنی معلومات میں اضافہ بھی کیا۔ میرے خواب و خیال میں بھی نہ تھا کہ ایسا واقعہ پھر کبھی ہوگا (کیوں کہ مغربی دنیا میں یہ باتیں نادر و نایاب ہیں)۔

کچھ سالوں کے بعد میرے والدین میں طلاق ہو گئی اور میری زندگی میں مذہب کے کردار نے میری دنیا بدل دی۔ میں بچپن سے اپنے گھرانے کو دیکھتی تھی کہ وہ ایک مثالی گھرانا تھا۔ میرے والد چرچ میں خیراتی کاموں کے نگران پادری (Deacon) تھے۔ بہت صاحبِ عزت تھے اور سب ان سے واقف تھے۔ میری ماں چرچ میں نوجوانوں کے گروپ کی نگراں تھی۔ جب میری ماں نے ہم لوگوں کو چھوڑا تو میں ہی اپنے باپ اور دو بھائیوں کی نگراں اور منتظم تھی۔ ہمارا چرچ جانا معمول کے مطابق جاری رہا مگر جب ہم ہفتہ کے اختتام پر اپنی ماں سے ملنے جاتے تو ہمارا چرچ جانے کا ناغہ ہو جاتا۔

جب ہم گھر پر ہوتے تو ہمارے والد ہمیں ہر رات پیار و محبت اور خیراتی کام کرنے کا

اجر و ثواب بتاتے۔ ہم نے بعض نظمیں بھی زبانی یاد کر لی تھیں۔ جب ہم ان کو اپنے والد کو سناتے تو وہ بہت خوش ہوتے تھے۔ ہمارے والدین کی طلاق کے بعد تین سال تک یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہا پھر میں اور میرے دونوں بھائی اپنی ماں کے مکان میں منتقل ہو گئے۔ اس دوران میری ماں کا بھی چرچ جانا بہت کم ہو گیا تھا۔ جس کی وجہ سے میرے بھائیوں نے بھی چرچ جانا کم کر دیا۔ جب میں اپنی ماں کے گھر منتقل ہوئی تو میں جونیئر ہائی اسکول میں تھی۔ ہم نے نئے اسکول جانا شروع کر دیا۔ نئے دوست بن گئے۔ نئی زندگی شروع ہو گئی۔ اس اسکول میں سب سے پہلے میں جس لڑکی سے ملی اس کا رویہ بڑا دوستانہ تھا۔ دوسرے دن اس نے مجھے اپنے گھر بلوایا تاکہ ملاقات اپنے گھر والوں سے کرائے۔ اور پھر چرچ جانے کا بھی پروگرام تھا۔ اس کے گھر جانے کے بعد اس کے والدین نے مجھے اچھی بچی اور اچھے اثرات کی حامل لڑکی کا خطاب دیا کیوں کہ میں پہلے سے چرچ کی روایت سے بخوبی واقف تھی۔

جب میں چرچ میں گئی تو مجھے بڑی حیرانی ہوئی کیوں کہ عبادت کے بعد چرچ میں آئے ہوئے تمام لوگوں نے مجھے پیار کیا اور گلے سے لگایا۔ اور مجھے نئے چرچ میں خوش آمدید کہا۔ اس چرچ میں مسلسل جانے کے بعد اور اس لڑکی کے گھر والوں سے مسلسل ملاقاتوں کے بعد انہوں نے مجھ سے عیسائیت کے بعض مخصوص عقائد (Church of Christ) پر گفتگو شروع کر دی۔ عیسائیوں کا یہ گروپ New Testament کا پیروکار تھا۔ ان کے چرچ میں موسیقی کا کوئی اہتمام نہیں ہوتا تھا۔ صرف زبانی گیت گائے جاتے تھے نہ کہ بینڈ باجوں کی دھنوں پر۔ ان کے ہاں کوئی پادری بھی نہ تھا بلکہ جماعت کے سینئر ارکان ہر اتوار کو خطبہ پڑھتے تھے۔ عورتوں کو چرچ میں گفتگو کی اجازت نہ تھی۔ ایسٹر اور دوسرے تہوار بھی نہیں منائے جاتے تھے۔ ہر اتوار کو شراب (Wine) اور خمیری روٹی لائی جاتی اور اگر کوئی بیپٹسٹ آ جائے تو یوں محسوس ہوتا کہ گویا ایک گناہ گار اپنے گناہوں کی توبہ کے لیے آیا ہوا ہے۔ مجھے تو بحیثیت عیسائی پہلے چرچ میں یہ بتایا گیا تھا کہ اگر میں نے بیپٹسٹ ازم قبول نہ کیا تو میں دوزخ میں ڈال دی جاؤں گی اور یہاں چرچ آف کرائسٹ والے صرف خود کو ہی صاحب ایمان سمجھتے تھے یہ بات میرے عیسائی عقائد کو دھچکا لگانے کے لیے کافی تھیں اور یہیں سے عیسائیت سے متعلق میرے

عقائد تشکیک کا شکار ہو گئے ۔ میں تو چرچ ہی میں پروان چڑھی تھی ۔ کیا میرا پچھلا تمام کیا دھرا رائیگاں گیا؟ کیا مجھے اب دوبارہ کسی عیسائی مسلک کو قبول کرنا پڑے گا؟ یہ سب باتیں اس چرچ میں آنے کے بعد میرے ذہن میں کلبلانے لگیں ۔ ان تمام باتوں سے متعلق میں نے ایک مرتبہ اپنی ماں سے بھی بات کی ۔ میں نے ان کو اپنی پریشانی اور عقائد سے متعلق اپنے الجھاؤ کے متعلق بتایا اور کہا کہ مجھے ایسے شخص کی تلاش ہے جو اس گتھی کو سلجھائے ۔ میں چرچوں میں پادریوں کے خطبات پر تنقید کرنے لگی کہ کہانیاں زیادہ سناتے ہیں اور بائبل کی طرف توجہ کم دیتے ہیں ۔ یہ بات میری سمجھ میں نہ آتی تھی کہ اگر بائبل اتنی ہی اہم ہے تو چرچ کی سروسز میں اس کی طرف اتنی کم توجہ کیوں دی جاتی ہے ۔ اس طرح اپنے عقائد کے متعلق سوچتے سوچتے دو سال گذر گئے ۔ اس عرصے میں کچھ بھی نہ سیکھ سکی میں خدا سے یہی دعا کرتی تھی کہ اگر آگے کوئی سچا راستہ ہے تو وہ مجھے دکھا دے ۔ لیکن کوئی راستہ سجھائی نہ دیتا تھا ۔

اگلے سال جب میں کالج آئی تو میں نے تمام چرچوں سے علیحدگی اختیار کر لی ۔ کسی اتوار کو میں اگر چہ دوستوں کے ساتھ چرچ چلی جاتی تھی لیکن میرے جانے کا مقصد خطبہ کو تنقیدی نظر سے دیکھنا ہوتا تھا ۔ میں نے سوچا بیپٹسٹ طلباء کی ایسوسی ایشن سے وابستہ ہو جاؤں مگر خرابی تو یہاں بھی تھی ۔ میں نے کالج آکر کسی اور مذہبی ادارے سے وابستہ ہو جانا چاہا مگر میں صحیح جگہ تلاش نہ کر سکی ۔ جب میں کبھی کسی چھٹی پر اپنی ماں کے گھر جاتی تو میں چرچ ضرور جاتی تھی تا کہ کمیونٹی میں موجودگی کا احساس رہے اور وہ مجھے خوش آمدید کہیں ۔ پھر مجھے ایک چرچ میں گیت گانے کا موقع ملا تو میں اس سے وابستہ ہو گئی کیوں کہ اس سے مجھے آمدنی کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا ہر اتوار کو میں چرچ جاتی اور گاتی تھی ۔ اگر چہ چرچ کے عقائد کے ساتھ مجھے کوئی شغف نہ تھا مگر یہ میری آمدنی کا ذریعہ بن گیا تھا ۔ اسی سال اکتوبر کے مہینہ میں میری ملاقات ایک مسلمان طالب علم سے ہوئی جو ہیں، ہمارے ہاسٹل میں رہتا تھا ۔ وہ بہت دوستانہ مزاج کا طالب علم تھا اور کبھی کبھی طلباء کی میٹنگ میں بڑے گہرے سوالات کرتا تھا ۔ ایک مرتبہ میں نے اس کے ساتھ عقائد اور مذہب کی بحث کی میں فلسفیانہ انداز میں اس سے بہت سوالات کئے اور بہت دیر تک سوالات و جوابات کا سلسلہ چلتا رہا ۔ دوسرے دن اس سے پھر ملاقات ہوئی لیکن میں

اس کے جوابات سے مطمئن نہ ہو سکی۔

اگلے سال گرمیوں کی چھٹیوں میں میں عارضی طور پر ایک کتابوں کی دوکان پر کام کر رہی تھی۔ یہاں میری نظر سے اسلام کے متعلق کتابیں گزرتی تھیں۔ میں نے کچھ کتابیں خرید لیں پھر میری ملاقات یونی ورسٹی کیمپس میں ایک اور مسلمان سے ہوئی۔ میں نے اس سے اسلام سے متعلق سوال پوچھنے شروع کر دیئے۔ اس نے مجھے سوالات کے جواب دیے اور یہ بھی کہا کہ تم براہِ راست قرآن سے ہدایت حاصل کرو۔ میں نے قرآن مجید کا نسخہ بھی حاصل کر لیا اور اس کا مطالعہ شروع کر دیا۔ میرے ذہن میں جو سوال بھی ابھرتا میں اس سے رابطہ کرتی اور وہ مجھے جوابات دیتا۔ اس دوران میں دو مرتبہ مقامی مسجد میں بھی گئی اور وہاں جا کر کمیونٹی کا صحیح تصور میرے ذہن میں اجاگر ہوا۔

اس گرمیوں کی چھٹیوں میں میں نے مذہبِ اسلام کا خوب مطالعہ کیا۔ اور میں مسلمانوں اور اسلام سے متعلق بہت حساس ہو گئی۔ پھر نئے سیشن میں میں نے اسلام کی کلاس بھی شروع کر دی تھی۔ کلاس کے دوران پروفیسر نے اسلام کے متعلق بعض غلط ریمارکس دیے جن کو سن کر میں پریشان ہو گئی۔ اگرچہ پروفیسر نے وہ باتیں بالکل غلط کی تھیں میں یہ سوچنے لگی کہ میں پروفیسر کی تصحیح کیسے کروں۔ میں نے کلاس کے علاوہ اپنا ذاتی مطالعہ بڑھا دیا اور میں میں کیمپس کی ایک تنظیم Islam Awareness Organization کی فعال ممبر بن گئی۔ اس میں میں واحد لڑکی تھی اور عیسائی تھی۔ مسلمان طلبا اس بات پر حیران تھے کہ جو کچھ وہ کر رہے تھے میں بھی اس گروپ کے لیے زیادہ فعال ہو کر کر رہی تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ میں مسلمان ہوں۔ میں نے سور کا گوشت کھانا چھوڑ دیا تھا، شراب ویسے ہی مجھے سخت ناپسند تھی۔ اور روزے رکھنے شروع کر دیے تھے۔ پھر میں نے سر کو ڈھانکنے کا فیصلہ کر لیا۔ تاکہ لوگوں کے سامنے میرے سر کے بال کھلے نہ رہیں۔ اسی لمحے ایک خوبصورت خیال میرے ذہن میں آیا اور وہ یہ تھا کہ میرے سر کے بالوں کو سوائے میرے شوہر کے اور کوئی نہ دیکھے۔ مجھے ابھی تک حجاب کے متعلق علم ہی نہ تھا۔ حتیٰ کہ جب میں مسجد گئی تھی تو میں نے دیکھا کہ بہت سی عورتوں نے حجاب نہیں لیا ہوا تھا۔ ایک مرتبہ گرمیوں میں میں انٹرنیٹ پر اسلام کے متعلق ویب سائٹس دیکھ رہی تھی۔ میں

مسلمانوں کے ای میل ایڈریس دیکھنا چاہ رہی تھی مگر وہ مجھے نہ مل سکے۔ اسی اثنا میں میں مسلم رشتوں کی سائٹس پر چلی گئی۔ میں نے کچھ لوگوں کے اشتہار پڑھے اور ان میں سے اپنے عمر کے لڑکوں کو اسلام کے متعلق معلومات فراہم کرنے کے لیے لکھا۔ میں نے انہیں صاف صاف لکھ دیا تھا کہ میں رشتے کی تلاش میں نہیں ہوں۔ میں صرف اسلام کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ چند دنوں میں میرے پاس تین ای میلز آئیں۔ ایک پاکستانی مسلمان کی جو امریکا میں تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ دوسرے انڈیا کے مسلمان کی جو انگلینڈ میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد متحدہ عرب امارات میں کام کر رہا تھا اور ایک عرب کی ای میل آئی جو کافی تعلیم یافتہ تھا۔ میرے یہ تینوں مسلمان بھائی اپنے اپنے انداز میں میرے مددگار تھے۔ لیکن میں نے امریکا میں موجود مسلمان سے خط و کتابت شروع کی میں نے اس سے سوالات کا سلسلہ شروع کیا اس نے مجھے منطقی انداز میں جواب دینے شروع کیے۔ میں چوں کہ قرآن مجید کا مطالعہ بھی کر رہی تھی اس کے جوابات کو میں قرآن مجید کی روشنی میں دیکھتی تھی۔ پھر میں نے شدت سے اسلام کی ضرورت کو محسوس کر لیا۔ اور میں نے شدت سے یہ چاہا کہ مسجد جا کر اپنے قبولِ اسلام کا اعلان کر دوں اور کلمۂ شہادت پڑھ لوں۔ مجھے اس بات کا ادراک ہو گیا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا نہیں ہیں اور اللہ وحدہٗ لاشریک ہے اس کا کوئی ساتھی یا ہمسر نہیں ہے۔ جمعرات کی رات جولائی ۱۹۹۷ء کو میں نے اُسی مسلم بھائی سے فون پر بات کی میں نے اس سے مزید کئی سوالات پوچھے جس کے مجھے اطمینان بخش جوابات ملے۔ میں نے اُسی وقت دوسرے دن مسجد جانے کا فیصلہ کر لیا۔ میں ایک مقامی اور اس کی غیر مسلم بہن کے ساتھ مسجد گئی۔ لیکن اس کو اپنے ارادے سے آگاہ نہ کیا۔ میں نے اس سے یہی کہا کہ میں نماز کے بعد امام صاحب سے بات کرنا چاہتی ہوں۔ امام صاحب نے خطبے کے بعد نماز پڑھائی اور پھر مجھ سے بات کرنا شروع کی۔ میں نے ان سے پوچھا قبولِ اسلام کے لیے کیا کیا باتیں ضروری ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ اسلام کی حقانیت کا ادراک و احساس اور کلمۂ شہادت۔ میں نے ان کو بتایا کہ میں بہت عرصے سے اسلام کا مطالعہ کر رہی ہوں اور مسلمان ہونا چاہتی ہوں۔ میں نے کلمۂ طیبہ اور کلمۂ شہادت پڑھا اور الحمدللہ مسلمان ہو گئی۔

میری زندگی کا یہ بہت بڑا قدم تھا۔ اس کے بعد اللہ کے فضل و کرم سے رحمت کے دروازے کھلتے گئے۔ میں نے نماز سیکھنا شروع کر دی اور قبولِ اسلام کے دو ہفتہ بعد سے ہی حجاب لینا شروع کر دیا۔ گرمیوں کی چھٹیوں کی ملازمت کی جگہ پر میری حجاب کی وجہ سے مجھے مسائل کا سامنا کرنا پڑا کیوں کہ دکان کا مالک اس کو پسند نہیں کرتا تھا۔ لہٰذا میں نے وہ ملازمت چھوڑ دی۔ اس نے یہ نہ سوچا کہ میں حجاب کے ساتھ بھی کتب فروخت کر سکتی ہوں۔ لیکن میں نے حجاب میں خود کو بڑا آرام دہ اور مطمئن محسوس کیا اور آزاد بھی۔ میری بعد میں بہت سے مسلمانوں سے ملاقاتیں ہوئیں۔ الحمدللہ اگلے سال میں نے کالج میں مسلم آرگنائزیشن کو فعال کرنے کے لیے سرگرم کردار ادا کیا۔ کیوں کہ میں نے محسوس کیا تھا کہ مسلمان بھائی اس میں زیادہ فعال اور متحرک نہیں رہے تھے۔ اللہ کے فضل سے وہ بھی دوبارہ متحرک ہو گئے اور انہوں نے مجھے کاسی ماں (Mother Kasi) کہنا شروع کر دیا۔ کالج کے اس سال میں نے اسلام، عیسائیت اور یہودیت سے متعلق بھی کلاسیں لیں تاکہ اسلام کے ساتھ ساتھ ان مذاہب پر معلومات حاصل کر سکوں۔ ان سے میری معلومات میں بے حد اضافہ ہوا۔ میں اسلام کی ادنیٰ سی مبلغ اور داعی ہوں میرا کام لوگوں کو اسلام کی حقانیت سے آگاہ کرنا ہے۔

کریمہ سلک رازی

میں نے ۲۰ ر ستمبر ۱۹۹۱ء کو اسلام قبول کیا۔ اگر آپ میرے قبول اسلام سے کچھ سال پہلے مجھ سے اس کی توقع کرتے تو میں کہتی ایسا ہرگز ہو ہی نہیں سکتا لیکن اب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی دی ہوئی ہدایت سے میں صحیح راستے پر ہوں۔ فوری طور پر تو یہ کہنا مشکل ہوگا کہ کس چیز نے مجھے اسلام کی طرف مائل کیا کیوں کہ یہ سفر اور مرحلہ تین سال پر محیط تھا۔ وہ تین سال میرے لیے بڑے کٹھن اور بہت مشکل تھے۔

پھر اچانک ڈرامائی طور پر ساری صورت حال تبدیل ہوگئی۔ کبھی میں یہ سوچتی تھی کہ کہیں میں اپنی حیثیت تو نہیں کھو رہی ہوں۔ لیکن اب مجھے معلوم ہوا کہ قبولِ اسلام ہی صحیح فیصلہ اور میرا مقدر تھا اور یہ صحیح راستہ ہے۔ قبولِ اسلام سے تین سال قبل ان تین سالوں میں بڑے مراحل آئے لیکن آہستہ آہستہ مسلسل مطالعہ سے مجھے معلوم ہوگیا کہ یہی صحیح اور ہدایت کا راستہ ہے۔ اور پھر میں نے اسلام قبول کر لیا۔ اسلام سے متعارف ہونے کا پہلا سال میری زندگی کا روحانیت سے متعارف ہونے کا پہلا سال تھا۔ لیکن صرف یہی بات قابلِ قبول نہیں ہوسکتی تھی اور نہ ہی یہ سہل الحصول تھی کیوں کہ میں بنیادی طور پر سیکولر مزاج رکھتی تھی۔ اخلاقیات کی بہت قائل تھی اور اسی پر زور دیتی تھی مگر کسی روحانیت یا عقائد کی میرے ہاں کوئی جگہ نہ تھی۔ ہمارے ملک کا مذہب عیسائیت ہے جس میں ہر شخص احساسِ جرم کے ساتھ بندھا ہوا نظر آتا ہے۔ میرا کسی مذہب سے کوئی تعارف یا واسطہ نہ تھا۔ میں مذہبیات کا تنقیدی مطالعہ کرتی رہتی تھی لیکن

میں اپنی زندگی اور طرزِ فکر سے مطمئن تھی۔ میرا تعلق ایک محبت کرنے والے اور خوش حال گھرانے سے تھا۔ میرے حلقہ ہائے احباب بھی بہت خوش حال تھے۔ میں نے اپنی تعلیم کے دوران یونی ورسٹی میں بھر پور وقت گزارا اور کامیاب طالبہ کہلائی۔ اگرچہ یونی ورسٹی میں مسلمان طلباء سے ملاقات ہوجاتی تھی۔ ان سے ملاقات بھی اسلام پر مطالعہ کی تحریک ابھارتی تھی۔ شریف نامی ایک مسلمان پہلا شخص تھا جس سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ وہ ایک بوڑھا شخص تھا۔ وہ ایک تعلیمی پروگرام کے ساتھ وابستہ تھا۔ اس نے مجھے بتایا تھا کہ وہ تعلیم کے شعبے میں ایک مشن کے طور پر آیا ہے اور اسے ضرورت مند طلباء کے لیے تعلیمی خدمات دینے پر بے حد خوشی ہوتی ہے وہ بہت نرم خو اور نرم گفتار تھا۔ وہ بولنے سے زیادہ سننے پر توجہ دیتا۔ میں اللہ سے دعا کرتی ہوں کہ اللہ بڑھاپے کی عمر میں مجھے بھی اس جیسا وقار اور روحانیت عطا فرمائے۔ یہ ۱۹۸۷ء کی بات ہے۔

اس کے بعد میں بہت سارے مسلمانوں سے ملتی رہی۔ مسلمانوں کی سب سے اہم خصوصیات جو مجھے اچھی لگتی اور مجھے متاثر کرتی تھیں وہ ان کا اطمینانِ قلب، سکون اور ان کی اپنے عقائد پر پختگی تھی۔ یہی باتیں ان کی شرافت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ پھر میری ملاقات اپنے بھائی کے ایک مسلمان دوست عمران سے ہوئی۔ اس سے ملاقات اور گفتگو کے دوران مجھے احساس ہوا کہ مجھے اسی انداز و اطوار کے شخص سے شادی کرنی چاہیے۔ عمران ذہین، مخلص، خود مختار اور پرامن شخص تھا۔ جب ہم دونوں شادی پر متفق ہوگئے تو پھر میں نے سنجیدگی کے ساتھ اسلام کا مطالعہ شروع کیا۔ میرا اسلام قبول کرنے کا ارادہ نہ تھا۔ لیکن جب عمران نے مجھے بتایا کہ وہ اپنے بچوں کو اسلامی طور طریقوں کے مطابق پروان چڑھائے گا تو میں نے اسلام کا گہری نظر سے مطالعہ شروع کیا۔ میں نے عمران سے کہا کہ اگر بچوں میں خلوص، امن و سلامتی، پیار محبت کے جذبات پروان چڑھیں تو مجھے ان کے مسلم رہنے پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ جب میں نے اسلام کا مطالعہ شروع کیا تو آپ یقین کریں کہ اس کی سچائی اور اس کا پیغام میرے قلب و روح میں پیوست ہوگیا اور مجھے یہ احساس ہوگیا۔ میرے اس احساس کی تکمیل نہ کسی اعلیٰ تعلیمی مراحل سے ہوسکتی ہے اور نہ ہی انسانی تعلقات و رابطہ سے۔ لیکن اس مرحلے پر میں نے

کسی پر یہ ظاہر نہیں کیا کہ اسلام کا مطالعہ میرے اندر کیا تبدیلیاں لا رہا ہے اور میرے ذہن کو کس نہج پر لے کر جا رہا ہے۔ چوں کہ میں عورتوں کی آزادی کی قائل تھی۔ لہٰذا میرا ابتدائی مطالعہ اسلام میں عورت کی حیثیت اور اس کے مقام سے متعلق ہوتا تھا۔ پہلے میری سوچ یہ تھی کہ اسلام عورت پر ظلم کرتا ہے اور اس کی آواز کو دباتا ہے۔ عورتوں سے متعلق اب تک میرے مطالعہ میں یہی آیا تھا کہ اسلام عورت کو گھر سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں دیتا ہے۔ ان کو اپنا سر اور چہرہ ڈھانکنے پر مجبور کرتا ہے۔ یقیناً میں نے حجاب کو ایک ظالمانہ رویہ کے طور پر دیکھا تھا جو مردوں کی طرف سے عورتوں پر تھوپا جاتا ہے جس میں اس کی عزت نفس اور عظمت مجروح ہوتی ہے۔ اب تک جو کچھ میں نے پڑھا تھا مجھے بہت متعجب کرتا ہے۔ اسلام کے مطالعہ کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ اسلام عورت پر ظلم نہیں کرتا بلکہ وہ عورتوں کو آزادی بخشتا ہے۔ اسلام نے عورتوں کو جو حقوق چھٹی صدی میں دیے ہمیں اس ملک میں اس صدی میں حاصل ہو رہے ہیں۔ اسلام عورت کو اپنی جائیداد اور اپنی دولت رکھنے کا حق دیتا ہے بلکہ شادی کے بعد اس کے اپنے نام کو برقرار رکھنے کی اجازت دیتا ہے۔ ووٹ کا حق اور طلاق (خلع) کا حق عورت کو حاصل ہے۔

ان تمام باتوں کو فوری طور پر قبول کرنا میرے لیے آسان کام نہ تھا اور میں نے ہر سطح پر اس کا مقابلہ کیا۔ لیکن اسلام میں میرے ہر سوال کا جواب موجود تھا۔

اسلام میں چار شادیوں کی بھی اس وقت اجازت ہے جب کوئی فرد ان کے ساتھ انصاف کر سکے اور یکساں سلوک کر سکے لیکن اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی گئی۔ چار شادیوں کی تاریخ میں مثال اس وقت ملتی ہے جب عورتوں کا تناسب مردوں سے بہت بڑھ جائے خصوصاً جنگوں کے زمانے میں۔ اس طرح عورتیں جائز جنسی تعلقات اور بچوں کی پیدائش سے محروم نہیں رہتی ہیں اور یہ بات لونڈیاں رکھنے کے مقابلے میں زیادہ بہتر تھی۔ اس طرح کے میرے بہت سے سوالات تھے۔ مجھے اس بات کی پوری آگہی ہو گئی تھی کہ عورت کو اسلامی معاشرے میں انفرادی حیثیت سے تمام حقوق حاصل ہیں۔ لیکن یہ باتیں میرے خوف کو کم کرنے کے لیے کافی نہ تھیں۔ آنے والا سال میرے لیے افراتفری کا سال تھا۔

میں نے اپنے ایم۔ اے کے کورس ختم کرنے کے بعد یہ ارادہ کیا کہ میں اسسٹنٹ

ٹیچر کے طور پر پڑھاؤں اس طرح مجھے اسلام کے با قاعدہ مطالعہ کا مزید موقع ملے گا۔ میں اَسلام کا مسلسل مطالعہ کررہی تھی۔ لیکن میں اس عمل پر خود کو جوڑ نہیں پا رہی تھی۔ کیوں کہ میرے ذہن میں ہمیشہ یہ خیال رہتا تھا کہ لوگ مذہب کو بیسا کھی کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ پھر میں سوچتی کہ، کیا یہ سچ ہے؟ کبھی میرے ذہن میں یہ خیال آتا کہ کیا مذاہب دنیا میں جنگوں اور ظلم کا سبب ہیں؟ کیا ہمیں ایک اچھی زندگی گزارنے کے لیے لازمی طور پر مذہب کا سہارا لینا چاہیے؟ اس کے ساتھ ساتھ ہر ہفتے اخبارات میں، ریڈیو میں، ٹیلی ویژن پر مسلمان عورتوں پر ظلم و زیادتی کی کہانیاں سنائی، بتائی اور دکھائی جاتیں۔ پھر میں سوچتی کہ کیا میری جیسی آزاد خیال اور حقوقِ نسواں کی علم بردار عورت کو ایسے معاشرے کے فرد کے ساتھ شادی کرنی چاہیے! لوگ میرے پیچھے میرے خیالات کے متعلق عجیب عجیب باتیں بناتے تھے۔ اپنی عمر کے چوبیسویں سال میں میں ان گتھیوں کو سلجھانے میں مصروف تھی۔ میں یہی سوچتی تھی کہ کیا صحیح ہے کیا غلط ہے؟ سیاہ و سفید آخر کیا ہے؟

یہ سب باتیں جاری تھیں اور ان باتوں کی اہمیت میری اور عمران کی شادی سے کہیں زیادہ تھی۔ کبھی میں یہ سوچتی کہ میں اسلام کا مطالعہ چھوڑ چھاڑ کر دوبارہ اپنا حقوقِ نسواں والا حلقہ جوائن کرلوں یا اپنے سوشلسٹ دوستوں میں چلی جاؤں یا اپنے گھر کے ماحول میں خود کو مصروف کرلوں کیوں کہ یہ لوگ مجھ کو تنہا نہیں چھوڑیں گے بلکہ یہ مجھے اپنے اثرات کا شکار بنالیں گے۔ ان دنوں میں بہت پریشان رہنے لگی تھی۔ پھر میں نے اس موضوع پر اپنے گھر کے افراد اور دوستوں سے بات چیت شروع کردی۔

اب اسلام سے دل چسپی یا عدم دل چسپی کا مرحلہ نہ تھا، اب یہ میری اپنی شناخت کی جدوجہد تھی کہ میں کیا ہوں۔ پھر میں نے لکھنا شروع کیا اور اس موضوع پر کئی اچھے مقالات لکھے۔ مجھے مقالہ جاتی کام، حوالہ جاتی انداز اور تحقیق کا تجربہ تھا۔ اس کے باوجود میری شخصیت کا الجھاؤ برقرار رہا۔ پہلی مرتبہ یہ اندازہ ہوا کہ میں دوسروں کو خوش کرنے کے لیے لکھ رہی ہوں۔ اور اب میں اپنے حوالے سے کام کروں گی۔ میرے گھرانے کے افراد، میرے دوست مجھ سے بہت محبت کرتے تھے۔ میں یہ بھی نہیں چاہتی تھی کہ میں ہمیشہ ان سے مدد حاصل

کروں۔ عمران کی حیثیت ہمارے گھر کے فرد کی طرح ہی تھی وہ میرے ہر سوال کا جواب دیتا۔ میں عمران کے صبر اور عقائد کی پختگی پر اس کو داد دیتی ہوں کہ اس نے کبھی میری بات کا برا نہیں منایا۔ لیکن میں اپنے خوف کا کیا کرتی۔ جو مجھے یہ احساس دلاتا کہ میں سب کچھ ایک فرد کے لیے کر رہی ہوں نہ کہ اپنے لیے۔ اسی بے یقینی، تشکیک، خوف اور امید کے ساتھ میرا مطالعہ بھی جاری رہا۔

اسلام میں عورت کے مقام اور اس کی حیثیت سے متعلق میں نے بہت مطالعہ کیا اور ایک خاص نتیجے پر پہنچ گئی پھر میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح حیات اور سیرت اور ساتھ ساتھ قرآن مجید کا مطالعہ شروع کر دیا۔ جیسے ہی میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا مطالعہ شروع کیا مجھے یقین ہو گیا واقعتاً محمد صلی اللہ علیہ وسلم غیر معمولی رہبر و رہنما ہیں۔ آپ کی نرم خوئی، عنایات، محبت، پیغام، ایمان داری، راست بازی سب اپنی جگہ مسلم ہیں۔ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا اول تا آخر مطالعہ کیا۔ مصیبت کے وقت میں آپ کی استقامت، آپ کا خشوع و خضوع، غرضیکہ سیرت کے ہر ہر پہلو نے مجھے متاثر کیا۔ حتیٰ کہ عظیم کامیابیوں پر آپ ﷺ نے کبھی فخر و تکبر کا اظہار نہیں کیا اور نہ ہی مال و دولت سے متاثر ہوئے۔ آپ ﷺ اپنے صحابہ کرام سے غریب تھے۔ آہستہ آہستہ میں قرآن مجید سے متاثر ہونے لگی میں نے خود سے پوچھا کہ کیا کوئی فرد ایسا معجز نما کلام تخلیق کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔

آہستہ آہستہ میں نے قرآن مجید سے اپنا راستہ تلاش کرنا شروع کر دیا۔ قرآن جو اللہ نے حضرت محمد ﷺ پر نازل کیا تھا وہ آج کل میرے زیر مطالعہ تھا۔ اب میری جد و جہد اپنا راستہ تلاش کرنے پر لگی ہوئی تھی۔ میں اس پیغام کو مسترد نہیں کر سکتی تھی۔ اچانک مجھے قرآن مجید میں ایک ایسی آیت نظر آئی جو گویا براہ راست مجھ سے مخاطب تھی۔ اس آیت نے میرے دل و دماغ پر گہرا اثر ڈالا۔ وہ آیت یہ تھی:

لا یکلف اللہ نفسًا الا وسعھا

اللہ تعالیٰ کسی نفس پر اس کی وسعت سے زیادہ بار نہیں ڈالتا۔

میرے عقائد کی کیفیت اگرچہ اس وقت یہ تھی کہ میرا خدا پر یقین نہ تھا۔ لیکن آیت کو

پڑھنے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ گویا اللہ نے میرے دل پر سے بوجھ اٹھا لیا۔ میں اسلام کا مطالعہ کر رہی تھی اور انجانے خوف میں بھی مبتلا تھی۔ میں سوچنے لگی کہ کیا میں اپنے گھر والوں کو بتادوں کہ میں مسلمان ہونے والی ہوں؟ کیا میں عمران سے رشتہ توڑلوں جس سے میری شادی ہونے والی ہے۔ کیا میں اپنے ذہن میں مزید وسعت پیدا کروں۔ پھر کبھی میں سیکولرزم کے متعلق سوچتی، کبھی اسلام کے متعلق۔

پھر میں نے سوچا کہ مجھے خالی الذہن ہو کر عقیدے کے لیے راستہ بنانا ہے۔ ذہن میں اتنے خیالات کی بھرمار تھی۔ ایک تصور آتا اور چلا جاتا تو دوسرا اس کی جگہ لے لیتا۔ اس طرح ڈھائی سال گزر گئے اور اس عرصہ میں میں نے پورا ترجمۂ قرآن پڑھ ڈالا۔ قرآن حکمت ودانائی سے بھرپور اور فطرت سے ہم آہنگ کتاب ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم غیر معمولی شخصیت ہیں۔ میں اسلام کی تعلیمات سے مطمئن تھی کہ اسلام میں عورت اور مرد دو مختلف لیکن برابری کا درجہ رکھتے ہیں۔ میرے مطالعہ کا حاصل یہ بھی تھا کہ اسلام نہ صرف مرد وزن کو برابر کا درجہ دیتا ہے بلکہ اس کی نظر میں اقوام وقبائل اور سماجی درجات بھی برابر ہی کے ہیں۔ پھر میں اس سوال پر آئی کہ کیا میں ایک خدا پر یقین رکھتی ہوں؟ کیوں کہ یہ مسلمانوں کا بنیادی عقیدہ ہے۔ ایک خدا ہی کائنات کے انتظام کو چلا سکتا ہے۔ عقل میں آنے والی بات یہی ہے۔ سوال پیدا ہوتے رہے اور ان کے اطمینان بخش جوابات ملتے رہے۔

پھر میں نے ایک دن اسلام قبول کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا لیکن دوسرے دن اپنا ارادہ پھر تبدیل کر لیا۔ ایک دن میں نے اپنے گھر کے فرش پر خود کو اس پوزیشن میں کر لیا جس طرح مسلمان نماز پڑھتے ہوئے سجدہ کرتے ہیں۔ اور میں نے خدا سے ہدایت کی دعا کی۔ مجھے اس عمل سے بڑا اطمینان اور سکون نصیب ہوا۔ مجھے محسوس ہوا کہ جب میں سجدے میں تھی تو مسلمان تھی۔ لیکن جب میں کھڑی ہوئی تو میرا ذہن کلمہ پڑھنے پر آمادہ نہ تھا۔ گویا کہ میرے اندر ایک جنگ جاری تھی اس طرح کئی ہفتے بیت گئے۔ اس دوران میں نے ہائی اسکول میں پڑھانا بھی شروع کر دیا تھا۔

ایک دن میں نے یہ سوچا کہ دن بہت تیزی سے گزر رہے ہیں۔ یہ نہ ہو کہ میں کلمہ

پڑھے بغیر اس دنیا سے گزر جاؤں۔ اب بات میری سمجھ میں آگئی تھی کہ اگر اب میں نے اللہ کی وحدانیت، محمد ﷺ کی رسالت اور قرآن کی شہادت پر لبیک نہ کہا اور اس کا انکار کیا تو یہ میرے حق میں اچھا نہ ہوگا۔ میں نے اسلام کی سچائی اور حقانیت پالی تھی۔ میں ذہنی طور پر مسلمان تھی۔

بالآخر چند دن کے بعد میں نے اسلام قبول کرلیا اور میں نے ایک مضمون میں یہی لکھا کہ بالآخر میں نے راہِ ہدایت حاصل کرلی۔ کلمہ شہادت پڑھنے کے بعد گویا فکری آزادی اور روحانیت کے دروازے کھل گئے۔ اب کوئی اشکال اور کوئی ابہام میرے ذہن میں نہیں۔ الحمدللہ

لارا

میں کینیڈا میں پیدا ہوئی وہیں پلی بڑھی۔ میرے آباء واجداد کا تعلق اسکنڈے نیویا سے تھا۔ میں نے ۲۳ رفروری ۱۹۹۳ء کو اسلام قبول کیا جب میری عمر تئیس سال تھی۔

ابتدا ہی سے میری وابستگی کسی بھی مذہب سے نہیں تھی۔ اور نہ ہی میں ملحد یا لا مذہب تھی۔ نوعمری کے زمانے میں میں نے مذہب کے بارے میں سوچنا شروع کیا تو میرا ذہن خدا کی وحدانیت کے تصور کی طرف گیا۔ عیسائیت سے مجھے کبھی بھی دل چسپی نہ تھی۔

مسلمانوں سے میرا تعارف ۱۹۸۸ء میں ہوا جب ہماری یونی ورسٹی میں مختلف اسلامی ممالک کے طلباء تعلیم حاصل کرنے آئے۔ ان ہی کے ذریعہ مجھے تھوڑا بہت اسلام کے بارے میں معلوم ہوا۔ جیسے رمضان کے روزے وغیرہ۔ لیکن ۱۹۹۲ء تک مجھے اسلام کے بارے میں کوئی خاص معلومات نہ تھیں۔ ۱۹۹۲ء میں مجھے اسلام سے دل چسپی پیدا ہوئی۔ ہوا یوں کہ کینیڈا کے ایک اخبار نے مضامین کی سیریز کی شکل میں اسلام پر حملے شروع کئے۔ بدقسمتی سے ان مضامین کے لکھنے والوں میں مسلمان بھی شامل تھے۔ غیر مسلم حضرات نے خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں کے مضامین کو سراہا وہ مضامین اتنے توہین آمیز تھے کہ میں نے مسلمان نہ ہونے کے باوجود اس اخبار کے ایڈیٹر کو اسلام کے حق میں ایک خط لکھا۔ اب میں اسلام کے متعلق سنجیدہ ہوگئی تھی۔ میں نے اس اخبار کے پچھلے مہینوں کے شمارے نکلوائے اور ان کا بھی مطالعہ کیا۔ ہماری یونی ورسٹی میں مسلم اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام Islam Awareness

week منایا جارہا تھا۔ میں نے اس ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام بھی اس اخبار کے خلاف احتجاج میں حصہ لیا۔

کتابوں کی نمائش کے دوران میں نے ایسوسی ایشن کے ذمہ داران سے کہا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق صحیح اسلامی تصور والی کتب کی اہتمام کے ساتھ نمائش کریں۔ تاکہ وہاں آنے والے غیر مسلموں کو اسلام میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تصور کو جاننے میں مدد ملے۔ اس نمائش میں موجود ایک کتاب "This is Islam?" بھی تھی میں اس سے بہت متاثر ہوئی۔ آنے والے مہینوں میں میں اپنے فارغ اوقات میں گھر اور یونی ورسٹی میں مستند اسلامی کتب کا مطالعہ کرتی رہی۔ اس دوران مجھے ڈاکٹر محمد حسنین ہیکل کی کتاب The life of Muhammad بے حد پسند آئی۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ ذرائع ابلاغ کے پروپیگنڈے سے اسلام نہیں سیکھ سکتے۔ اسی طرح اسلام کا مطالعہ کرنے والوں کو اور مذہب اسلام میں نئے داخل ہونے والوں کو فرقہ دارانہ تحریروں سے بھی دور رہنا چاہئے۔ اس طرح وہ گمراہی سے بچ سکیں گے۔

اسی طرح کسی کتاب کے مستند ہونے کے لیے یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ اس کا مصنف عرب ہے یا مسلمان ہے۔ میں نے بہت سے مسلمان خواتین و حضرات مصنفین کی کتابیں پڑھی ہیں جنہوں نے مجھے قطعاً متاثر نہیں کیا۔ اس مطالعہ نے میرے انداز و مزاج کو اسلامی رنگ دینا شروع کر دیا تھا لیکن واقعتاً یہ کافی نہ تھا۔ میں نے ہمیشہ شراب اور سور کے گوشت سے پرہیز کیا تھا۔ اسی طرح لباس کے معاملے میں بھی میرا رویہ ہمیشہ قدامت پسندانہ اور حیادار تھا۔ میں نے کبھی گھر سے باہر جاتے وقت نہ میک اپ کیا اور نہ ہی خوشبو لگائی اور نہ ہی کسی قسم کے زیورات پہنے۔ میں یہ سب شوق گھر میں قیام کے دوران ہی پورے کر لیتی تھی۔ اس مطالعہ کے بعد میں نے حلال ذبیحہ گوشت کا استعمال شروع کر دیا تھا۔ اسی دوران میں کئی مرتبہ اپنے شہر کی مسجد میں بھی گئی۔

جب سے میں نے اسلام کا مطالعہ شروع کیا تھا۔ بہت جاننے کے بعد بھی مزید جاننے کی ضرورت تھی۔ یہ بات تو میرے علم میں خوب اچھی طرح بیٹھی ہوئی تھی کہ اسلام کی وہ

تصویر جو ذرائع ابلاغ و نشریات پیش کرتے ہیں قطعاً اسلام کی صحیح تصویر نہیں ہے۔ میں پہلے یہی سمجھتی رہی کہ اسلام سچائی اور حقانیت پر مبنی مذہب نہیں ہے۔ بلکہ انسان کا بنایا ہوا Man-Made مذہب ہے۔ حالاں کہ اس دنیا میں پیدا ہونے والا ہر بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔

میں نے اسلام کو مغرب کی نظر سے بھی دیکھا۔ میرے ذہن میں یہ خیال بھی آیا کہ اسلام مشرق کا مذہب ہے۔ لیکن مزید مطالعہ سے اور تجربہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اسلام پوری کائنات کا مذہب اور ہر زمان و مکان کے لیے ہے۔ یہ سب باتیں سیکھنے کی غرض سے تھیں۔ اسلام کے متعلق میرے ذہن میں کبھی کوئی منفی رویہ پیدا ہی نہیں ہوا الحمدللہ! جوں جوں میں مزید مطالعہ کرتی گئی اور معلومات حاصل کرتی گئی، اسلام کے متعلق میرا مزاج و رویہ مسلمانوں کا سا ہوتا گیا۔ بعض اوقات میرا دل اندر سے یہ گواہی دیتا تھا کہ یہی برحق اور سچا مذہب ہے اور Common Sense کے بھی قریب ہے۔ اسلام کی حقانیت دل و دماغ میں اترنے کے بعد میں نے یہ سوچا کہ اب مجھ پر کیا ذمہ داری عاید ہوتی ہے کہ کیا صرف سوچ بچار اور غور و فکر کرتی رہوں اور زبان سے اسلام کو اچھا اور سچا مذہب قرار دیتی رہوں یا اسلام قبول کر کے بحیثیت ایک مسلمان زندگی گزاروں۔ ایک دن اپنے گھر میں میں نے کلمہ شہادت پڑھا اور پانچ وقت پابندی سے نماز پڑھنا شروع کر دی یہ فروری ۱۹۹۳ء کی بات ہے۔ اس وقت رمضان المبارک بالکل قریب تھے۔ میں اس مرتبہ روزوں کی برکات سے محروم نہیں ہونا چاہتی تھی۔

میں نے محسوس کیا کہ روزے رکھنا میرے لیے خوش گوار واقعہ اور میرے احساسات سے بھی زیادہ آسان چیز تھی۔ اب میرے معمولات میں نماز پڑھنا اور روزے رکھنا بھی شامل ہو گیا۔ اگر چہ ابتدا میں میں غلطی بھی کرتی تھی اور کچھ دشواری بھی ہوتی تھی۔ لیکن یہ مرحلہ مشکل نہیں بلکہ بہت دل چسپ تھا۔ میں نے عبداللہ یوسف علی کا ترجمہ قرآن پڑھنا شروع کیا۔ یہ نسخہ میں نے اسلام قبول کرنے کے چند دن بعد ہی حاصل کیا تھا۔ اس سے پہلے میں دیگر اسلامی کتب کا زیادہ مطالعہ کرتی تھی۔ اسی دوران مجھے ڈاکٹر یوسف القرضاوی کی کتاب "The

"Lawful and the prohibited in Islam" ملی جو کہ میرے لیے ایک مفید و معلوماتی کتاب تھی۔ جنوری ۱۹۹۶ء میں رمضان کے دوران میں نے سر پر حجاب لینا بھی شروع کر دیا۔ میں نے یہ محسوس کیا کہ ایک مسلمان عورت جب تک حجاب نہ لے، خود کو اللہ کے آگے مکمل طور پر کیسے سپرد کر سکتی ہے۔

اسلام کو قبول کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ مکمل طور پر اس کے احکامات پر عمل پیرا ہو جائیں نہ کہ صرف ان چیزوں پر جو کہ آپ کے مزاج Alter-to-suit yourself سے مطابقت رکھتی ہوں اسلام قبول کرنے کے بعد میں نے یہی سوچا کہ حجاب بہر حال مسلم خاتون کی ضرورت ہے اسے بہر صورت اپنے سر کو ڈھانکنا چاہئے۔ اسی لیے میں نے سب سے پہلے اس پر عمل کیا۔ کسی بھی نو مسلمہ کو اسلام قبول کرنے کے فوراً بعد حجاب لینا شروع کر دینا چاہئے۔ مگر میں دیکھتی ہوں ہماری بعض بہنیں خصوصاً وہ بہنیں جو مسلم پس منظر رکھتی ہیں اور پیدائشی مسلمان ہیں حجاب نہیں لیتیں۔ خاص طور پر اس غیر اسلامی معاشرے میں جہاں قدم قدم پر شیطان کے جال ہیں ہوسکتا ہے کہ بعض لوگ کپڑے کے ٹکڑے سر پر لینے کے عمل کو احمقانہ عمل سمجھیں لیکن دل چسپ بات یہ ہے کہ عیسائی راہبات Nuns پر جو اپنے سر کو با قاعدہ ڈھانکتی ہیں کبھی تنقید نہیں کی جاتی۔ میں نے اپنی قبول اسلام سے پہلے کی زندگی میں کسی با حجاب خاتون کو تنقیدی نگاہ سے نہیں دیکھا۔ شروع میں میں نے یہ سوچا کہ حجاب سے خاص طور پر میرے گھر والے مجھ پر تنقید کریں گے۔ مجھے ان کی تنقید کا ڈر تھا۔ لیکن معاً مجھے خیال آیا کہ ہمیں اللہ کے سوا کسی اور سے نہیں ڈرنا چاہئے۔ حجاب لینے سے کچھ پہلے میں اس کو اوڑھنے کی پریکٹس کرتی رہی۔ ابتدا میں جب میں اپنے گھر سے مقامی مسجد میں جمعہ کی نماز کے لیے جاتی تو حجاب لیتی تھی۔ لیکن بحیثیت مسلمہ مجھے گھر سے باہر نکلنے سے پہلے خواہ میں مسجد جاؤں یا سپر مارکیٹ، یونیورسٹی یا اپنی ملازمت پر مجھے حجاب لینا چاہئے۔ میں اپنی نمازوں کے بعد اللہ سے دعا مانگتی تھی کہ اے اللہ! ہر وقت حجاب لینا مجھ پر آسان بنا دے۔

پھر ایک دن میں نے حجاب لینے کا مکمل ارادہ کر لیا اور گھر سے حجاب لے کر باہر اس عزم کے ساتھ نکلی کہ کوئی پسند کرے یا نہ کرے مجھے کسی کی پروا نہیں میں اپنے اعمال اور دینی

فرائض کی ذمہ داری کے سلسلے میں صرف اپنے اللہ کے سامنے جواب دہ ہوں۔ بہت سے لوگوں نے اس کی مخالفت کی بہت سے لوگوں نے اسے اچھی نظر سے دیکھا۔ بہرحال! یہ ان کی اپنی اپنی آرا تھیں۔

حجاب لینے کے بعد مجھے اس چیز کا احساس ہوا کہ میں لوگوں کی چبھتی نظروں اور گھورنے سے محفوظ ہوگئی ہوں۔ میں دو تین ہفتوں ہی میں حجاب سے ہم آہنگ ہوگئی تھی لیکن بعض لوگوں کو گوری چمڑی والی اور نیلی آنکھوں والی مسلمہ کو حجاب میں دیکھ کر تعجب اور پریشانی ضرور ہوتی تھی۔ حقیقت ہے حجاب لینا بھی دین اسلام کی دعوت کا مؤثر ذریعہ ہے۔

اسلام قبول کرنے کے ساتھ میرا اسلام کو سیکھنے اور سمجھنے کا سلسلہ جاری رہا، جو ہر مسلمان مرد و عورت کا ساری زندگی کا فریضہ ہے۔ آج میں قرآن مجید پڑھنا سیکھ رہی ہوں اور ساتھ ساتھ عربی بحیثیت زبان بھی سیکھ رہی ہوں۔ دین سیکھنا اور جمعہ کے خطبات سن کر ایک نیا پیغام لے کر واپس آنا بھی تعلیم کا ایک ذریعہ ہے۔ حصولِ تقویٰ کے لیے مسلسل جدوجہد اور اپنے نفس کی برائیوں کے خلاف جہاد مرتے دم تک کا عمل ہے جو کہ ہر مسلمان کو کرنا چاہئے۔ مجھے قوی امید ہے کہ اسلام کی تابناک کرنیں چہار دانگِ عالم میں مزید پھیلیں گے۔ بحیثیت مسلمان میں بہت خوش، کامیاب اور مطمئن ہوں۔

ملکہ

میں امریکی ریاست ورجینیا کے شہر رچمنڈ کی رہنے والی ہوں۔ میری گزشتہ سال سے پہلے کسی مسلمان سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ مجھے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ میرے اپنے شہر میں ایک اسلامک سینٹر ہے۔ جب میری اسلام میں دلچسپی بڑھی تو میں نے اسلام کے متعلق کچھ پڑھنا چاہا مگر کوئی معقول کتاب مجھے نہ مل سکی۔ میں نے انسائیکلو پیڈیا سے اسلام کے بارے میں پڑھا اور چند کتابیں بھی مجھے میسر آ گئیں مگر وہ تمام کی تمام غیر مسلم مصنفین و محققین کی لکھی ہوئی تھیں۔ یہ تمام کتابیں یک طرفہ نقطۂ نظر کی حامل تھیں۔ ان میں لکھا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن ساتویں صدی عیسوی میں تحریر کیا، مسلمان حجر اسود کی پوجا کرتے ہیں، اسلام عورتوں سے نفرت اور ان پر ظلم کی تعلیم دیتا ہے۔ مزید یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید بائبل سے نقل کیا، مسلمانوں نے اسلام کو اس انداز سے پھیلایا کہ ان کے ایک ہاتھ میں قرآن مجید اور دوسرے ہاتھ میں تلوار تھی۔ مذہب اسلام صرف عربوں کے لیے ایک کتاب میں لکھا تھا کہ لفظ ''اللہ'' ایک لفظ ''ال۔لوت'' سے لیا گیا ہے۔ جو کہ عربوں کا خدا (Moon God) تھا۔ وغیرہ وغیرہ (نعوذ باللہ) مجھے اندازہ تھا کہ میں جو کچھ پڑھ رہی ہوں جھوٹ پر مبنی ہے، حقائق کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔

پھر ایک دن میرے کالج میں دو لڑکیاں داخل ہوئیں ان کا تعلق پاکستان سے تھا اور وہ حجاب لیے ہوئے تھیں۔ وہ میری دوست بن گئیں۔ اور پھر میں نے ان سے اسلام سے متعلق

سوالات پوچھنا شروع کر دیے۔ میں جب بارہ سال کی تھی تو اس وقت میں عیسائیت سے ناتا توڑ چکی تھی لہٰذا اس مطالعہ اور سوال و جواب سے میرے اندر ٹکراؤ کی کوئی کیفیت پیدا ہی نہیں ہوئی۔ میرا اصل مضمون بیالوجی تھا اور بنیادی طور پر میں کسی بھی مذہب سے وابستہ نہ تھی۔ مجھے اس وقت بڑا تعجب اور حیرانی ہوئی جب انہوں نے مجھے بتایا کہ تمہاری پچھلی (گومختصر ہی سہی) مذہبی تعلیم سب خرافات پر مبنی تھی۔ میں گرمی کی چھٹیوں میں اپنے گھر آ گئی۔ میرا اپنا اپارٹمنٹ تھا۔ میں 7-11 (Seven Eleven) اسٹور پر کام کرنے لگی۔ ایک دن اسٹور میں ایک عورت آئی وہ حجاب لیے ہوئی تھی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ وہ نماز کے لیے کہاں جاتی ہے تو اس نے بتایا کہ اسی سڑک کے کنارے تھوڑا سا آگے جا کر ایک اسلامک سینٹر ہے۔ مجھے بڑا تعجب ہوا۔

دوسرے دن میں وہاں گئی تو وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ پھر ایک دن کے بعد دوبارہ گئی۔ یہ جمعہ کا دن تھا اور وہاں کافی لوگ موجود تھے۔ ایک آدمی نے مجھے بتایا کہ اگر میں ہفتہ کی شام کو یہاں آؤں تو میری ملاقات کافی خواتین سے ہو سکتی ہے۔ میں وہاں گئی تو متعدد خواتین سے ملاقات ہوئی اور ان سے بہت سے سوال و جواب ہوئے۔ وہ میری یہاں آمد سے کافی خوش تھیں۔ ایک عورت نے مجھے مورس بیوکائے (Maurice Bucaille) کی کتاب Bible Quran and Science دی۔ میں نے یہ کتاب پڑھی تو میرے دل نے گواہی دی کہ تمہیں فوراً مسلمان ہو جانا چاہیے۔ میں بیالوجی کی طالبہ تھی اور میں سمجھ گئی تھی کہ جو کچھ قرآن مجید میں ہے سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے نہ کہ ایک اُمّی کی طرف سے۔ میں دوسرے دن اسلامک سینٹر گئی اور اسلام قبول کر لیا۔

جب میرے والد کو اس کا علم ہوا تو وہ گویا پاگل ہو گئے۔ وہ میرے اپارٹمنٹ میں آئے اور ہر چیز تہس نہس کر دی حتیٰ کہ قرآن مجید کا نسخہ بھی پھاڑ دیا۔ میں نے پولیس کو بلوالیا وہ اپارٹمنٹ سے باہر آ گئے۔ پولیس نے میری مدد سے انکار کر دیا اور مجھے کہنے لگے کہ کیا تم نہیں سمجھتیں کہ تمہارے والد صحیح بات کہہ رہے ہیں؟ پھر میں دوسری ریاست میں منتقل ہو گئی۔ میں نے اپنے والد کے ساتھ رابطہ اور گفتگو کا سلسلہ جاری رکھا کیوں کہ قرآن کہتا ہے کہ اگر تمہارے

والدین غیر مسلم بھی ہوں تو تم ان سے اچھا سلوک رکھو۔ پھر میں خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا واقعہ یاد کرتی ہوں کہ انہوں کہ اپنی بہن کو قبول اسلام پر اتنا مارا تھا کہ مارتے مارتے وہ خود تھک گئے تھے۔

الحمدللہ! اللہ نے میری کوششیں بار آور کیں۔ گرمیوں کی چھٹیوں میں میں اپنے والد سے ملنے گئی انہوں نے پہلی بار مجھے مکمل حجاب میں دیکھا۔ انہوں نے بلا دلیل و حجت مجھے اس حالت میں بھی قبول کر لیا اور خوش آمدید کہا۔ میرا خیال ہے کہ انہیں اس بات کا یقین ہو گیا کہ ان کی لڑکی باپ کے بغیر رہ سکتی ہے لیکن اسلام کے بغیر نہیں۔

منیرہ مارٹینا

اللہ تعالیٰ آپ سب کو خوش اور تندرست رکھے (آمین) جب میں نے اپنے حالات لکھنا شروع کیے تو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کہاں سے شروع کروں۔ جب میں نے اپنے محسوسات قلم بند کرنے کے لیے کاغذ اور قلم پکڑا میں بڑی دیر تک یہ سوچتی رہی کہ کیا میں اپنے ان جذبات واحساسات کو تحریر کی شکل دے سکوں گی جب میں آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کر رہی تھی۔

کلمہ شہادت کی حلاوت، مٹھاس اور لذت کو جو میں نے محسوس کیا شاید وہ جذبات میں قلم بند نہ کرسکوں۔ میں تو یہی محسوس کر رہی تھی کہ میں دوبارہ پیدا ہوگئی ہوں۔ میں جھوٹے معبودوں کی غلامی کی زنجیریں کاٹ کر ایک اللہ کی جو وحدہٗ لاشریک ہے پناہ میں آگئی ہوں۔ میری سہیلیاں مجھے کہتی ہیں کہ تم غلام بن گئی ہو ان کو کیا معلوم! حقیقت یہ ہے کہ میں آزاد ہوگئی ہوں۔ اسلام ہی وہ مذہب ہے جو ہمیں وقار اور احترام کے ساتھ جینے کا سبق دیتا ہے اور ہم کو راہِ ہدایت پر چلاتا ہے۔

میں نے اپنی قسمت آزمائی کے لیے، سکون حاصل کرنے کے لیے اور اس دنیا میں میرا مقام کہاں ہے اس کو پانے اور جاننے کے لیے دنیا کے کئی ممالک کا سفر کیا۔ مجھے یہ معلوم ہی نہ ہوسکا کہ یہ تو میرے دل میں چھپا ہوا ہے شاید یہ بات کسی مناسب وقت کے انتظار میں تھی۔

کیا آپ ان روحانی لمحات کو فجر کی نماز سے پہلے تہجد کے وقت جو آپ کو روحانی

مسرت ولذت عطا کرتے ہیں، سورج طلوع ہونے کے بعد محسوس کر سکتے ہیں یا پا سکتے ہیں، میں ان اوقات میں ہی خالقِ کائنات کے تصور میں کھو جاتی ہوں۔

بچپن سے اسلام کے بارے میں میرے خیالات و تصورات وہی تھے جو میں اخبارات ورسائل میں پڑھتی، ٹی وی، ریڈیو پر دیکھتی اور سنتی تھی۔ اسلام کے بارے میں وہی یک طرفہ متعصبانہ پروپیگنڈا تحریر ونشر کیا جاتا میں اسی سے متاثر تھی۔ لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ حقیقت پر مبنی تھی کہ طبیعت شروع ہی سے متجسّانہ بھی تھی۔ میں نے اپنے طور پر یہ سوچا کہ اب اسلام کے بارے میں کتابوں کو بھی کھنگالا جائے اور دیگر ذرائع سے بھی اسلام کے بارے میں اپنے سوالات کے جوابات حاصل کئے جائیں۔

میرا خیال یہ ہے کہ ہم سب خدا پر ایمان کے ساتھ ہی پیدا ہوتے ہیں اور یہ تصور ہماری روح کے ساتھ جڑا ہوا ہوتا ہے۔ اور یہ وہی یقین کی کیفیت ہوتی ہے جو ہمیں مذہبیات سے متعلق دیگر سوالات کے جوابات حاصل کرنے پر مجبور کرتی ہے۔

میں نے مختلف ثقافتوں، اقوام اور تہذیبوں میں اس سوال کا جواب حاصل کرنے کی کوشش کی مگر ہر جگہ کچھ مذہبی فلسفہ یا مذہبی رسومات ہی نظر آئیں جن کو کچھ علاقائی، نسلی یا مملکتی گروپ سختی سے پکڑے نظر آ رہے تھے۔ میں ان چیزوں کی تلاش میں تو نہ تھی۔ میں تو کسی آفاقی، کائناتی اور تصورات کی تلاش میں تھی نہ کہ کسی اندھے عقاید کی تلاش میں۔ اسلام کی طرف میرا سفر بڑے ہی عجیب انداز سے شروع ہوا۔ تجسس سے بھرپور، اشتیاق سے بھرپور اور استعجاب سے بھرپور۔

چوں کہ میں دنیا کہ مختلف ممالک میں رہ چکی تھی اور کئی زبانیں جانتی تھی اچانک مجھ پر عربی زبان سیکھنے کا خبط سوار ہو گیا۔ میں براٹیسلو میں کتابوں کی دکان میں کچھ کتابیں دیکھنے اور عربی اور چیک زبان کی لغات کی تلاش میں گئی۔ وہاں کتابوں کی دوکان میں مجھے چیک زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ مل گیا۔ طبیعت میں تجسس تو تھا ہی۔ میں نے وہ ترجمہ ابتدا سے پڑھنا شروع کر دیا۔ میں ترجمہ قرآن پڑھتی گئی اور اس ترجمہ نے میرے اندر کی حالت کو تبدیل کرنا شروع کر دیا۔ اگلے چند ماہ تک صورت حال یہ تھی کہ یہ ترجمہ ہر جگہ میرے پاس ہوتا۔ گھر میں،

آفس میں، پبلک ٹرانسپورٹ میں، بس اسٹاپ پر۔ جہاں مجھے وقت ملتا میں اس کو اپنے بیگ میں سے نکال کر پڑھتی رہتی۔ میں نے اپنے دفتر میں اپنے ساتھیوں سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے پہلا ریمارکس دہشت گردی کا دیا۔ جو کہ عموماً ہر مسلمان کو ملتا ہے۔ مطالعۂ قرآن کے بعد میں نے اسلام قبول کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا۔ مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ دائرہ اسلام میں کیسے آتے ہیں۔

ہفتہ کا دن تھا اگر چہ دفتر سے چھٹی تھی لیکن مجھے ایک ضروری اسائنمنٹ مکمل کرنے دفتر جانا تھا۔ بارش ہو رہی تھی میں ٹرام میں بیٹھی ہوئی تھی اور موسم کے بہتر ہونے کے متعلق سوچ میں گم تھی۔ میں نے ٹرام کی پچھلی نشست پر ایک خاتون کی آواز سنی جو اپنے بچے کے ساتھ سلاوک زبان میں بات کر رہی تھی اور ساتھ ساتھ وقتاً فوقتاً عربی کے کچھ الفاظ بھی ادا کر رہی تھی۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو مجھے تعجب ہوا کہ ایک سلاوک مسلمان عورت سر پر اسکارف لیے اپنے بچے کے ساتھ بیٹھی ہوئی ہے۔ میں اٹھ کر اس کے پاس جا کر بیٹھ گئی پھر اس نے مجھ سے ایک جگہ کا ایڈریس معلوم کیا۔ میں نے اس کے ساتھ کافی گفتگو کی اور ہم نے اپنے ٹیلی فون نمبر اور ایڈریس کا تبادلہ کیا۔ اس اثناء میں میرا اسٹاپ آ گیا اور میں ٹرام سے اتر گئی۔ میں نے چند گھنٹوں میں اپنا اسائنمنٹ مکمل کیا اور جب ٹرین میں بیٹھی تو حسنِ اتفاق کہ وہی خاتون ٹرام میں موجود تھی اور واپس جا رہی تھی۔ اس مرتبہ اس خاتون نے اپنے قبولِ اسلام کی پوری داستان سنائی اور مجھے اپنے گھر آنے کی دعوت دی جو میں نے قبول کر لی۔

پھر میں ایک دن اس کے گھر گئی، اور خاتون سے اور اس کے شوہر سے بھی ملاقات ہوئی اور میں کئی گھنٹے اسلام کے بارے میں باتیں کرتی رہی۔ سوال و جواب ہوتے رہے ان دنوں رمضان المبارک کا آخری عشرہ تھا۔ چند دنوں کے بعد مسلمانوں کے تہوار عید الفطر کی آمد آمد تھی۔ انہوں نے عید الفطر کے نماز کے موقع پر بھی مجھے براٹسلو کی جامع مسجد میں مدعو کیا۔

میں ان روحانی لمحات اور قدسی کیفیت کو کبھی نہ بھلا سکوں گی جب میں نے پہلی مرتبہ مسجد میں قدم رکھا تھا۔ مجھے کچھ ہچکچاہٹ محسوس ہو رہی تھی لیکن پھر یوں محسوس ہوا کہ میں ایک بڑی فیملی کی ممبر ہوں۔ وہاں مسلمان خواتین نے مجھے گرم جوشی سے خوش آمدید کہا۔ میں نے

وہاں کئی خواتین سے بھی ملاقات کی جنہوں نے دوسرے مذہب سے پلٹ کر اسلام قبول کیا تھا۔ ہر ایک کی الگ الگ کہانی تھی۔ لیکن ایک بات مشترکہ تھی کہ اسلام بہترین مذہب ہے۔ ایسا مذہب جو ہماری زندگیوں میں مسرتیں، خوشیاں اور امن وسکون لایا ہے۔ ان خواتین کے واقعات نے میری روح کو گہرائی کے ساتھ متاثر کیا۔ واپسی میں میرے پاس بہت سی اسلامی کتابیں بھی تھیں۔ جن کو میں راستے بھر پڑھتی رہی۔ ساری رات آنکھوں میں کٹ گئی۔

صبح سویرے بستر سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ دل و دماغ نے بالاتفاق فیصلہ صادر کر دیا کہ زندگی کا ایک نیا باب شروع کرنے میں اب دیر نہیں کرنی چاہیے۔ میں نے اسکارف سر پر باندھا اور اپنی خاتون دوست اور ان کے شوہر کو فون کیا کہ میں آپ کے پاس آنا چاہتی ہوں۔ میں ان کے گھر پہنچ گئی وہ میرے منتظر تھے۔ ہم جامع مسجد پہنچے امام صاحب نے چند خواتین و حضرات کی موجودگی میں کلمۂ طیبہ اور کلمۂ شہادت پڑھا کر مجھے حلقہ بگوش اسلام کر دیا۔ کلمہ پڑھتے وقت میری آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ یہ خوشی کے آنسو تھے۔

میں دن بدن اپنے اسلام کو سیکھنے کی کوشش کر رہی ہوں عربی زبان میں میری استعداد بہت قوی ہے۔ قرآن مجید پڑھ سکتی ہوں۔ شعائر اسلام کی پابندی کر رہی ہوں۔ نہایت مطمئن اور پرسکون ہوں، نماز کی پابند ہوں۔ دفتر میں میرے ساتھی بھی میری روحانی ترقی کے ساتھ دنیاوی ترقی پر بھی خوش ہیں۔

ٹینا

مجھے اور میرے شوہر ہم دونوں کو اسلام قبول کرنے کی سعادت نصیب ہوئی لیکن میں اپنے شوہر سے ایک سال پہلے دائرہ اسلام میں داخل ہوئی تھی۔ اسلام کی طرف میری توجہ مبذول کرنے والی دو چیزیں تھیں جن سے میں بڑی متاثر تھی ایک حجاب اور دوسری چیز جو میرے لیے بڑی متاثر کن تھی، وہ ہے مسلمان خواتین کا باوقار لباس۔ میں نے اور میرے شوہر نے قرآن مجید میں سے لباس سے متعلق تمام آیات اور اسی سے متعلق بہت ساری حدیثیں جمع کی تھیں۔ ان آیات واحادیث نے میرے دل ودماغ پر گہرا اثر ڈالا تھا۔

میں پہلی مرتبہ کینیڈا کی ایک مسجد میں گئی۔ ایک مسلمان بہن نے مجھے گرم جوشی سے سلام کیا اور اس نے وہیں میری پسند پر مجھے حجاب کا خوب صورت تحفہ بھی پیش کیا اس تحفہ کے لیے ہمیشہ اس کی مشکور رہوں گی۔ وہاں میں نے علیحدہ علیحدہ حصوں میں خواتین وحضرات کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا میرا دل بھی بہت چاہا کہ میں ان بہنوں کی نماز میں شامل ہو جاؤں مگر اس خوف سے کہ شاید مجھے کوئی روک دے میں شامل نہ ہوئی۔ لیکن میں یہ بھول گئی کہ جلد ہی یہ میرے دینی بھائی بہن بن جائیں گے۔

اسلام قبول کرنے کے تقریباً ایک سال بعد تک میں حجاب نہ لے سکی پھر الحمد للہ میں نے حجاب لینا شروع کر دیا۔ اب میں ہمیشہ باہر آتے جاتے وقت حجاب لے کر ہی جاتی ہوں۔ میں دیکھتی ہوں کہ میری بہت سی مسلمان بہنیں اسکارف وغیرہ نہیں لیتیں لیکن یہ بات مجھے

پریشان نہیں کرتی۔ میں ہمیشہ اپنی اصلاح کی فکر میں رہتی ہوں۔ میں نے اور میرے شوہر نے ساتھ ساتھ قرآن مجید ختم کیا اب ہم قرآن مجید عربی زبان ہی میں پڑھتے ہیں۔

ابتدأ میں تو بتانا ہی بھول گئی کہ میرا تعلق کینیڈا سے ہے اور میں قبول اسلام سے پہلے کلیسائی (Anglican) فرقے سے تعلق رکھتی تھی۔ جب کہ میرے شوہر کا تعلق عیسائی چرچ کے پریسبیٹرین (Presbyterian) فرقے سے تھا۔ مجھے قبول اسلام کے بعد کسی قسم کے تلخ تجربہ یا صدمے سے دوچار ہونا نہیں پڑتا حتیٰ کہ حجاب لینے کی وجہ سے مجھے کسی قسم کی پریشانی نہیں ہوئی۔

شاہراہِ اسلام پر چلنے کے بعد مجھے بہت سے صاحبان علم سے ملاقات کرنے اور ان کے علم سے استفادہ کا موقع ملا میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتی ہوں کہ اس نے مجھے اس خوبصورت راستے پر چلنے کا موقع اور توفیق عطا فرمائی۔ الحمدللہ۔

نتاشیا ایم کیلی

میں ایسے ماحول میں پیدا ہوئی اور پروان چڑھی جہاں خدا پر یقین رکھنا بچوں کو سکھایا جاتا تھا۔ بچپن ہی سے میں ہر اتوار کو قریبی چرچ جایا کرتی، بائبل اسکول کی کلاس میں باقاعدگی سے شرکت کرتی تھی اور مذہبی گیت گایا کرتی تھی۔ اس کے باوجود میری ذاتی زندگی میں مذہبیات کے لیے کوئی دل چسپی نہیں تھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ میں خدا کے تصور کے بارے میں بہت غور وخوض کرتی۔ مذہب سے کوئی خاص دل چسپی نہ ہونے کے باوجود بھی میں رہنمائی اور ہدایت کی دعائیں مانگا کرتی تھی۔ ناامیدی اور مایوسی کے عالم میں بھی خدا ہی کو پکارتی، لیکن پھر کچھ یوں ہوتا کہ خدا کی قربت کا تصور بھاپ بن کر اڑ جاتا اور میں کچھ نہ مانگتی۔ مجھے یوں احساس ہوتا کہ مجھ میں اعتقاد کی کمی ہے۔

کبھی میں دنیا کو ایک کھیل کی طرح تصور کرتی کہ جس میں خدا کا کام ایک ریفری کی طرح کا محسوس ہوتا۔ کبھی یوں محسوس ہوتا کہ خدا اپنے کو یہ کہہ رہا ہے کہ بائبل احکام کو تحریر کرو اور اس کے مطابق عمل کرو۔ جوں جوں میں بڑی ہوتی گئی خدا پر میرا یقین پختہ ہوتا گیا۔ لیکن ساتھ ہی تذبذب کی کیفیت بھی موجود رہی۔ کبھی میں یہ سوچتی تھی کہ خدا کی موجودگی بے حد ضروری ہے۔ اگر خدا نہ ہوتا تو کرہ ارض بلکہ یہ کائنات کلیتاً انتشار اور انارکی کا شکار ہو کر ہزاروں سال پہلے ہی ختم ہو جاتی۔ یہ بات بھی میرے لیے باعثِ اطمینان تھی کہ کچھ مافوق الفطرت طاقتیں بنی نوع انسان کو آفات و بلیات سے محفوظ رکھتی ہیں۔ میں یہ بات بھی سنا کرتی تھی کہ مذہب کو

زیر بحث موضوع نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن یہ بات مانتی نہ تھی اس لیے اپنے دوستوں کے ساتھ مذہبیات پر گفتگو اور بحث بھی کرتی تھی۔ ہماری بحث کے موضوع اکثر پروٹسٹنٹ ازم، کیتھولک ازم اور یہودیت ہی ہوتے تھے۔ اکثر یہ موضوعات بحث برائے بحث ہی تھے۔ لیکن ان موضوعات پر ہمارا گہرا مطالعہ نہ تھا۔ اکثر میں یہ سوچتی تھی کہ ان میں سچا کون ہے۔ ابھی میری عمر تیرہ سال ہی کی تھی کہ میں نے یہ سوچا کہ سچائی کی تلاش جاری رہنی چاہیے۔ انسان کو ہمیشہ سچائی اور علم کی جستجو جاری رکھنی چاہیے۔ اسی سچائی اور علم کی میں بھی متلاشی تھی۔ میں نے اپنے دوستوں کے ساتھ مذہبی مباحثہ اور گفتگو کا سلسلہ جاری رکھا ساتھ ہی بائبل کا گہرا مطالعہ بھی شروع کر دیا۔ مگر اس سے اطمینان کی کیفیت حاصل نہ تھی۔ اور نہ ہی علم کی پیاس بجھتی تھی۔ اسی دوران میری ماں نے بھی یہ محسوس کیا کہ میں کچھ زیادہ مذہبی ہوگئی ہوں اور مذہبیات پر کتب بھی میرے زیر مطالعہ رہتی ہیں۔ حالاں کہ ایسی بات نہ تھی میں جو بھی مطالعہ کرتی اس کا اپنے خاندان کے افراد کے ساتھ بھی تذکرہ کر دیتی تھی۔ اس دوران میں نے عیسائی مذہب وعقاید و رسومات کے متعلق حد درجہ معلومات حاصل کر لی تھیں اور ساتھ میں یہودیت کے بارے میں خاصی معلومات حاصل کی تھیں۔ اسی مطالعے کے دوران ایک دن مجھ پر یہ عقدہ کھلا کہ عیسائیت میں جہنم کے تصور کی نفی کی جاتی ہے۔ وہاں تو مسلسل یہ بتایا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ جو کہ خدا ہیں وہی تمہارے نجات دہندہ ہیں اور انہوں نے صلیب پر چڑھ کر ہم سب کی طرف سے کفارہ ادا کر دیا ہے اور ہم سب کو جنت کی ضمانت دے دی گئی ہے۔ چرچ میں پادری جب یہ سب بتاتے تو میرا ذہن اس کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیتا۔ یہ بات میرے سینے میں گرہ بن کر چمٹ گئی۔ میں نے مختلف پادریوں اور عیسائی مذہب کے ماہرین سے اس سوال کا جواب حاصل کرنے کی کوشش کی مگر بے سود۔ مجھے اطمینان بخش جواب نہ مل سکا۔ بلکہ ان جوابات سے میں مزید الجھنوں کا شکار ہوگئی۔ پھر مجھے یہ بھی کہا گیا کہ میں منطق کے ذریعہ خدا کو سمجھنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ میرے لیے سیدھا راستہ یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ کو خداوند مانوں اور سیدھی جنت چلی جاؤں۔

اب میرا مسئلہ یہ تھا کہ جس بات کو دل ہی تسلیم نہ کرے اس پر اعتقاد کیسے رکھوں۔

اگر چہ میں یہ تو تسلیم کرتی تھی کہ حضرت عیسیٰ خدا کے بیٹے ہیں اور خدا نے ان کو انسانوں اور انسانیت کو بچانے کے لیے بھیجا ہے۔ لیکن خدا کے بیٹے نے ہم سب کا کفارہ ادا کر دیا یہ بات میرے پلے نہیں پڑ رہی تھی۔ میری طبیعت میں اضطراب بڑھ رہا تھا اور غیر یقینی کی کیفیت بڑھتی جا رہی تھی۔ پندرہ سال میں اندھوں کی طرح عیسائیت کو اپنا مذہب مانتی چلی آ رہی تھی کیونکہ وہ میرے والدین کا مذہب تھا۔

میری زندگی عجیب انداز سے آگے بڑھ رہی تھی۔ اب میں عیسائیت کی اندھی نام لیوا نہیں تھی۔ میرا عیسائی مذہب پر سے اعتقاد کمزور پڑتا جا رہا تھا۔ میں نے چرچ جانا چھوڑ دیا تھا۔ بائبل کا مطالعہ بالکل ترک کر دیا تھا جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے۔

ہوا یوں کہ میری دوست نے ایک دن مجھے کتاب دی جس کا نام "The Muslim Christian Dialogue" تھا۔ میں نے اس کتاب کو بڑی توجہ سے پڑھا۔ جن دنوں میں عیسائیت اور دوسرے مذاہب کا مطالعہ کر رہی تھی میں نے کسی دوسرے مذہب کو اختیار کرنے کے متعلق سوچا بھی نہ تھا اور عیسائیت کو ترک کرنے کا میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ اسلام کے بارے میں میری معلومات انتہائی محدود تھیں اور جو تھیں وہ بھی اسی انداز کی تھیں جیسا کہ مسلمانوں کے بارے میں عمومی طور پر سارے غیر مسلم رکھتے ہیں۔ اس کتاب کے مطالعہ نے مجھے حیران کر دیا اور میں نے اپنے دل کی آواز کو محسوس کر لیا وہ صرف ایک سادہ سی بات تھی کہ خدا ایک ہے۔ مجھے مزید کتب کی طلب ہوئی۔ میں نے اپنی دوست سے کہا تو اس نے مزید کچھ کتب اور کتابچے مجھے دیے۔ اب میں نے ان کتب کو عقلی نقطۂ نظر سے پڑھنا شروع کیا۔ میں یہ بتا دوں کہ میری ایک مسلمان دوست تھی میں اس کے ساتھ بھی مذہبیات پر بحث مباحثہ اور گفتگو کرتی تھی۔ ان کتب کے مطالعہ سے اسلام کے ساتھ میرا انحراف اور غیریت تو ختم ہوگئی۔ لیکن میں نے قبول اسلام کے متعلق سوچا تک نہ تھا۔ میرا اسلام کے بارے میں مطالعہ جاری تھا کہ رمضان کا مہینہ شروع ہوگیا میں اپنی دوست کے ساتھ مقامی اسلامک سینٹر میں افطار میں شریک ہوتی، جمعہ کی نماز میں شرکت کرتی خطبہ اور لیکچر سنتی اور تلاوت قرآن مجید کے پروگرام میں بھی شرکت کرتی۔ جو سوالات میرے ذہن میں ابھرتے میں مسلمان خواتین سے

ان کو معلوم کرتی۔ میں حیران ہوتی تھی کہ مسلمان جس مذہب کو مانتے اور اس پر عمل کرتے ہیں اس پر حد درجہ یقین بھی رکھتے ہیں۔

یہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی میں اکیلے ہی سفر کر رہی تھی۔ اگر چہ شاہراہِ اسلام پر سفر کرنے میں خود کو آرام دہ محسوس کر رہی تھی۔ پیغامِ اسلام میری زندگی میں سکون لا رہا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اب میں صحیح سمت میں گامزن تھی۔ صرف عقیدہ میرے لیے کافی نہ تھا، میں تو اپنی زندگی کو صحیح دھارے پر ڈالنا چاہ رہی تھی۔ جہاں تک صرف اندھے عقیدے کی بات ہے تو میں ایسے اندھے عقیدے کو ماننے کے لیے تیار نہ تھی جس میں کوئی دوسرا شخص ہمارے گناہوں کا کفارہ ادا کر کے ہمیں اچھے برے کام کے لیے آزاد کر کے اور ہمارے لیے نجات دہندہ بن کر ہمیں جنت کا ٹکٹ دے دے۔ میں تو یہ جاننا چاہتی تھی کہ ہم کس طرح کے کام کر کے اللہ کی رضا اور خوش نودی حاصل کر لیں۔ میں تو اللہ کا قرب مقام اور اس کے ہونے کا احساس وادراک چاہتی تھی۔

اسی مقام پر مجھے اس بات کا مکمل احساس ہو گیا کہ جو میں حاصل کرنا چاہتی ہوں مجھے عیسائیت سے نہیں بلکہ دین اسلام سے ہی مل سکے گا۔ میں نے عیدالفطر کی نماز میں بھی شرکت کی اور اسلامی کلاسز بھی لینا شروع کر دیں۔ جمعہ کی نماز میں میں باقاعدہ شرکت کرنے لگی۔ اسلام میری زندگی میں خوش گوار جھونکا بن کر آیا۔ اگر چہ میں نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ اس طرح تین سال گذر گئے۔ اس دوران شیطان نے مجھے راہِ حق سے بھٹکانے کی بڑی کوششیں کیں۔ ایک دن میں نے سوچا کہ قبول اسلام کا یہ بڑا مناسب وقت ہے۔ مگر میں جلد بازی میں کوئی فیصلہ کرنا نہیں چاہتی تھی۔ اس لیے رک گئی۔ میں نے دو مرتبہ خواب میں دیکھا کہ میں کلمہ شہادت پڑھ رہی ہوں۔ ایک عجیب سی کیفیت تھی میں نے اپنی دوست کو خوابوں کے بارے میں بتایا اس نے بھی مجھے یہی کہا کہ قبولِ اسلام کا وقت آ گیا۔

کئی مہینوں کے غور و فکر کے بعد ۱۹ مارچ ۱۹۹۷ء میں میں نے کلاس سے نکلتے ہوئے خود ہی کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت پڑھ لیا۔ پھر ۲۶ مارچ کو میں نے اسلامک سینٹر میں امام صاحب اور دوسرے مسلمان بھائیوں اور بہنوں کو موجودگی میں کلمہ شہادت پڑھ لیا اور علانیہ

مسلمان ہوگئی۔ ان لمحات کو میں کیسے بیان کروں گویا ایک بوجھ تھا جو میرے کاندھوں پر سے اٹھ گیا اور میری بے چین روح کو قرار مل گیا۔

اسلام قبول کرنے کے پانچ ماہ بعد ہی میری زندگی میں انقلاب آ گیا۔ اگرچہ میں اسلام کا کئی سالوں سے مطالعہ کر رہی تھی، اسلامک کورسز بھی کیے۔ عربی زبان بھی سیکھی قرآن مجید بخوبی پڑھ لیتی تھی، مگر قبول اسلام کے بعد تو گویا میری شخصیت ہی تبدیل ہوگئی۔ میں پہلے سے زیادہ مضبوط ہوگئی۔ اب زندگی کا ایک مقصد متعین ہوگیا۔ اب میرے پاس ایمان اور عمل صالح کے ذریعے اپنی آخرت بہتر سے بہتر بنانے کا عظیم مقصد ہے۔ دین اسلام میری زندگی کا عظیم مقصد ہے۔ لوگ اس بات پر حیران ہوتے ہیں کہ میں نے اس کم عمری میں اتنا بڑا اور اہم فیصلہ کیسے کرلیا۔ میں اپنے اللہ کی شکر گزار ہوں کہ اس نے اتنی کم عمری میں اتنا عظیم اور صحیح فیصلہ کروادیا۔

عیسائی معاشرے میں ایک نوعمر نومسلم کا اسلامی تعلیمات کے مطابق چلنا ایک کٹھن کام ہے اور عیسائی خاندان میں رہنا سہنا اس سے بھی مشکل کام ہے۔ لیکن میں حوصلہ ہارنے والی لڑکی نہیں ہوں۔ میں یہ نہیں چاہتی کہ میں ایسی ناخوشگوار جگہ پر رہوں لیکن مجھے یہ بھی ثابت کرنا ہے کہ اسلام نے مجھے استقامت کا بھی درس دیا ہے۔ مجھے کئی مسلمان خواتین نے بتایا کہ تم ان عورتوں سے لاکھ درجہ بہتر ہو جو پیدا ہی مسلمان خاندانوں میں ہوئیں لیکن اسلامی تعلیمات پر عمل نہیں کرتیں۔ میں ایسا نہیں سوچتی اللہ تعالیٰ مجھے ہر روز بہتر سے بہتر بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ میں اپنی کمزوریوں اور کوتاہیوں کا اعتراف کرتی ہوں۔ اور اپنے اللہ سے اپنی مضبوطی استقامت اور بہتری کے لیے دعا گو ہوں۔

شریفہ کارلو

میرے قبولِ اسلام کا واقعہ ایک منصوبہ ساز واقعہ ہے۔ میں نے ایک منصوبہ بنایا اور ہمارے گروپ نے ایک منصوبہ بنایا اور ایک منصوبہ اللہ جل شانہٗ نے بنایا اور اللہ تعالیٰ ہی بہترین منصوبہ بنانے والے ہیں۔ جب میں عنفوانِ شباب کے زمانے میں ہی تھی مجھے ایک گروپ کے متعلق کچھ معلومات حاصل ہوئیں۔ یہ گروپ بڑے ہی مکروہ منصوبے پر کام کر رہا تھا۔ یہ گروپ اب بھی موجود ہے اور اس کے عہدیدار حکومتی عہدوں پر فائز ہیں اور اپنی ذاتی اور انفرادی حیثیت میں اب بھی کام کر رہے ہیں اور اسی خاص ایجنڈے پر کام کر رہے ہیں جس کا ذکر میں کرنے والی ہوں۔ اور وہ ایجنڈا یہ ہے کہ "مذہب اسلام کو تباہ کیسے کیا جائے" یہ حکومتی ادارہ تو نہیں ہے لیکن اس کے ذمہ داران حکومتی عہدوں پر فائز ہیں اور اپنے مقصد کو کامیاب بنانے اور اپنی کوششوں کو بار آور بنانے کے لیے حکومتی اثر و رسوخ استعمال کرتے ہیں۔ اس گروپ کے ایک ممبر نے مجھ تک رسائی حاصل کی کیوں کہ انہوں نے دیکھا کہ میں مضبوط قوتِ اظہار کی مالک، برجستہ گفتگو کرنے والی، پر جوش اور عورتوں کے حقوق کی وکالت کرنے والی اور ان کو زیادہ حقوق دینے کی بڑی حامی ہوں۔

اس گروپ کی طرف سے مجھے اس بات کی دعوت دی گئی کہ اگر میں "بین الاقوامی تعلقات" کے شعبے میں اپنی تعلیم جاری رکھوں اور بالخصوص مشرقِ وسطیٰ کی صورت حال پر خاص توجہ دوں تو تعلیم مکمل کرتے ہی مجھے مصر کے امریکی سفارت خانے میں ملازمت کی مکمل گارنٹی

دی جاتی ہے۔ ان کا خیال تھا کہ میں اپنی تعلیم مکمل کر کے وہاں جاؤں اور وہاں اپنے سفارتی عہدے کو استعمال کروں اور نوخیز ونا تجربہ کار مسلمان خواتین کو عورتوں کے حقوق کی تحریک کے لیے ابھاروں۔ میں نے سوچا کہ یہ ایک زبردست آئیڈیا ہے۔ میں نے بہت سی مسلمان خواتین کو ٹیلی وژن پر دیکھا تھا اور مجھے اندازہ تھا کہ ان عورتوں پر کس طرح ظلم روا رکھا جاتا ہے۔ میں نے ارادہ کرلیا تھا کہ ان خواتین کو اکیسویں صدی کی آزادی کی روشنی سے روشناس کراؤں گی۔

اس نیت وارادے کے ساتھ میں نے کالج اور پھر یونیورسٹی جانا شروع کیا۔ میں نے قرآن مجید، حدیثِ رسول ﷺ، اور اسلامی تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا۔ مجھے اس بات کی بھی تعلیم دی گئی کہ ان حوالہ جات کو کس طرح بروئے کار لانا ہے۔ مجھے یہ بھی سکھایا گیا کہ الفاظ کو کس طرح لپیٹ کر استعمال کرنا ہے۔ ان تمام ہتھیاروں سے مجھے لیس کیا گیا۔ بہت سی باتوں سے مجھے آگاہ کیا گیا جو کہ بڑی خوفناک اور ڈراؤنی تھیں۔

میں نے اپنے طور پر یہ اہتمام کیا کہ عیسائیت پر بھی کلاسیں لینی شروع کر دیں۔ یونیورسٹی میں مذہبیات کے پروفیسر بڑی معروف شخصیت تھے۔ تحقیق ان کا میدان تھا۔ اور انہوں نے مذہبیات میں ہارورڈ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کیا تھا۔ مجھے تسلی تھی کہ میں عیسائیت کے بارے میں ایک بڑے محقق کی کلاس میں ہوں۔ لیکن فی الحقیقت ایسا نہ تھا۔ بعد میں یہ عقدہ کھلا کہ یہ پروفیسر مئوحد عیسائی (Unitarian christian) ہیں۔ یہ تثلیث (Trinity) پر یا الوہیت عیسیٰ (Divinity of Jesus) پر اعتقاد ہی نہیں رکھتے۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ حضرت عیسیٰ اللہ کے پیغمبر تھے۔ وہ کلاسیکل یونانی، عبرانی اور سامی بائبل کے حوالہ جات دکھا کر یہ بتاتے تھے کہ بائبل میں کہاں کہاں تحریف وتبدیلی کی گئی ہے۔ وہ یہ بھی بتاتے تھے ان تحریفات کے بعد ان مقامات پر کس انداز سے لیپا پوتی کی گئی ہے۔ یہ کلاس تو اختتام پذیر ہوگئی مگر یوں محسوس ہوتا تھا کہ اس کلاس نے میری عیسائیت کو بھی جڑ سے اکھاڑ دیا تھا۔ دوسری جانب میں قرآن وحدیث، تاریخ اسلام، اسلامی ثقافت تہذیب وتمدن سے بھی آگاہ تھی۔ اگر چہ میں نے اس مرحلہ پر اسلام قبول کرنے کا سوچا بھی نہ تھا۔ اب میں نے مسلمانوں سے رابطے شروع کردیے۔ کتابوں کے علاوہ ان سے گفتگو کرنا شروع کی اور براہ راست ان سے ان کے عقاید

کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ امریکہ کے کالجوں اور خاص طور پر یونیورسٹیوں میں Muslim Students Association "MSA" بڑی فعال ہے۔ اس تنظیم کے ایک رکن سے میری ملاقات ہوئی۔ میرے یہ مسلمان بھائی خود بھی عملی مسلمان تھے۔ انہوں نے میری بڑی رہنمائی کی اور مجھے اسلام کے بارے میں بتانے اور سکھانے میں بڑی کوشش کی۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے آج بھی میں ان کے لیے دعا گو ہوں۔ انہوں نے ہر موقع پر ایک داعی کا کردار ادا کیا اور جہاں بھی کوئی اسلامی پروگرام ہوتے وہ مجھے وہاں ضرور شرکت کی دعوت دیتے۔

ایک دن مجھے میرے اس اسلامی بھائی نے بتایا کہ چند اہل علم اور اسکالر حضرات آئے ہوئے ہیں۔ لوگوں کے ساتھ ان کی ملاقاتوں کا بھی پروگرام ترتیب دیا ہوا ہے۔ اس نے مجھ سے کہا کہ اگر تم چاہو تو ملاقات کرلو اگر کوئی سوالات پوچھنے ہوں تو پوچھ لینا تم کو ان کا شافی جواب بھی مل جائے گا۔ میں تیار ہوگئی۔ جب ہم وہاں پہنچے تو وہ حضرات عشاء کی نماز سے فارغ ہو چکے تھے۔ بڑے ہال میں کم وبیش بیس پچیس افراد تو ہوں گے۔ انہوں نے میرے بیٹھنے کی جگہ مجھے مہیا کی اب میں براہِ راست ایک بڑے عالم دین سے مخاطب تھی جو پاکستان سے تشریف لائے تھے اس شخصیت کا عیسائیت پر بڑا گہرا مطالعہ تھا۔ میں نے بائبل اور قرآن مجید کے حوالوں سے اور عیسائی مذہب اور مذہب اسلام کے حوالے سے ان سے گفتگو کی۔ گفتگو اتنی طویل ہوئی کہ ہمیں بات کرتے کرتے فجر کا وقت ہوگیا۔ انہوں نے اتنی تفصیل اور حوالہ جاتی گفتگو کی کہ وہ تمام باتیں جو میرے عیسائی پروفیسر نے کلاس میں بتائی تھیں تمام یکجا جمع کردیں۔ گفتگو کے آخر میں انہوں نے مجھے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ میں تو مسلسل تلاش وجستجو اور تحقیق کر ہی رہی تھی۔ اس سے پہلے کسی نے مجھے براہ راست اس طرح قبول اسلام کی دعوت نہیں دی تھی۔ میں نے اس عالم دین سے گفتگو کے دوران سخت، تند وتیز بلکہ بعض اوقات توہین آمیز لب ولہجہ بھی اختیار کیا تھا مگر انہوں نے اس کا قطعاً برا نہیں منایا۔ جوں ہی انہوں نے مجھے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ عجیب بات یہ ہوئی کہ اسی لمحے میرے دل نے بھی اس پر لبیک کہا۔ میں نے سوچا کہ یہی صحیح اور مناسب وقت ہے اور سچ بھی یہی تھا تو میں

نے فیصلہ کرلیا۔ الحمدللہ! اللہ نے میرا دل کھول دیا۔ میں نے اسی وقت کہا ہاں! میں اسلام قبول کرنے کے لیے تیار ہوں ۔ اسی وقت مجھے ان عالم دین نے کلمہ شہادت پڑھا کر اور اس کا ترجمہ بھی پڑھا کر دائرہ اسلام میں داخل کرلیا۔

میں اللہ کی قسم کھا کر یہ بتا رہی ہوں کہ جیسے ہی میں نے کلمہ پڑھا میں نے ایک شعوری لمس سا محسوس کیا اور یوں محسوس ہوا کہ گویا میرے سینے پر سے بڑا بھاری بوجھ اٹھا دیا گیا ہو۔ میں نے سانس لینا شروع کیا تو یوں محسوس ہوا کہ گویا میں زندگی میں پہلی مرتبہ سانس لے رہی ہوں۔ الحمدللہ! اللہ نے مجھے نئی زندگی عطا فرمائی ۔ ایمان اور عمل کے ساتھ جنت میں جانے کا موقع دیا۔

میری دعا ہے کہ اللہ جب تک مجھے زندہ رکھے اسلام پر ہی زندہ رکھے اور جب میرا وقتِ رخصت ہو اسلام و ایمان کی حالت ہی میں اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں ۔ آمین

ایرن

میں اپنے قبول اسلام کی تفصیلات صرف اللہ کی رضا کے لیے بتا رہی ہوں۔ شاید کسی ایسے فرد کے کام آسکے جو سچائی اور حق کا متلاشی ہو۔ مجھے حلقہ بگوش اسلام ہوئے تقریباً سات سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ میں نے اسلام کے بارے میں زیادہ معلومات اس وقت حاصل کیں جب میں یونیورسٹی کی طالبہ تھی۔ میری ایک قریبی دوست مسلمان تھی۔ جب میں ہائی اسکول کی طالبہ تھی تو اس وقت میں نے سنا تھا کہ قرآن مجید یہودیوں کی مقدس کتاب ہے اور مسلمان بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔ یہ سنی سنائی بات تھی تاہم مجھے اس وقت کسی نئے مذہب کی معلومات حاصل کرنے میں کوئی دل چسپی نہ تھی۔ البتہ یہ احساس ضرور تھا کہ امریکا دنیا کا نمبر ون ملک ہے۔ سب سے اچھا ملک ہے ہمارے پاس ہر چیز سب سے اعلیٰ ہے۔ اور جس مذہب کو ہم امریکی مانتے ہیں یہ بھی سب سے اعلیٰ ہے۔ ساتھ میں یہ احساس بھی تھا کہ مذہب عیسائیت جس پر میں اعتقاد رکھتی ہوں صحیح ترین یا مکمل ترین مذہب نہیں ہے، لیکن کسی وقت یہ صحیح ترین مذہب تھا۔ جب بھی میں بائبل ہاتھ میں لیتی تو یہ احساس ہوتا کہ اس میں خدائی الفاظ کے ساتھ ساتھ عام آدمی کے الفاظ بھی تحریر کر دیے گئے ہیں۔ بائبل میں نے مکمل پڑھ لی تھی لیکن بائبل کے مطالعہ کے دوران میں نے بعض ایسے حصے بھی پڑھے جن کو پڑھ کر شرمندگی کا احساس ہوتا تھا کہ اتنے گندے الفاظ مقدس کتاب کا حصہ کیوں کر بن سکتے ہیں۔ یہ بات میری سمجھ سے بالاتر تھی کہ خدا کے پیغمبر جو انسانیت کے لیے نمونہ ہوتے ہیں ایسی اخلاق سے گری ہوئی حرکات کے مرتکب ہو سکتے ہیں جن کو ایک عام شریف شخص سوچتے ہوئے بھی شرمندہ ہو جاتا ہے۔ مثال

کے طور پر حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت لوط وغیرہ یہ تو چند ایک نام ہیں۔ بلکہ میں نے چرچ میں ایک مرتبہ پادری سے یہ سنا کہ جب یہ پیغمبران خود کو گناہوں سے پاک نہ رکھ سکے تو ایک عام انسان خود کو کس طرح گناہوں سے بچا سکتا ہے۔ پھر یہ بھی بتایا گیا کہ چوں کہ انسان طبعاً کمزور ہے۔ وہ اپنی مدد خود نہیں کر سکتا اور خود کو گناہوں سے نہیں بچا سکتا اس لیے حضرت عیسیٰ نے ہمارے گناہوں کے عوض قربانی دے کر ہم کو نجات دلا دی ہے۔

کبھی کبھی میں خود سے باتیں کرتی اور پوچھتی کہ میرا خدا ایک کیوں نہیں ہے تین ہی کیوں ہیں۔ ایک وہ جس نے کائنات کو پیدا کیا دوسرا وہ جس نے ہمارے گناہوں کے بدلے میں اپنا خون بہایا اور پھر روح القدس کا سوال۔ میں کس سے دعا مانگوں۔ جب میں دعا مانگتی تو مجھے خدا کا ایک ایسا تصور محسوس ہوتا یا ایسی تصویر ذہن میں بنتی کہ ایک بوڑھا شخص خوب صورت سی سفید ڈاڑھی عمامہ باندھے بادلوں میں کھڑا ہے اور جب میں حضرت عیسیٰ سے دعائیں مانگتی تو میرے ذہن میں ایک خوب صورت گورے چٹے نوجوان کا تصور ابھرتا جس کے سنہرے بال اور نیلی نیلی آنکھیں ہیں۔ پھر Holy Spirit کا تصور شاید یہ ایک غبار آلود عجیب سی ذات ہو۔ دعائیں مانگتے ہوئے میں توجہ کا ارتکاز کر ہی نہیں سکتی تھی۔ کس سے مانگوں اس ضمن میں ایک عجیب سی کسک تھی۔

جب میں نے مذہب اسلام کا مطالعہ کرنا شروع کیا تو سب سے پہلے اسلام میں خدا کے تصور کا مطالعہ کیا۔ خدائے واحد کے تصور نے میری الجھنیں دور کر دیں۔ اب میں ایک ہی ذاتِ والا سے دعائیں مانگنے لگی۔ اس ضمن میں مجھے کوئی الجھن نہ تھی۔ میں براہِ راست خدا سے مانگنا چاہتی تھی اور اس ضمن میں مطالعہ سے مجھے یہ معلوم ہوا کہ کائنات کی ہر چیز اسی کی تشریح کرتی ہے اسی کے آگے سر جھکاتی ہے اور اسی سے مانگتی ہے۔ لیکن کیا میں حضرت عیسیٰ کو بالکل ہی چھوڑ دوں۔ اب میں اس مسئلے پر سوچ بچار کرنے لگی۔ میں نے ساتھ ساتھ تاریخ مذہب عیسائیت کا مطالعہ شروع کر دیا۔ جیسے جیسے نئی چیزیں میرے مطالعہ میں آتی گئیں ویسے ویسے مجھے عیسائیت میں معبود سازی، دیوی اور دیوتا سے متعلق باتیں اور حضرت عیسیٰ کی قربانی وغیرہ کے متعلق آگاہی ہوتی گئی۔ وہ یونانی دیو مالائی قصے کہانیاں بھی میری یادمیں تازہ ہو گئے جو میں نے جونئیر ہائی اسکول کی کتابوں میں پڑھے تھے۔ جن میں بتایا گیا تھا کہ خدا اور ایک عورت

کے تعلقات کے نتیجے میں ایک بچہ وجود میں آیا جو اوتار یا نیم معبود (Demi God) بنا۔ اور اس کو بعض خدائی خصوصیات حاصل ہوئیں۔

سینٹ پال (St. Paul) کے کردار سے بھی بہت آگاہی ہوئی کہ عیسائیت کے لیے جو اساطیری طریقہ اس نے اپنایا تو بعض حواریوں (Disciples) نے اس سے اختلاف کیا۔ میں آپ کو پہلے بتا چکی ہوں کہ ہائی اسکول کے زمانے سے ہی میں عیسائیت کے بارے میں تشکیک کا شکار تھی۔ دو باتیں بڑی پریشان کن تھیں۔ عہد نامہ قدیم اور عہد نامہ جدید دونوں کی بہت سی باتیں آپس میں ایک دوسرے سے متصادم تھیں۔ میں ہمیشہ یہ سوچتی تھی کہ احکامات عشرہ (Ten Commandments) ہمیشہ سے بہت سادہ اور صحیح احکامات ہیں اور خدا یہی چاہتا ہے کہ ہم ان کو ایسا ہی مانیں جیسا کہ ماننے کا حق ہے۔ لیکن حضرت عیسیٰ کی پرستش اور ان کو خدا ماننا یہ تو پہلے حکم ہی کی مکمل نفی ہے اور خدا کے ساتھ شریک ٹھہرانا ہے۔ پھر توبہ کے متعلق عہد نامہ قدیم یہ ہے کہ ہمیں اپنے گناہوں پر توبہ کرنی چاہیے۔ جب کہ عہد نامہ جدید میں ہے کہ اب توبہ کی کوئی ضرورت نہیں کیوں کہ حضرت عیسیٰ نے ہمارے گناہوں پر اپنی قربانی پیش کر دی تھی لہٰذا توبہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اب ہمیں اچھا یا نیک بننے کی ضرورت ہی کیا ہے جب کہ برا ہونے میں بہت دل چسپیاں ہین۔ معاشرہ اس بات کا جواب دے۔

بچوں کی تربیت کے ماہرین یہ بتاتے ہیں کہ بچوں کو بہر حال یہ بات سکھانا چاہیے کہ ان کو اپنے اعمال کے نتائج بھگتنا پڑیں گے۔ یہ ماہرین والدین کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں کہ وہ بچوں کو اپنے تجربات کی روشنی میں ان کو اچھے یا برے کاموں کے عواقب و نتائج سے آگاہ کریں۔ لیکن عیسائی مذہب میں نتائج و عواقب کا کوئی تصور ہی نہیں لوگوں نے بگڑے بچوں کی طرح کے کام کرنے شروع کر دیے۔ لوگوں کا اپنا کردار اور انداز خواہ کتنا ہی بھیانک کیوں نہ ہو خدا سے بغیر کسی شرط کے ہر عمل کی قبولیت اور رحمت کی طلب کرنے لگے بلکہ حق جتانے لگے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا ہماری جیلیں ضرورت سے زیادہ بھر رہی ہیں اور اولاد ماں باپ کے کنٹرول سے باہر ہو رہی ہے۔ جبکہ دوسری جانب اسلام نجات کا سارا دار و مدار ایمان اور مسلسل عمل صالح پر رکھتا ہے۔ میں نے خود پیغمبر اسلام کی ایک حدیث پڑھی جس میں آپؐ نے فرمایا۔ ''کہ میں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سہارے اور آسرے پر ہی جنت میں داخل ہوں گا''۔

حقیقتاً مجھے معلوم ہی نہ تھا کہ خدا کون ہے۔ اگر حضرت عیسیٰ خدا نہ تھے تو خدا کا حصہ اور جز تھے۔ تو انہوں نے کس لیے قربانی پیش کر دی وہ بھی اپنی جان کی۔ تو کیا ان پر موت طاری ہوگئی تھی اگر ان کو موت آ گئی تھی تو وہ کیسے خدا تھے۔ اگر وہ خدا سے بالکل علیحدہ ایک ہستی تھے تو یہ بات پھر عہد نامہ قدیم کی تعلیمات سے متصادم تھی۔ ان باتوں نے مجھے اتنا پریشان کر دیا تھا کہ میں نے تنگ آ کر ان باتوں کو سوچنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ میرے لیے پھر یہ مسئلہ درپیش تھا کہ وہ مذہب جس کو میں مانتی ہوں اور اس کو جاننا چاہتی ہوں وہ اتنے الجھاؤ کا شکار کیوں ہے۔ آخر کار میں نے ان باتوں کا تذکرہ یونیورسٹی کے ایک ساتھی سے کیا، جس کے ساتھ بعد میں میری شادی بھی ہوئی۔

میں اپنے حالات کو اب مختصر کرتی ہوں۔ میری ایک اور دوست نے مجھے قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ دیا جو اس نے کسی بک اسٹور سے خریدا تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ نہیں تھا بلکہ ایک عراقی نژاد یہودی اسکالر نے قرآن مجید کی طرز پر لکھا تھا۔ میں اس کو پڑھ کر مزید کنفیوژن کا شکار ہوگئی۔ اور میں نے اس کے بہت سے حصوں کو نشان زد کیا۔ بعد میں مجھے ایک مستند انگریزی ترجمہ قرآن مجید مل گیا۔ میں نے اس ترجمہ کو بغور پڑھنا شروع کیا۔ جتنا قرآن مجید کی طرف اپنی توجہ مبذول کی میری توجہ دوسری جانب سے ہٹنا شروع ہوگئی اور مجھے یکسوئی اور اطمینان نصیب ہوگیا اور طبیعت کا خلفشار بالکل ختم ہوگیا۔ مجھے یقین ہوگیا کہ قرآن مجید کا ایک ہی منبع و مصدر ہے وہ ہے خدائے لم یزل۔ وحدانیت کا جو تصور قرآن مجید دیتا ہے وہ کہیں اور نہیں ملتا۔ اللہ تعالیٰ خود قرآن میں فرماتا ہے کہ اللہ شرک کو معاف نہیں کرے گا اس کے علاوہ جس گناہ کو چاہے گا معاف کر دے گا۔ سبحان اللہ

میں قرآن مجید پڑھتی تھی اور روتی تھی۔ رونا اپنی پچھلی جہالت والی زندگی پر اور قرآن مجید میسر آنے پر، خوشی کے آنسو بھی نکلتے تھے۔ قرآن مجید میں موجود سائنسی انکشافات بھی پڑھ کر مجھے عجیب خوشی ہوتی تھی۔ میں اس وقت مائیکرو بائیولوجی میں ماسٹر کر رہی تھی۔ سب سے پہلے جب میں نے قرآن مجید میں علم الجنین (Embryology) کے بارے میں پڑھا تو مجھے بے حد خوشی ہوئی۔ قرآن مجید مکمل کرنے کے بعد میں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ اب مجھے اسلام قبول کر لینا چاہیے۔ اگرچہ یہ فیصلہ آسان نہیں تھا۔ بہر حال میرا یہی فیصلہ تھا۔ مجھے میری

دوست نے بتایا کہ دین اسلام میں داخل ہونے کا دروازہ ''لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ'' ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے برگزیدہ پیغمبر ہیں۔

مجھے معلوم ہوگیا کہ دونوں اہلِ کتاب عیسائی اور یہودی راہِ حق سے ہٹے ہوئے ہیں۔توحید کا راسخ اور مضبوط تصور صرف اور صرف دین اسلام ہی دیتا ہے،شروع میں مجھے یہ معلوم ہوا کہ پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا کیا مفہوم ہے۔میں اپنے تمام مسلمان دوستوں اور ساتھیوں کی شکر گزار ہوں جنھوں نے ہر قدم پر میری رہنمائی کی۔مجھے ترجمہ قرآن اور اسلامی کتابیں مہیا کیں۔مجھے اپنے ساتھ اسلامک سینٹرز لے کر گئے اور اتباعِ رسول کا تصور مجھے سمجھایا۔مجھے اسلام قبول کیے ہوئے سات سال ہو گئے ہیں۔مجھے معلوم ہے ہمارے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے بہترین اور کامل نمونہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو دینِ حق پر چلنے اور استقامت کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

تھیمس کروز

اگر کوئی مجھ سے یہ سوال کرے کہ میں کب مسلمان ہوئی تو میرا محتاط جواب یہ ہوگا کہ میں تو پیدا ہی مسلمان ہوئی تھی۔ ہم اس حقیقت کو بھول جاتے ہیں کہ ہم سب پیدا ہی اسلام کی فطرت پر ہوتے ہیں۔ لیکن ہم دوسرے مذاہب کے دائروں میں رہنے کی وجہ سے اس حقیقت سے پہلو تہی کر جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بڑا فضل و کرم کیا اور مجھے بھٹکے ہوئے راستے سے ہٹا کر صراط مستقیم پر چلا دیا۔ الحمدللہ

دین اسلام سے میرا سب سے پہلا تعارف یونیورسٹی میں ایک کورس کے ذریعے ہوا۔ یہ رمضان المبارک کے دن تھے اور ہماری کلاس کے تمام طالب علموں کو جمعہ کی نماز کا اجتماع دیکھنے کے لیے مدعو کیا گیا تھا۔ یہیں میری ملاقات ایک مسلمان لڑکی سے ہوئی جو بعد میں میری قریب ترین دوست بن گئی۔ اس نے مجھے مزید مطالعہ، گفتگو اور کھانے پر اپنے گھر مدعو کیا۔ میں نے اس وقت تو منع کر دیا کیوں کہ مجھے کچھ عجیب سا محسوس ہو رہا تھا۔ میں نے اسلام کے متعلق اپنے ذہن میں وہی روایتی سا تانا بانا بن رکھا تھا جو عمومی طور پر آج بھی ہم سنتے اور دیکھتے ہیں۔ اگرچہ یہ دعوت مطالعاتی بھی تھی۔ ہمارے گھر کے قریب ہی ایک ٹیکنیکل کالج تھا جہاں کئی عرب مسلمان طالب علم زیر تعلیم تھے۔ میں نے اس کالج سے بھی چند کورس کیے تو ان ساتھیوں کے ساتھ دوستی ہوگئی۔ یہیں سے مجھے اسلامی طریقہ زندگی کا صحیح علم ہوا تھا۔ مجھے بہت تعجب ہوتا تھا جب ہمارے یہ عرب دوست آزادانہ پارٹیاں اور شراب نوشی کی دعوتوں کو یکسر

مسترد کر دیتے تھے۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ وہ نماز اور شعائر اسلام کے بڑے پابند تھے۔ رمضان میں پورے ماہ کے روزے رکھتے تھے۔ یہ کیسے لوگ ہیں اتنی پابند زندگی کیسے گزارتے ہیں میں یہ سوچتی تھی۔ کبھی میں یہ سوچتی تھی کہ میں اسلام پر اتھارٹی بن چکی ہوں مجھے اس مذہب کے بارے میں وسیع معلومات ہیں حالاں کہ ایسا نہیں تھا۔

کبھی کبھی میں کنفیوژن کا شکار ہو جاتی اور ان کے طریقہ کار کو جانچتی رہتی لیکن کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا۔ لیکن جب میں نے اسلام قبول کیا تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ میں نے اپنے رب کو پالیا ہے اور اس نے میرے سارے اعتراضات اور سوالات کا جواب دے دیا ہے جو میرے ذہن میں گردش کر رہے تھے اور مجھے پریشان کر رہے تھے۔ میں دنیاوی مادی زندگی کے اعتبار سے کامیاب عورت تھی لیکن روحانی مسرت کی متلاشی تھی۔

جب میں تییس سال کی تھی تو میری ماں کا انتقال ہو گیا تھا۔ میری ماں ایک خطیر رقم، گھر، کاریں، زیورات چھوڑ کر مری مگر نہ جانے کیوں مجھے ان چیزوں میں قطعاً دلچسپی نہیں تھی۔ میں خود کچھ کرنا چاہتی تھی۔ مگر میری ماں جس سے مجھے بے حد محبت تھی اس کے انتقال سے مجھے ذہنی طور پر بہت صدمہ پہنچا۔

یہی وہ موقع تھا جب میں اللہ کی جانب راغب ہوئی۔ پھر مجھے ماں کا خیال آتا کہ وہ کیا حاصل کر کے اس دنیا سے رخصت ہوئی۔ کیا اس نے اس دنیا میں رہنے کے عظیم مقصد کو پورا کیا یا وہ صرف اس دنیا میں آ کر اور جی کر واپس چلی گئی۔ ہم جس مقصد کے لیے پیدا کئے گئے ہیں کیا ہم وہ مقصد پورا کر رہے ہیں۔ یا جانوروں سی بے مقصد زندگی گزار کر رخصت ہو رہے ہیں۔ میں اس موقع پر اللہ کو پانے اور اس کے متعلق معلومات حاصل کرنے کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس تصور اور کیفیت کو بتانا بڑا مشکل ہوتا ہے کہ جب آپ اللہ کو اپنے قلب میں محسوس کرتے ہیں۔ اسلام رسومات، زبان، علاقے، ثقافت اور تہذیب وتمدن کے تصورات سے نہایت اعلیٰ چیز ہے۔ وہ تو کائناتی اور آفاقی ہے۔ اور جس راستے پر پہلے میں چل رہی تھی وہ تو اس سے بالکل مختلف اور نہایت اعلیٰ تصور پیش کرتا ہے۔ میرے مسلمان شوہر نے مجھے اسلام کے بارے میں میری رہنمائی کی۔ آہستہ آہستہ سب باتیں میری سمجھ میں آنے

لگیں۔

اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ مہربانی کی کہ میرے اطراف بہت سے مخلص افراد مجھے مہیا کر دیے، میں ہر روز کئی کئی گھنٹے قرآن مجید کا مطالعہ کرتی۔ مجھے محسوس ہوا کہ اللہ نے میرا دل ہدایت کو قبول کرنے کے لیے کھول دیا ہے۔ ایک لیکچر کے دوران مسلم اسکالر نے بتایا کہ جب اللہ کسی کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے دین فہم عطا فرما دیتا ہے۔ یہ کتنی پیاری بات تھی۔ مطالعہ قرآن نے میرے دل کی دنیا بدل دی۔ اس دوران میرا مختلف مسلمان بہنوں سے بھی رابطہ رہا۔ مسلمان خواتین مہینے میں ایک مرتبہ جمع ہوتی تھیں دینی موضوعات پر گفتگو کرتی تھیں نمازوں کی ادائیگی کرتی تھیں کھانا پینا بھی ہوتا تھا۔ مجھے بھی ان کے سیشن میں شرکت کر کے اپنائیت کا احساس ہوتا تھا۔

میں جمعہ کو مسجد جاتی، وعظ سنتی، خطبہ سنتی اور نماز بھی پڑھتی تھی۔ مجھے احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کتب بھی مل گئی تھیں۔ میں نے ان کا بھی مطالعہ کیا اور مجھے پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور ان کے ارشادات سے بھی آگاہی ہوئی۔ جب کوئی اسلام قبول کرتا ہے تو یہ اس کے نئے سفر کا آغاز ہوتا ہے۔ نئی زندگی کی ابتدا ہوتی ہے۔ میں نے بھی کلمہ شہادت کے ساتھ اپنے سفر کا آغاز کر دیا۔ اب میں اپنا نیا دن پچھلے دن سے بہتر بنانے کی کوشش کرتی ہوں۔ دین اسلام کو سیکھنا میری زندگی کی سب سے اولین ترجیح ہے۔ جدوجہد بھی جاری ہے۔ جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے، میرے خاندان والوں نے میرے نئے طرزِ زندگی کو پسند نہیں کیا۔ نہ ہی مسلمان ہونے کی وجہ سے خاندان میں میرے لیے کوئی گنجائش رکھی ہے۔ نہ ہی میرے شوہر کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا ہے۔

ایک مرتبہ میری ملازمت کی جگہ پر میرے ساتھی نے مجھ سے پوچھا کہ تم حضرت عیسیٰ (Jesus) سے لاتعلق کیوں اور کیسے ہو گئیں۔ میرا فوری جواب یہ تھا کہ نہیں نہیں میں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے محبت کرتی ہوں ان کو ماننا تو میرے مذہب کا لازمی حصہ ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں۔ قرآن مجید تو ان کی بڑی شان بیان کرتا ہے۔ اسلام کسی نبی یا رسول سے لاتعلقی کا اظہار نہیں کرتا۔ میرے جواب سے میرے ساتھی کو بڑا تعجب اور

حیرانی ہوئی۔ میری جدو جہد جاری ہے۔ مغربی ثقافت اسلام کے فہم کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ اس کی بڑی وجہ جہالت اور تعصب ہے۔ وہ لوگ سمجھتے ہیں کہ جو مسلمان ہیں یا جو بھی دائرہ اسلام میں آجاتا ہے وہ بنیاد پرست، دہشت گرد یا عفریت ہوجاتا ہے اور وہ پرامن عیسائی دنیا کا سکون غارت کرنا چاہتا ہے۔ میں ان کی باتوں کا جواب تحمل، بردباری، سکون، منطق اور دلیل سے دیتی ہوں اور کہتی ہوں کہ میرا مذہب مجھے یہی سکھاتا ہے جو میں تم کو بتا رہی ہوں۔ میری مسلمان بھائیوں اور بہنوں سے بھی یہی التجا ہے کہ ہم سب صبر و تحمل کا عملی مظاہرہ کر کے ساری دنیا کو عملی مسلمان بن کر دکھائیں۔

یاسمین راضیہ کوئٹزی

پال (Town of Paal) جنوبی افریقہ کے دل آویز دریائے برگ کے قریب سنگِ خارا کے وسیع و عریض ذخائر اور Du Toitskloof Mountains کے پہاڑی سلسلوں کے درمیان میں واقع ہے۔ یہ علاقہ کیپ ٹاؤن سے تقریباً آدھے گھنٹے کی مسافت پر واقع ہے۔ ۱۹۹۶ء سے یہ قصبہ مسلمانوں کے حوالے سے ایک خاص معنی رکھتا ہے۔ اس قصبہ کی وجہ شہرت ایک بہادر جنوبی افریقی مسلمان خاتون ہیں، جس نے خود کو جویٹے اینا کوٹیزی سے یاسمین راضیہ کوٹیزی میں تبدیل کرلیا ہے۔ یاسمین نے جانتے بوجھتے اور سمجھتے ہوئے ''راضیہ'' کو اپنے نام کا جزو بنایا ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ میں اب راضی برضا رہنے والی عورت ہوں اور راضیہ اپنے نام کے جزو کے طور پر مجھے اچھا لگتا ہے۔ یاسمین اسی قصبہ میں پلی بڑھی اور کیپ ٹاؤن کے ایک کالج سے گریجویشن کیا۔ اسی کالج میں ان کی ملاقات ایک مسلمان خاتون سے ہوئی جس کا نام ہاجرہ باوا تھا۔ ہاجرہ باوا کے ساتھ یاسمین کی دوستی نے یاسمین کے دل و دماغ پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ ہاجرہ باوا ایک خدا ترس متقی اور علمی بصیرت رکھنے والی خاتون تھیں۔

یاسمین ایک یورپی عیسائی خاندان میں پیدا ہوئیں۔ یاسمین کو جن کا نام جویٹے اینا کوئٹزی تھا ابتدا ہی سے حق کی تلاش تھی وہ عیسائیت سے غیر مطمئن تھیں، اسی لیے انھوں نے ایشیائی مذاہب بدھ ازم اور ہندوازم کا گہرا مطالعہ کیا۔ مگر پیاس نہ بجھی حق کی تلاش نے انھیں

مزید مطالعہ پر ابھارا۔ آخر کار اسلام کی شکل میں حق و ہدایت کا راستہ نصیب ہو گیا۔ ایک مخلص دوست کے طور پر ہاجرہ باوا نے جوپٹے اینا کوئٹزی پر اسلام کو کبھی مسلط نہیں کیا بلکہ ان کی مسلسل رہنمائی اور ان کے تجسس کا احترام کیا۔

یاسمین راضیہ کوئٹزی کا کہنا ہے کہ ہاجرہ باوا کے دین اسلام کے عملی اور زندہ نمونے کو دیکھ کر ان کو اسلام کے سمجھنے اور اسلام کے قریب آنے میں بڑی مدد ملی جوپٹے کے والدین کو یہ بات بخوبی معلوم تھی کہ ان کی بیٹی ایشیائی مذاہب میں بڑی دل چسپی لیتی ہے اور یہ مذاہب اکثر اس کے زیرِ مطالعہ رہتے ہیں۔ لیکن یہ بات ان کے تصورات سے بھی بعید تھی کہ ان کی بیٹی اسلام قبول کر لے گی۔ جوپٹے کو جیسے جیسے اسلام کا فہم ہوتا گیا اس کے طرز زندگی میں تبدیلی آتی گئی۔ پہلی تبدیلی اس کے وضع قطع میں یہ آئی کہ اس نے چست و تنگ لباس کی جگہ لمبے اسکرٹ، پوری آستین کے ڈھیلے ڈھالے لباس کو پہننا شروع کر دیا۔

آج یاسمین کہتی ہیں اگر میں حجاب کے ساتھ مکمل اسلامی لباس نہ پہنوں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا لباس پہنا ہی نہیں ہے۔ مکمل لباس کے ساتھ ہی صنف نازک ہونے کا احساس ہوتا ہے۔ میں مکمل لباس پہننے کے ساتھ اپنے خالق و مالک کا حکم پورا کرنا چاہتی ہوں۔ اسی کو خوش کرنا چاہتی ہوں کسی اور کو نہیں۔

تبدیلی کی جستجو ان کو جنوبی افریقہ کے اسلامک کالج میں لے گئی جو کہ گیسٹول میں واقع ہے یہاں انہوں نے کئی کورسز کیئے۔ لیکچرز اور سیمینارز میں شرکت کی۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ ان کو اپنے بہت سے سوالات کے جوابات یہاں مل گئے۔

یاسمین کہتی ہیں کہ وہ لوگ جو دین اسلام میں داخل ہونا چاہتے ہیں ان کو چاہیے کہ پہلے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھائیں جیسا کہ ایک چھوٹا بچہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ہے پھر جب آپ عزمِ مصمم کر لیں تو پھر ہر چیز آپ کے لیے آسان ہو جائے گی۔ اخلاص پیشِ نظر رہے اور اپنی اصلاح کا خیال ہر دم تازہ رہے پھر دیکھیں اللہ کی مدد کیسے نازل ہوتی ہے۔ اپنے سارے خیالات و تصورات اللہ کے تابع کر دیں۔

خدمتِ خلق کے جذبے سے معمور یاسمین راضیہ کوئٹزی فروری ۱۹۹۶ء میں اپنے

قصبے میں واپس لوٹ گئیں۔ انہوں نے ایک علاقہ منتخب کیا جہاں لوگ غریب اور ضروریاتِ زندگی سے محروم تھے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ ان محروم افراد کی زندگی میں بھی انقلاب آئے اور وہ دوسرے علاقوں کے افراد کے برابر آسکیں اور باوقار انداز سے اپنی زندگی بسر کریں۔ انہوں نے اس پراجیکٹ کا نام ''سہیلی'' رکھا۔ یہ ایک غیر حکومتی پائلٹ پراجیکٹ تھا۔ یاسمین نے اپنے تصور کو عملی جامہ پہنانا شروع کیا۔

یاسمین ان خواتین کی حالت کو بہتر بنانے کے لیے ان کو جدید ٹیکنالوجی کے ساتھ سلائی کڑھائی کی تربیت، کاروبار کرنے کے طریقے سکھا رہی ہیں۔ وہ کہتی ہیں میرا عزم یہ ہے کہ میں ان کے اندر قائدانہ صلاحیتیں بیدار کردوں تاکہ یہ غریب خواتین معاشی طور پر خود کفیل ہوسکیں اور کامیابی اور عزت کے ساتھ اپنا کاروبار کرسکیں۔

معاشی بدحالی کا شکار یہ خواتین یاسمین کے پراجیکٹ سے فائدہ اٹھا رہی ہیں اور ان کے خاندان میں معاشی خوش حالی کا دور شروع ہوگیا ہے۔ وہ دوران تربیت ہی آمدنی شروع کردیتی ہیں اور پوری طرح تربیت حاصل کر کے ٹیکسٹائل کمپنیوں کے سب کنٹریکٹر کے طور پر کام شروع کردیتی ہیں۔ آج ان خواتین کا کام اتنا معیاری ہے کہ بڑے بڑے ہوٹلز اس ادارے کو اپنے کمروں کے بستروں کی چادریں اور تکیوں کے کشن کے آرڈر دے رہے ہیں۔ اور یہ خواتین اپنے قصبہ میں خواتین کے ماحول میں دل جمعی سے کام کر کے اپنے گھرانوں کی معاشی ترقی میں اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔ ہسپتالوں سے بھی ان کے پاس بہت آرڈر آرہے ہیں۔

یاسمین کے اس پراجیکٹ کا تمام اسٹاف خواتین پر مشتمل ہے۔ اگر خواتین اپنے طور پر آزادانہ اپنا کاروبار کرنا چاہیں تو بھی یاسمین ان کی بھرپور مدد کرتی ہے اور ان کے اس اقدام کو سراہتی ہے۔ اسی لیے اس نے سلائی، کٹنگ اور کڑھائی کے ساتھ ساتھ مینجمنٹ سکھانے کا سلسلہ بھی شروع کیا ہے کہ اگر کوئی خاتون اپنا کام شروع کرنا چاہے تو اس کو کاروباری معاملات میں دشواری نہ ہو۔ یاسمین کا یہ خواب تھا کہ وہ اپنے قصبہ کی غریب خواتین کے کسی کام آسکے اور ان میں خود اعتمادی پیدا کرسکے اور ان کی خدمت کرسکے۔ اس نے اپنا خواب پورا کر دکھایا۔ یاسمین

اپنے پراجیکٹ کو اب پورے ملک کی سطح تک لے جانا چاہتی ہیں۔ ان کا ارادہ ہے ۲۰۲۰ء تک جنوبی افریقہ کے سو دیہاتوں اور قصبات تک ''سبیلی'' کا دائرہ کار بڑھا دیا جائے گا۔

اگست ۱۹۹۹ء میں مسلم ورلڈ لیگ کے ایک نمائندہ وفد نے ''سبیلی'' سینٹر کا دورہ کیا۔ یاسمین نے اس دورہ کا اہتمام اس وجہ سے کیا تھا تاکہ اس سینٹر میں دعوتِ اسلام کے پہلوؤں کا جائزہ لیا جاسکے۔ اور یہاں کام کرنے والی خواتین کو دین اسلام سے روشناس کرایا جاسکے۔

ہاجرہ باوا نے جس طرح یاسمین کے دل میں گلستانِ اسلام کی آب یاری کی تھی۔ آج یاسمین وہی پھول دوسری خواتین کے دل میں کھلانے کے لیے بے چین ہے۔ یاسمین نے اب یہ پراجیکٹ کئی دوسرے قصبات میں بھی شروع کر دیے ہیں اور ہر سینٹر میں مسلم عالمہ داعیہ کا بندوبست بھی کیا گیا ہے۔ جوان خواتین کو دینِ اسلام سے روشناس کرا رہی ہیں۔

حال ہی میں یاسمین نے ایک خاتون اسلامی اسکالر کو باہر سے بلوا کر اپنے ہاں ایک سال کے لیے مہمان رکھا ہے تاکہ وہ سینٹرز کی داعیات کو دعوت کے مزید طریقوں سے آگاہ کر سکیں۔ یاسمین بنی نوع انسان کی خدمت کے جذبہ سے معمور رہتی ہیں۔ یاسمین کا قصبہ پال فطرت سے محبت کرنے والوں کے لیے بڑی کشش رکھتا ہے۔ یہاں افریقہ کا سب سے بڑا تتلیوں کا پارک ہے۔ جہاں دنیا بھر کی خوب صورت تتلیاں مکمل طور پر ڈھکے ہوئے پارک میں آزادانہ اڑتی پھرتی ہیں۔ اسی قصبہ میں مگرمچھوں کا بھی بہت بڑا فارم ہے جہاں پانچ ہزار سے زیادہ مگرمچھ رکھے گئے ہیں۔ یہاں آپ کو تین فٹ کے مگرمچھ سے لے کر سولہ فٹ تک کے مگرمچھ دیکھنے کو ملیں گے۔ آپ مگرمچھ کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو اپنے ہاتھوں میں بھی لے سکتے ہیں۔ جہاں سیاح یہ دیکھنے آتے ہیں، وہیں پال قصبہ کی شہرت میں ایک اور اضافہ یاسمین راضیہ کوئٹزی کا ''سبیلی'' پراجیکٹ ہے۔

ڈونا ڈولی

میں انتہائی اختصار کے ساتھ اپنے بارے میں ذکر کروں گی۔ میں نے اگست ۱۹۹۸ء میں اسلام قبول کیا۔ میں نے مارچ کے مہینے سے مطالعہ قرآن شروع کیا مجھے بڑا عجیب سامحسوس ہورہا تھا۔ میں انگریزی ترجمہ تو پڑھ سکتی تھی لیکن میری خواہش یہ تھی کہ میں قرآن کے ترجمہ کو عربی متن کے ساتھ پڑھ سکوں اور سیکھنے میں دشواری میرا ڈیپریشن بڑھا رہی تھی۔ قبول اسلام کے بعد ایک رات ایسی گزری کہ میں تقریباً ساری رات اللہ کے سامنے روتی، گڑگڑاتی رہی سجدہ میں پڑی رہی اور دعائیں کرتی رہی کہ یا اللہ مجھے قرآن مجید کی سمجھ عطا فرمادے دوسرے دن میں نے قرآن کھولا تو میرے دل پر ایک سکون اور اطمینان کی کیفیت تھی گویا ایک بجلی کا بلب تھا جو روشن ہوگیا تھا۔ اب ہر چیز مجھے ایک نئے زاویے سے نظر آرہی تھی۔ اسی لمحے مجھے اسلام اور قرآن کی حقانیت کا احساس ہوا۔ میرے شوہر مسلمان ہیں انہوں نے کبھی کسی بات پر جبر وزبردستی نہیں کی۔ میرے ساتھ میری بیٹی نے بھی کلمہ پڑھا جو میرے مسلمان ہونے سے پہلے پیدا ہوئی تھی۔ میرے شوہر بہت خوش تھے۔ انہوں نے بھی قرآن مجید اور دین اسلام کے سکھانے میں میری ہر طرح سے حوصلہ افزائی اور مدد کی۔ اب میرے چار بچے ہیں جن کی عمریں چار سے پندرہ سال کی ہیں۔

گزشتہ سال میں نے الباما کے ایک پرائیویٹ اسلامی اسکول میں بطور سیکریٹری کے ملازمت اختیار کرلی۔ بحیثیت سیکریٹری دفتری امور کی تمام ذمہ داریاں میرے ذمہ ہیں۔

۱۹۹۱ء تک میں نے کام نہیں کیا تھا کیوں کہ اس وقت بچے چھوٹے تھے۔ اب جب کہ میں ایک بہت اچھے اسلامک اسکول میں ملازمت کر رہی ہوں میں نے اپنے بچوں کو بھی یہاں داخل کر دیا ہے۔ یہاں پر بچے اسلامی ماحول اور اسلامی ثقافت کے تحت پروان چڑھ رہے ہیں۔ یہاں اسکول کے احاطے میں ویلنٹائن تھینکس گون، اور ہپی نیو ایئر اور دیگر لعنتیں نہیں ہیں۔ ہمارے اسلامک اسکول میں الباما اسٹیٹ کے منظور شدہ اسکول کے نصاب تعلیم کے علاوہ عربی، اسلامیات اور قرآن مجید کی تعلیم بھی دی جاتی ہیں۔ یہ اسکول امریکا کے بہترین اسلامک اسکولوں میں سے ایک ہے۔

میں تمام مسلمان والدین سے درخواست کرتی ہوں کہ وہ جہاں بھی ہوں بچوں کی اسلامی تعلیم اور اخلاقی تربیت پر خصوصی اور ذاتی توجہ دیں۔

میلونی محمود

اسکول کے زمانے میں میری ایک ٹیچر نے میرے متعلق انتہائی منفی ریمارکس دیے جو میرے لیے انتہائی ناقابل برداشت تھے۔ اس وقت میں ساتویں جماعت میں تھی۔ میری ٹیچر نے مجھے کہا تھا کہ تم اس لیے پیدا ہوئی ہو کہ تمہیں گندگی اور غلاظت اٹھانے والا ٹرک چلانا ہے پڑھنا لکھنا تمہارے بس کا روگ نہیں۔ بس ان کا یہ جملہ میرے لیے چیلنج بن گیا۔ میں اساتذہ سے مودبانہ گزارش کروں گی کہ وہ خدارا اس قسم کے طنزیہ اور اہانت آمیز جملے اپنے طلباء پر نہ کسیں۔ کیوں کہ اس جملے کی اذیت میں آج تک محسوس کرتی ہوں۔ میں بجائے اس کے کہ کوئی منفی ردعمل لیتی، ٹیچر کی شکایت کرتی یا اسکول سے بھاگتی میں نے اسی دن استاد بننے کا فیصلہ کیا اور یہ مصمم ارادہ کرلیا کہ تعلیم جیسا مقدس شعبہ اپنا کر بچوں کو زیور تعلیم اور اخلاق سے آراستہ کروں گی۔

مجھے ابتدا ہی سے بچوں سے محبت اور ان سے لگاؤ تھا جب میں سات سال کی تھی تو اس وقت سے اپنی ماں کے ساتھ بچوں کی نگہداشت والے ادارے میں جاتی اور بچوں کا خیال رکھتی تھی۔ میرے اسکول کے زمانے تک مجھے کلاس روم میں پڑھنے کے ساتھ ساتھ ہلا گلا کرنے میں بھی مزہ آتا تھا۔

لیکن اب جبکہ میں کنڈرگارٹن کے بچوں کو پڑھاتی ہوں تو میں سوچتی ہوں کہ واقعی یہ بڑا چیلنج ہے۔ یہ چھوٹے بچے آپ پر کتنا انحصار کرتے ہیں۔ ان چھوٹے بچوں کو جو ابھی ننھے فرشتوں کی

طرح ہوتے ہیں آپ ان میں اعلیٰ صلاحیتیں پیدا کر کے ان کو معاشرے کا اچھا فرد بنا سکتے ہیں۔

چوں کہ میں نے پبلک اسکول میں بھی پڑھایا ہے۔ میں یہ کہہ سکتی ہوں کہ اسلامک اسکول کے بچے پبلک اسکول کے بچوں کے مقابلے میں زیادہ معصوم، بردباد اور پیارے ہوتے ہیں اور یقیناً تعلیمی لحاظ سے بھی برتر۔ میں ابتدائی تعلیم سے لے کر پرائمری اسکول تک کے لیے ایک سرٹیفائیڈ استاد ہوں۔

میں الباما کے بپٹسٹ خاندان میں پیدا ہوئی اور پلی بڑھی۔ ابھی میں نو عمر (Teenager) ہی تھی کہ میری ملاقات محمود سے ہوئی ہم ابھی اسکول ہی میں تھے اور ہم دونوں وینڈی فاسٹ فوڈ ریسٹورنٹ میں جز وقتی کام کرتے تھے۔ ہماری ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ کالج کے زمانے میں ہم نے شادی کر لی۔ ہم کبھی کبھار مذہب پر بھی گفتگو کرتے تھے۔ میرے شوہر نے مجھ پر اسلام زبردستی ٹھونسنے کی کوشش نہیں کی۔ البتہ وہ یہ اکثر کہتے تھے کہ تم مطالعے کی شوقین ہو۔ اپنے مطالعے میں اسلام کو شامل کر لو اور قرآن مجید کا ترجمہ بھی پڑھ کر دیکھو۔ پھر جو تمہارا دل چاہے وہ کرنا۔

میں نے اپنے شوہر کی اسلامی کتابوں کو پڑھنا شروع کیا تو انہوں نے مجھے مزید نئی اسلامی کتابیں لا کر دیں۔ لیکن جب میں نے قرآن مجید پڑھنا شروع کیا تو مجھے احساس ہوا کہ یہ تو میرے لیے ہے۔ اب میں نے نہایت ذوق شوق کے ساتھ قرآن مجید پڑھنا شروع کیا۔ دین اسلام کا مطالعہ کرنا شروع کر دیا اور اسی شوق کی بنیاد پر اپنے شوہر سے عربی پڑھنا شروع کی۔

ایک دن بے اختیار میں نے اپنے شوہر سے کہا کہ بس اب بہت ہو گیا میں اسلام کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ میں اپنے شوہر کے ساتھ مقامی اسلامک سینٹر گئی اور وہاں کلمہ شہادت پڑھ کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئی۔ میں کہہ سکتی ہوں کہ میری زندگی میں یہ انقلاب قرآن مجید کی بدولت آیا۔ اس سے آج تک مسلسل دین سیکھنے اور اس پر عمل کی کوشش کر رہی ہوں۔ اللہ نے مجھے دو بہت پیارے بچے دیے۔ میرا بیٹا بیس سال کا اور بیٹی پندرہ سال کی ہے۔ دونوں بچے اچھے مسلمان اور اچھے شہری ہیں۔

شرلے اسٹینلے

طالب علم نرس کی حیثیت سے میں یہ دیکھتی تھی کہ آپریشن روم میں مریض کے اوپر اپنی تمام تر توجہ مرکوز رکھنے والا شخص بے ہوشی کا ماہر ڈاکٹر ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ہر شخص خواہ وہ نرسیں ہوں یا سرجن وہ اپنے آلات اور عمل جراحی (سرجری) پر ہی توجہ رکھتے ہیں۔ بحیثیت بے ہوشی کی ماہر نرس کے میں مریض کے درد اور تکالیف کو سمجھتی ہوں اور اس احساس کی وجہ سے میں اپنی ملازمت کو دنیا کی بہترین ملازمت سمجھتی ہوں۔ جب میں مریض کو بے ہوشی کی دوا دیتی ہوں تو اس کا فوری اثر ہوتا ہے۔ پینتالیس سیکنڈ میں ہم مریض کی حالت میں تبدیلی دیکھتے ہیں تین منٹ کا عرصہ بہت زیادہ ہوتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ لوگوں کا یہ خیال ہو کہ بے ہوشی کی ماہر نرس یا بے ہوشی کے عمل کا ماہر ڈاکٹر کیا کرتا ہے۔ کیا اس کا کام صرف مریض کو بے ہوش کرنا ہے اور بس۔ نہیں ہرگز نہیں۔ اس کو بہت سی چیزیں دیکھنی پڑتی ہیں۔ مریض کے دل کے چلنے کی رفتار، سانس کی رفتار، نبض وغیرہ ہر چیز پر نظر رکھنی پڑتی ہے۔

میرے کام کی ابتدا صبح چھے بجے شروع ہوتی ہے۔ اگرچہ میں اس سے پہلے ہی اٹھ جاتی ہوں۔ پہلا کام نماز کی ادائیگی ہوتا ہے۔ تمام کاموں سے فارغ ہو کر ہسپتال پہنچتی ہوں۔ بے ہوشی کے سارے آلات چیک کرتی ہوں۔ بے ہوشی والی مشین بڑی پیچیدہ اور بہت مہنگی مشین ہوتی ہے۔ بے ہوشی والا ڈاکٹر ساری چیزوں کو دوبارہ چیک کرتا ہے۔ آپریشن کا دورانیہ سات منٹ سے آٹھ گھنٹے تک کا ہوسکتا ہے۔ جب تک مریض حالتِ بے ہوشی میں ہوتا ہے میں

کمرے سے باہر قدم نہیں رکھ سکتی۔ میری ملازمت اعتماد کا بہت بڑا مظہر ہے۔ مجھے اسی کام میں تیس سال ہو چکے ہیں۔ میرے قبول اسلام سے پہلے ہی میرے دونوں بچے بڑے ہو چکے تھے۔ میرے قبول اسلام کی داستان بڑی مختصر سی ہے۔ بوسنیا ہرزے گوینیا کے مفتی اعظم جب امریکا تشریف لائے تو ان کے مختلف جگہوں پر لیکچرز ہوئے تھے۔ ان کا مکالمہ بین المذاہب کے سلسلے میں سینیگاگ (Synagogue) میں آنا ہوا میں نے وہاں ان کا لیکچر سنا۔ انہوں نے بہت سی باتوں کے حوالے قرآن مجید سے دیے۔ میں نے قرآن مجید کے بارے میں سن تو رکھا تھا مگر کبھی اس کو پڑھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ جب مفتی صاحب نے کافی حوالے دیئے تو دل میں یہ بات پیدا ہوئی کہ دیکھیں یہ کتاب کیا کہتی ہے۔ میں نے قرآن مجید کا ترجمہ حاصل کیا۔ اور اس کا مطالعہ شروع کر دیا۔ کئی ماہ کے مسلسل مطالعے کے بعد صورت حال یہ ہوئی کہ بعض باتیں دریافت کرنے کی نوبت آئی تو ہسپتال میں بعض مسلمان ڈاکٹروں سے معلومات حاصل کیں۔ پھر مختلف کتابیں پڑھنے کا بھی موقع ملا۔

آخر کار اس مطالعے کے بعد میرا ذہن اسلام قبول کرنے کی طرف راغب ہو گیا۔ اور میں نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اسلام قبول کر لیا۔ میں اپنے دونوں بچوں کو بھی اسلام کے بارے میں بتاتی رہتی ہوں اور میری دعا ہے کہ وہ بھی مسلمان ہو جائیں۔

میری چھوٹی سی دنیا ہے۔ اپنے فارغ اوقات میں مختلف اسلامی کتابوں کے مطالعے کے علاوہ دینِ اسلام کو سیکھنے کی پوری کوشش کر رہی ہوں۔

پینومی کیری

قبول اسلام کی طرف میرا سفر اس وقت سے شروع ہو جاتا ہے جب میری عمر چودہ سال کی تھی اور میں پہلی مرتبہ ڈراما اسٹیج کے بین الاقوامی شہرت یافتہ ڈائریکٹر اور رائٹر ٹونی رچرڈسن سے ملی۔ ٹونی رچرڈسن جو ایڈز کے مرض میں مبتلا ہو کر مرے، اسٹیج کے پس پردہ ایک بہت بڑی (دنیاوی) شخصیت تھے۔ میں ان سے بہت متاثر تھی۔ میرا بھی یہ خواب تھا کہ میں ڈراما لکھنے اور اس کی ہدایت کاری کی دنیا میں ایک منفرد مقام حاصل کرلوں۔ میں نے سترہ سال کی عمر سے ٹونی رچرڈسن کے ساتھ کام کرنا شروع کر دیا۔ ٹونی رچرڈسن جب انگلینڈ سے امریکا آئے تو وہ اپنے ساتھ اپنی ہم جنس پرستی کی وبا بھی ساتھ لے کر آئے۔ مجھے ان کے ان کاموں سے کوئی سروکار نہ تھا۔ میں امریکی معاشرے اور یورپی معاشرے دونوں جگہ کام کرنے کے ساتھ ساتھ روحانیت کی متلاشی بھی تھی۔

میرا آبائی تعلق اسپین کے یہودی خاندان سے تھا۔ میں اسٹیج کے ساتھ ساتھ فری لانس صحافی بھی تھی۔ امریکا میں میری ملاقات مسلمان کمیونٹی میں سب سے پہلے امام صدیقی، برادر حسین، بہن رحیمہ اور ماریہ عابدین سے ہوئی۔ میں حلال ذبیحہ گوشت کے بارے میں فیچر تیار کر رہی تھی، تو میں نے ان حضرات سے انٹرویو کیے۔ اس انٹرویو کے سلسلے میں مجھے مسلمانوں کی مختلف حلال گوشت کی دکانوں میں بھی جانا پڑا تو پہلی دکان پر ہی میری نظر ایک خاتون پر پڑی جو حجاب لیے ہوئے تھیں۔ مجھے ان کا یہ باوقار انداز بے حد پسند آیا۔ میں خود

ایک عورت ہوں لہٰذا اس کیفیت کو میں ہی محسوس کر سکتی ہوں۔ میں نے ان سے گفتگو کی اجازت مانگی۔ پھر میری اس خاتون سے گفتگو شروع ہوگئی دورانِ گفتگو معلوم ہوا کہ وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ خاتون ہیں اور دنیا کی بڑی زبانوں پر لکھنے پڑھنے اور بولنے کی قدرت رکھتی ہیں۔

اس سلسلے میں میری اور بہت سے مسلمانوں سے ملاقات ہوئی کچھ لٹریچر بھی مطالعہ کے لیے حاصل ہوا۔ لوگوں سے ملنے اور مطالعے کے بعد معلوم ہوا کہ اسلام تو ایک زندہ اور عملی مذہب ہے۔ میں نے اس بات کا بھی بغور مطالعہ کیا کہ یہ مسلمان امریکا کے غلامانہ معاشرے اور جنسیاتی مقابلے کی مارکیٹ میں خود کو کس طرح ایک علیحدہ شناخت کے ساتھ اسلامی فکر و نظر کے ساتھ رہ رہے ہیں۔

میں جس خاندان میں پلی بڑھی اور پروان چڑھی وہ میڈیا اور اسٹیج کی دنیا کے لوگ تھے جہاں جنس ہی سب کچھ تھا۔ اسی نظر سے لڑکے اور لڑکیوں کو دیکھا جاتا تھا کہ کون کتنا دل کش اور خوب صورت ہے۔

جب میرا مسلمانوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ہوا تو مجھے ان کے طور طریقے، آداب و احترام، بہت اچھے لگے۔ بات بہت آگے بڑھ چکی تھی میں نے اسلام کے بارے میں بھرپور مطالعہ شروع کر دیا۔ اسلام میں عورتوں کے حقوق و ذمہ داریاں، مردوں کے حقوق و فرائض، باوقار لباس، شادی بیاہ کے معاملات، ان تمام باتوں نے مجھے بہت متاثر کیا۔ قرآن مجید کے مطالعہ سے اس کی تعلیمات سے براہ راست آگاہی ہوئی۔ جب یہ سب باتیں میرے سامنے آگئیں اور میرے سامنے امریکی یورپی معاشرے کی منافقت اور تضاد بھی موجود تھا، تو پھر میں نے اسلام قبول کرنے میں کسی سے مشورہ بھی نہیں کیا۔

مقامی اسلامک سینٹر میں جا کر بتایا کہ میں اسلام قبول کرنا چاہتی ہوں۔ اسلام قبول کرنے کے بعد میں نے امریکن انداز کے طرز زندگی کو چھوڑ کر یکسر اسلامی طرز معاشرت اور طرز زندگی اپنا لیا۔ میں بہت خوش ہوں۔ اللہ کی طرف سے میری شادی کا بھی انتظام ہوگیا۔ ایک نہایت عملی مسلم خاندان میں میری شادی ہوگئی۔ اس خاندان کا ہر فرد مجھے ایسی ہی عزت دیتا ہے جو مذہب اسلام بتاتا ہے۔

ایولین ٹونیلیر

بہت سے لوگ یہ سوچتے ہوں گے کہ ایک جوان عورت جو کینیڈا میں پیدا ہوئی، سفید جلد والی (Caucasian) عورت نے مذہب اسلام کیوں قبول کرلیا؟ ایسا مذہب جس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ یہ عورتوں پر ظلم روا رکھتا ہے، ان کی آزادی سلب کر لیتا ہے اور ان کو دوسرے درجہ کا شہری بنا دیتا ہے۔ میں نے مذہب اسلام پر لگائے گئے ان تمام الزامات کو مسترد کر دیا اور درج ذیل سوالات پر اپنی تمام تر توجہ مرکوز کر دی۔

آخر کینیڈا، امریکا اور یورپ میں پیدا ہونے والی خواتین جو خود کو مہذب، متمدن (Civilsed) معاشرے کا فرد سمجھتی ہیں کثیر تعداد میں ایک ایسے مذہب (اسلام) کو قبول کر رہی ہیں جو ان کی آزادی چھین لیتا ہے، ان پر ناروا ظلم کرواتا ہے اور ان کے حقوق سے تعصب برتتا ہے۔ کینیڈا کی شہری ہونے کی حیثیت سے اور پھر ایک نو مسلمہ ہونے کی حیثیت سے میں اپنے تاثرات پیش کر رہی ہوں کہ آخر میں نے کن وجوہات کی بنا پر اس نام نہاد آزادی کو مسترد کر دیا جس کا مغرب کی سوسائٹی کی عورتیں دعویٰ کرتی ہیں اور ایک ایسے سچے مذہب (اسلام) کو اپنے لیے منتخب کیا جو عورتوں کو صحیح اور سچی آزادی عطا کرتا ہے اور ان کو ایک ایسا مقام عطا کرتا ہے جو بالکل منفرد (Unique) ہے۔

جب میں چھوٹی بچی تھی تو باوجود عیسائی ہونے کے میرا گھرانا غیر مذہبی (Non-Religious) تھا۔ میں اکثر اپنے والدین سے پوچھتی تھی کہ اگر واقعی خدا ہے تو وہ کون

ہے؟ کہاں ہے اور آخر کہاں سے آیا ہے؟

ان کا جواب ہمیشہ یہ ہوتا کہ ان باتوں کو چھوڑ و اور جو عقیدہ رکھنا چاہتی ہو رکھو۔ ان کا یہ جواب مجھے مطمئن نہیں کرتا تھا کیونکہ میرے مختلف دوست مختلف مذاہب سے تعلق رکھتے تھے اور میں ہمیشہ یہ سوچتی تھی کہ میں غیر مذہبی مزاج (Non Religious) کیوں ہوں؟

مجھے یاد پڑتا ہے کہ جب میں چھ سات سال کی تھی تو میں کچھ عرصے مقامی چرچ کے اسکول (Sunday School) میں اپنے دوستوں کے ساتھ پڑھنے جاتی تھی۔ میں نے اس تجربے کو بہت غیر دلچسپ پایا۔ میں اپنے انسٹرکٹر اور ان بچوں کے درمیان خود کو بہت بوجھل غیر مطمئن اور غیر آرام دہ محسوس کرتی تھی۔ جبکہ میں اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام (Jesus Christ) کے متعلق زیادہ جانتی بھی نہ تھی۔ اس صورت حال سے تنگ آ کر میں نے اتوار اسکول جانا بند کر دیا اور غیر مذہبی انداز سے پروان چڑھتی رہی۔ میں خدا کے تصور سے بالکل بیگانہ تھی۔ اس صورت حال نے مجھے تنہائی پسند بنا دیا۔ یہ صورت حال میرے ہائی اسکول جانے تک رہی۔ جب میں ہائی اسکول میں پہنچی تو مجھے سوشل اسٹڈیز کی کلاس میں مذاہب کے بارے میں بتایا گیا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میری استانی نے کتنی شد و مد اور زور دار طریقے سے یہ بتایا تھا کہ اسلام میں عورت کو کوئی حقوق حاصل نہیں ہیں، ان کو تعلیم سے محروم رکھا جاتا ہے، ان کی جبری طور پر ختنہ کی جاتی ہے اور ان کو زبردستی مرد کی اطاعت پر مجبور کیا جاتا ہے ورنہ مردوں کو مار پیٹ کی بھی کھلی اجازت ہے۔ ان باتوں نے مجھے کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا۔

میں اکثر اوقات یہ سوچتی تھی کہ ہوسکتا ہے کہ جو کچھ استانی نے مجھے بتایا ہے سب سچ ہو، میں ایک جانب مذہب اسلام سے متعلق طنزیہ باتیں سن رہی تھی اور اس کا اثر بھی قبول کر رہی تھی۔ اسی دوران میری ملاقات ایک مسلمان نوجوان سے ہوئی جس کا نام خالد تھا۔ وہ اسی جگہ کام کرتا تھا جہاں میں کام کرتی تھی، میں نے اس سے وہ تمام باتیں پوچھیں جو میری استانی نے اسکول میں مجھے بتائی تھیں۔ اس کو یہ سب کچھ سن کر سخت افسوس ہوا کہ جدید دنیا میں مذہب اسلام کے متعلق کتنا غلط پروپیگنڈا کیا جاتا ہے۔ خالد نے مجھے بتایا کہ یہ سب غلط ہے۔

اب جب میں نے اسکول جا کر اپنی استانی کو یہ سب کچھ بتایا اور اپنے ساتھی طالب

علموں سے بھی اس موضوع پر بات چیت کی تو میری استانی نے میرے ذرائع کو غلط بتایا اور اپنی معلومات کو درست قرار دینے پر زور دیا اور کہا کہ اس نے ساری معلومات حوالہ جاتی کتابوں (Reference Books) سے حاصل کی ہیں۔ میری استانی نے مزید کہا کہ اگر میں اپنی معلومات کے ذرائع پر اصرار کروں گی تو وہ ہماری کلاس کو سوشل اسٹیڈیز نہیں پڑھائیں گی۔ میری استانی نے اس سلسلے میں مجھے کافی پریشان کیا لیکن میرے ہم جماعت ساتھیوں نے اس پر یقین کیا۔

میں نے خالد سے مسلم خواتین کے بارے میں مزید معلومات جمع کیں۔ دراصل میں خواتین اور مذہب اسلام میں ان کے حقوق کے بارے میں بہت متجسس تھی۔ خالد کے ذریعے مجھے کافی معلومات حاصل ہوئیں مگر میں نے اس کی باتوں پر مکمل یقین نہیں کیا۔ میں اس وقت بھی مذہب سے بے گانہ تھی، اور ابھی مجھے اسلام کے بارے میں زیادہ معلومات حاصل نہیں ہوئی تھیں۔ لیکن ایک خاص بات میرا دل موہ لیتی تھی کہ مسلمان عورتیں کتنے اچھے طریقے سے لباس پہنتی ہیں اور خود کو ڈھانپتی ہیں اور ان کے چہروں پر کتنا اطمینان، سکون و چین نظر آتا ہے، میرے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ ایک دن ایسا آئے گا کہ میں بھی ایسی مطمئن خواتین کی طرح ستر پوشی والے لباس پہنوں گی۔

دو سال کے بعد میں نے اور خالد نے شادی کر لی اور ہمارے بیٹا پیدا ہوا، اس کے بعد پھر ہمارے ہاں ایک اور بیٹے کی ولادت ہوئی۔ میں نے پھر خود کو غیر مطمئن اور دل شکستہ پایا اور اپنے اندر ایک روحانی خلا محسوس کیا۔ میں نے محسوس کیا کہ میری زندگی کی کوئی متاع ابھی گم گشتہ ہے۔

اس مرحلے پر آ کر میں نے مختلف مذاہب کا مطالعہ کرنا شروع کیا اسی دوران میں نے قرآن مجید با ترجمہ خریدا اور باقاعدگی سے اس کا ترجمہ پڑھنا شروع کیا۔ مجھے زندگی کا صحیح اور حقیقی مفہوم سمجھ آیا، میں نے دیگر مذاہب کا مطالعہ بند کر دیا۔ میرے دل نے گواہی دی:

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔

میرے ذہن میں جتنے بھی سوالات تھے قرآن مجید نے تمام کا جواب دے دیا تھا۔

اسی اثنا میں رمضان کے مقدس مہینے کی آمد میں صرف ایک ہفتہ رہ گیا۔ میں نے نماز سیکھ لی اور چند سورتیں بھی زبانی یاد کرلیں اور اسلام قبول کرلیا۔ الحمدللہ! اب میں شکستہ خاطر اور آزردہ دل نہیں ہوں۔ اللہ کی ذات پر مجھے کامل یقین ہے، اللہ تعالیٰ نے مجھے راہِ ہدایت سے نوازا۔

اسکارف (حجاب) کے معاملے میں شروع میں مجھے کچھ دشواری ہوئی لیکن سکون و اطمینان نے مجھ پر غلبہ پالیا۔ میں پہلے کیا تھی اور کیا نہیں تھی؟ مجھے نہیں معلوم، مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ میں مسلمان ہوں اور مسلمان ہونے پر مجھے فخر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے برائیوں سے محفوظ فرما دیا ہے۔ میں خود کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے بہت قریب محسوس کرتی ہوں۔ اسی نے اپنی کتاب قرآن مجید میں مؤمن عورتوں کو حکم دیا کہ خود کو ڈھانپیں اور نگاہوں کی حفاظت کریں۔

چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ سورۂ نور میں ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ط ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ O وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ص وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِى الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ط وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ O

(اے پیغمبر!) مسلمانوں سے کہو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اس میں ان کی زیادہ صفائی (پاک بازی) ہے اور جو کچھ بھی کیا کرتے تھے بے شک اللہ کو سب خبر ہے۔ (اے

پیغمبر!) مسلمان عورتوں سے کہو وہ بھی اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زیبائش کسی کے سامنے ظاہر نہ ہونے دیں، بجز اِس چیز کے جو (چاروناچار) کھلی رہتی ہے اور اپنے سینوں کو دوپٹوں سے ڈھانکے رہیں اور اپنی زینت بناؤ سنگھار کو کھلے نہ رکھیں، مگر اپنے شوہروں کے سامنے یا اپنے باپ کے یا اپنے شوہر کے باپ یا اپنے بیٹوں کے، یا اپنے خاوند کے بیٹوں یا اپنے بھائیوں کے، یا اپنے بھتیجوں کے، یا اپنے بھانجوں کے، یا اپنی میل جول کی عورتوں کے، یا اپنے ہاتھ کے مال (باندی غلام) یا ایسے خدمت میں مشغول رہنے والوں کے سامنے جو مرد تو ہیں مگر عورتوں سے کچھ غرض نہیں رکھتے، یا لڑکوں کے آگے جو عورتوں کے پردے کی باتوں سے ابھی آگاہ نہیں اور چلنے میں اپنے پاؤں زمین پر ایسے زور سے نہ رکھیں کہ پاؤں کے زیور کی آواز سے لوگوں کو ان کے چھپے ہوئے سنگھار کی خبر ہو جائے اور اے مسلمانو! تم سب مل کر اللہ کی جناب میں توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

میں یہ جانتی ہوں کہ یہ چیز میرے شوہر کو بہت پریشان کرتی ہے کہ اس کی بیوی نے نہ صرف اسلام قبول کر لیا ہے بلکہ وہ ایک عملی مسلمہ (Practicing Muslimah) ہے، جبکہ وہ نہیں ہے۔ میرے اور میرے شوہر کے درمیان اس مسئلے پر کوئی اختلاف نہیں ہے کہ بچوں کی تعلیم و تربیت اسلامی طریقے سے ہونی چاہیے۔ لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ موجود ہے کہ جب سے میں نے اسلامی تعلیمات پر عمل کرنا شروع کیا ہے وہ مجھ سے خوش نہیں ہے۔

اسلام قبول کرنے کے بعد میری زندگی میں مکمل تبدیلی آگئی اور میں اس زندگی کے ہر لمحے سے پیار کرتی ہوں۔ میں ہر عورت کو خواہ وہ مسلمان، عیسائی، یہودی یا ہندو ہو یہی مشورہ دوں گی کہ وہ قرآن مجید اٹھائے اور اس کو تھوڑا تھوڑا پڑھنا شروع کرے اور اس کو مکمل کرے۔

اللہ تعالیٰ ہر ایک کو ہمت عطا فرمائے تاکہ وہ سیدھے، سچے اور ہدایت کے راستے پر چل پڑے جس طرح گذشتہ سال اللہ نے مجھے راہِ ہدایت پر گامزن کیا۔

سمیر

میرے قبول اسلام کی بنیاد عملی بھی ہے اور جذباتی بھی۔ میرے ماں باپ دونوں تعلیم یافتہ ہیں اور دونوں نے یونیورسٹی کی سطح تک تعلیم حاصل کی۔ میری ماں نے باقاعدہ عیسائی مذہب قبول کیا ہے اس سے پہلے وہ مکمل دہریہ تھی جب کہ میرے باپ کے کچھ اپنے ذاتی مذہبی افکار ہیں جن پر وہ سختی سے پابند ہیں۔

میرا تعلق ایک امیر کبیر گھرانے سے ہے۔ بچپن سے ہی مجھے سیاسی گفتگو کرنے اور سیاسی سوالات کرنے کی عادت سی تھی۔ میں شروع سے کتابیں پڑھنے کا شوقین تھا۔ تاریخی اور سیاسی کتابیں پڑھنا میرا بہترین مشغلہ تھا۔ ایک زمانے میں میں خود کو کمیونسٹ کہتا تھا۔ پھر میں نے کمیونسٹ کہلانا چھوڑ دیا۔ کیوں کہ کمیونسٹ بلاک کے ختم ہونے کے بعد اس فلسفہ میں میری دل چسپی ختم ہوگئی۔ میں نے افواج کی تواریخ اور سیاست پر ان کے اثرات کا بھی گہرا مطالعہ کیا۔ پھر میں نے سماجیات اور نفسیات پر بھی کافی کچھ پڑھا۔ ایک وقت مجھ پر ایسا بھی آیا کہ میں دہریہ ہوگیا اور خدا کے وجود کا بھی منکر ہوگیا۔

پھر میرے والدین میں علیحدگی ہوگئی۔ اس واقعہ کا میری زندگی پر بہت برا اثر پڑا۔ میں نے اپنی تعلیم اور مطالعہ سب چھوڑ دیا اور دوستوں کے گروپ کے ساتھ گھومنا، سگریٹ، شراب، اور عیاشی میرے مشاغل بن گئے۔ اس عرصے میں میں نشے کا بھی عادی ہوگیا۔ ان سب کے باوجود میں گریجویٹ کی سطح کی تعلیم کی تکمیل کے لیے یونیورسٹی پہنچ گیا۔ پھر آرمی کے

لیے بھرتی شروع ہوئی تو میں نے آرمی جوائن کر لی۔ آرمی کے سخت اصول وضوابط میرے لیے پریشان کن تھے مگر میں ان کا عادی ہو گیا اور اس سے مجھ میں باقاعدگی پیدا ہو گئی۔ کئی سال آرمی میں گزار کر جب واپس آیا تو سویلین زندگی میں ایک مرتبہ پھر پرانے مشاغل عود کر آئے اور ان چیزوں کو میں اپنی زندگی کا لازمی جز تصور کرنے لگا۔ ان دنوں میری بہن ایک سفر پر شام گئی ہوئی تھی۔ جب وہ واپس آئی تو اس نے ایک کتاب پڑھنے کے لیے دی جو وہ وہاں سے لائی تھی کتاب کا نام Bible, Quran and Science تھا۔ اس کتاب کو میں نے کئی مرتبہ پڑھ ڈالا۔ کتاب کے مطالعہ سے جو بات سامنے آئی وہ یہ تھی کہ قرآن مجید جس زمانے میں نازل ہوا تھا اس زمانے میں انسان کے لیے ناممکن تھا کہ وہ ان تمام حقائق کو بیان کر دے جس کو آج سائنس ثابت کر رہی ہے۔ اس کتاب کے بار بار مطالعہ کا حاصل یہ نکلا کہ یہ ثابت ہو گیا کہ قرآن مجید مستند ترین کتاب ہے۔ سائنسی طور پر مستند۔ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد میں نے جو پہلا کام کیا وہ یہ تھا کہ فوری طور پر قرآن مجید کے نسخے کو ترجمے کے ساتھ حاصل کیا۔ واہ! زبردست کیا کہنا۔ میں پڑھا، پھر پڑھا اور میری زندگی میں انقلاب آ گیا۔ میں نے قرآن مجید کے ترجمہ کے مزید نسخے خریدے جن کا ترجمہ مختلف مترجمین نے کیا تھا تا کہ میں تراجم کا موازنہ کر سکوں بہر حال یہ میرا تجسس تھا۔ پھر میں نے مسلمان ہونے میں دیر نہ کی اور فوراً اسلام قبول کر لیا۔

الحمد للہ! ماہرین نفسیات میرے انتخاب اور زندگی میں میری مثبت تبدیلیاں دیکھ کر اسے کیا نام دے سکتے ہیں۔ ہر چیز منجانب اللہ ہے۔ اللہ نے میرے مقدر میں ہدایت لکھ دی، سو وہ اس نے مجھے عطا کر دی۔ اس نے مجھے دین اسلام کے لیے قبول کر لیا۔ قرآن مجید نے میری زندگی میں جو انقلاب اور تبدیلیاں پیدا کیں، کوئی نفسیات کا ماہر اس کو بیان نہیں کر سکتا۔ یہ روحانی بات ہے۔ سائنسی مظاہرے کے سامنے ایمان کی جو طاقت ہے وہ صاحبِ ایمان ہی جان سکتا ہے۔

روب وِکس

میں امریکا میں مسی سپی کے مضافاتی علاقے میں بپٹسٹ عیسائی پادریوں کے گھرانے میں پیدا ہوا۔ ہائی اسکول کے بعد اٹلانٹا کے مور ہاؤس کالج میں داخلہ لیا۔ یہاں (Nation of Islam) والوں کے ساتھ تھوڑا رابطہ رہا۔ لیکن خوش بختی یہ رہی کہ جلد ہی ایک مسلمان دوست کے توسط سے صحیح سمت کی رہنمائی ہوگئی اور اس نے مجھے نیشن آف اسلام والوں کے عقاید ونظریات سے آگاہ کر دیا اور دین اسلام کی صحیح سمت میری رہنمائی کی۔ کیوں کہ مجھے تو اسلام کے بارے میں کوئی علم ہی نہ تھا۔ اس کے بعد میں نے ملازمت بھی کر لی اور تعلیمی سلسلہ بھی جاری رہا اور ساتھ ساتھ میں نے مذاہب عالم کا مطالعہ شروع کر دیا۔

مذہبی گھرانے میں ہونے کے باوجود میں شروع ہی سے کوئی زیادہ مذہبی رجحان نہیں رکھتا تھا اور ذہنا سائنسی سیکولر مزاج کا حامل شخص تھا۔ ہر بات میں دلیل اور ثبوت پر زور دیتا۔ مذاہب عالم کے مطالعہ کے دوران میں نے عیسائیت کا بھی خوب گہرائی کے ساتھ مطالعہ کیا۔ بائبل کے مطالعے کے دوران مجھے اس کی تعلیمات میں الجھاؤ سا محسوس ہونے لگا۔ تثلیث کا عقیدہ مجھے شروع ہی سے کھٹکتا تھا۔ میں نے اس ضمن میں کئی عیسائی علماء سے جو کہ میرے رشتے دار ہیں بات کی لیکن کوئی مجھے مطمئن نہ کر سکا۔

پھر اچانک یوں ہوا ایک دن میں اپنی کار پر جا رہا تھا ہمارے علاقے میں ہرن بہت ہیں۔ ایک بڑا ہرن میری گاڑی کے نیچے آ گیا۔ میری گاڑی کا کافی نقصان ہوا۔ چند دن کے

لیے تو میرا آنا جانا بند ہو گیا اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے میں نے کتابوں کا مطالعہ شروع کر دیا۔ اس مطالعہ کے دوران بائبل کے مزید تضادات و تناقضات میرے سامنے آئے اب میرا اس کتاب پر سے اعتقاد ہی اٹھ گیا۔ حضرت عیسیٰ کی براہ راست تعلیمات میں کہیں ملتا کہ انہوں نے کہا ہو کہ میں خدا ہوں۔ میرے اکثر افریقی دوست نیشن آف اسلام کے گروپ سے تعلق رکھتے انہوں نے مجھے اپنی جانب کھینچنے کی بے حد کوشش کی۔ لیکن ان کے عقائد بھی درست نہ تھے۔

میں کسی نادیدہ طاقت سے یہ دعائیں مانگتا رہا کہ مجھے صحیح راستے کی ہدایت عطا ہو۔ اسی دوران مجھے ایک صحیح مسلمان سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ اس نے میری بڑی رہنمائی کی۔ قرآن مجید کا ترجمہ، احادیث کی کتب اور تاریخ اسلام سے متعلق کافی مواد مجھے مطالعے کے لیے دیا۔

ان کتب میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر بھی ایک کتاب تھی۔ میرا دل محمد ﷺ کی طرف کھنچتا چلا گیا۔ اب میرا دل ہدایت کے لیے کھل گیا۔ میں نے اپنے دوست سے کہا کہ اب میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں۔ میرا دوست مجھے اسلامک سینٹر لے گیا۔ مغرب کی نماز کے بعد امام صاحب نے تمام نمازیوں کو ٹھہرنے کے لیے کہا۔ تمام مسلمان بھائیوں کی موجودگی میں کلمہ شہادت پڑھ کر میں حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔

میکائیل یپ

۱۹۹۶ء میں میں مذہب اسلام سے متعارف ہوا۔ میں نیوزی لینڈ میں رہتا ہوں۔ ۱۹۹۵ء میں ایک خاندان نے مصر سے نیوزی لینڈ ہجرت کی اس خاندان کا ایک لڑکا محمد میری کلاس میں داخل ہوا۔ اس طرح محمد سے میرا تعارف ہوا۔ اگر چہ میں عیسائی تھا لیکن عیسائیت پر عمل پیرا نہ تھا بلکہ آپ یوں سمجھ لیں کہ برائے نام عیسائی تھا۔ ویسے میں بھی خاندانی طور پر عیسائی نہ تھا۔ میرے والدین بدھسٹ تھے۔ وہ چائنا سے ہجرت کر کے نیوزی لینڈ آئے تھے اور یہاں آکر عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا۔

اگر چہ میں ہر اتوار کو چرچ جاتا تھا لیکن عبادت میں شامل ہونے کے بجائے اپنی مادری زبان جو کہ چینی تھی اس کو سیکھتا تھا۔ مذہب سے مجھے کوئی لگاؤ نہ تھا۔ محمد سے میری اچھی خاصی دوستی ہوگئی ہم مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے پھر آہستہ آہستہ جب بے تکلفی بڑھتی گئی ہم نے مذہب پر گفتگو کا سلسلہ بھی شروع کر دیا۔ ہمارے ساتھ اس گفتگو میں ہمارا ایک اور دوست جیمس بھی شریک ہو جاتا۔

محمد نے اس دوران مجھے اللہ کی کتاب قرآن کریم کے بارے میں بھی بتایا۔ میرا دل چاہتا تھا کہ قرآن مجید کا ترجمہ پڑھوں مگر اسکول کا ہوم ورک، مختلف پراجیکٹ اور اسائنمنٹ سر کھجانے کی بھی فرصت نہ دیتے تھے۔ محمد کے والد مقامی قصبہ کی مسجد میں امام تھے۔ ایک مرتبہ میں نے اپنے دوست سے کہا کہ میں تمہارے والد سے ملنا چاہتا ہوں۔ پھر ایک دن وقتِ مقررہ پر میں محمد کے گھر پہنچ گیا۔ انہوں نے گفتگو بھی کی اور اپنے ساتھ لے جا کر مسجد بھی دکھا

دی اور پھر مذہب اسلام کے بارے میں بتایا اور انگریزی ترجمہ کا ایک نسخہ بھی دیا۔ ساتھ انہوں نے میرے دل میں اسلام کا ایک بیج (Seed) بھی بو دیا جو چند ماہ بعد میرے مسلمان بننے کی شکل میں اُگ گیا۔ کبھی کبھار میں خود سے یہ سوال کرتا ہوں کہ میں نے اسلام کیوں قبول کیا اس کا جواب بھی میں خود دیتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ یہ مذہب اتنا سادہ آسان اور فطرت کے قریب ہے کہ اگر تعصب کی عینک اتار کر مسلمانوں کے عمل کو ایک طرف رکھ کر اسلام کی تعلیمات کو سامنے رکھ کر مطالعہ کریں تو اس کو قبول کرنے میں لمحہ بھر بھی دیر نہیں کریں گے۔

اسلام کی دوسری باتیں جو مجھے بے حد پسند ہیں وہ یہ کہ اسلام اخوت اور بھائی چارے کا جو درس دیتا ہے، اس کا تصور ہمیں کسی دوسرے مذہب میں نظر نہیں آتا۔ حجاب اور شرم و حیا تصور کا شراب کی حرمت کا تصور، کیسے عملی احکامات ہیں۔ اگر تعصب کی عینک اتار کر آپ ان کا جائزہ لیں تو آپ یقیناً ضرور متاثر ہوں گے۔

کالج میں جانے کے بعد میں نے دیکھا کہ طلباء پڑھائی کے ساتھ ساتھ اخلاقی برائیوں میں بھی مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اور وہ ان کاموں کو برا یا گناہ سمجھ کر نہیں بلکہ شغل یا لہولعب کے طور پر کرتے ہیں۔ ایک غیر سلامی ملک میں، الحمد للہ اسلام قبول کرنے کی برکت سے میرے اللہ نے مجھے زنا، شراب، نشہ آور اشیاء، حرام کاموں اور ہر قسم کی لغویات سے محفوظ کر دیا ہے۔ یہ سب دین اسلام کی ہی برکت ہے۔

نومبر ۱۹۹۵ء میں میرے چند دوستوں نے مجھے بتایا کہ اسلام قبول کرنے کی پہلی سیڑھی ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' ہے۔ میں نے نومبر میں صدقِ دل سے اسلام قبول کر لیا۔ اب میں ہر روز دین اسلام کے بارے میں نئی بات سیکھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ میں نے قبولِ اسلام کے بعد نماز اور قرآن مجید سیکھنے کی طرف فوری توجہ دی۔ اب تک قرآن مجید مکمل پڑھنے کی ساتھ ساتھ کافی سورتیں زبانی یاد کر چکا ہوں۔ میں انشاء اللہ اگلے سال میڈیکل کالج میں داخل ہو جاؤں گا اور اس کے ساتھ ساتھ دین سیکھنے کا یہ عمل جاری رہے گا۔

اللہ تعالیٰ دین اسلام کو سمجھنے اور استقامت کے ساتھ چلنے اور اس کے احکامات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

ملک محمد حسن

سب سے پہلے تو یہ بات غور سے سن لیں کہ میں یہ اپنی داستان اپنی تعریف یا شہرت کے لیے نہیں سنا رہا ہوں بلکہ اس کا مقصد اللہ کی رضا، اس کے شکر اور اس کی ہی تعریف ہے، جو ہم سب کا خالق و مالک ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ ''The Journey of a thousand miles has to start with the first step'' ہزار میل کا سفر اپنے پہلے چھوٹے سے قدم سے شروع ہوتا ہے۔ میرا کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ کر دین اسلام میں داخل ہونا اس طویل مسافت کا پہلا قدم ہے۔

میرا اسلامی نام ملک محمد حسن ہے۔ یہ نام میں نے اسلام قبول کرنے کے بعد اختیار کیا۔ نہ جانے کیوں یہ نام مجھے بہت پسند ہے۔ جب میں جونیئر ہائی اسکول میں تھا اس وقت میرا اسلام سے مختصر سا تعارف ہوا اور یہ تعارف ایلکس ہیلے (Alex Haley) کی کتاب Roots کے ذریعہ ہوا تھا۔ اس کتاب کے ذریعہ مسلمانوں کا بھی تعارف ہوا۔ اس کتاب نے مجھے اللہ سے متعارف کیا تھا۔ اس کتاب کے مطالعے سے پہلے میں نے لفظ ''اللہ'' نہ پڑھا تھا اور نہ ہی سنا تھا۔ پھر اس کے بعد نیشن آف اسلام سے متعارف ہوا اور خاص طور پر میلکم ایکس (Malcolm X) کی شخصیت سے جو پہلے نیشن آف اسلام سے وابستہ تھے پھر حج کی سعادت حاصل کرنے کے بعد ان کی شخصیت میں کس طرح تبدیلی آئی اور وہ مسلمانوں کے عالمی دھارے میں شامل ہو گئے اور نیشن آف اسلام کے باطل نظریات سے تائب ہو گئے۔

میں میلکم ایکس کی شخصیت سے بڑا متاثر ہوا۔

میری نظر شروع ہی سے بڑی کمزور تھی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مزید کمزور ہوتی گئی اور آخر کار میں مکمل طور پر نابینا ہوگیا۔ کتابیں پڑھنا میرے لئے نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن ہوگیا۔ میں نے بریل (Braille) کی تعلیم حاصل کی۔ اگرچہ اب میں بریل پڑھ سکتا تھا مگر میرے دل چسپی کے موضوعات اور خاص طور پر اسلام سے متعلق کتب تو بریل میں موجود ہی نہ تھیں۔ حتیٰ کہ بریل کا ترجمہ قرآن بھی مجھے بہت بعد میں حاصل ہوا۔ یہ مجھے معلوم ہے اسلام سے متعلق کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ غیر مسلم مصنفین کا ہے جو ہمیشہ اسلام اور مسلمان کے منفی اور تاریک پہلو ہی پیش کرتے ہیں۔ سمعی مواد کافی میسر آگیا تو میں مختلف اسکالرز کی تقاریر اور ان کے لیکچرز سنتا رہتا۔ لیکن اس وقت میرا اپنے شہر ہیلے فیکس میں کسی بھی مسلمان سے تعارف نہ تھا بلکہ مجھے اس وقت تک اپنے شہر میں کسی مسجد، اسلامک سینٹر یا مسلم تنظیم کا بھی علم نہ تھا۔ میں نابینا افراد کی انجمن کا ایک فعال رکن تھا۔ ایک دن مجھے نابیناؤں کی ایک تنظیم کی طرف سے فون موصول ہوا۔ جس میں انہوں نے مجھے بتایا کہ سارے کینیڈا سے نوجوان نابیناؤں کے لئے مختلف پروگرام ہو رہے ہیں اور مجھے ان پروگراموں میں شرکت کرنی ہے۔ میں نے ضروری کاغذی کارروائی مکمل کر کے اس دفتر میں بھجوادی۔ میں نے ایک موقع پر اپنی روانگی ملتوی کردی تھی مگر پھر کسی غیر محسوس قوت نے مجھے جانے کے لئے آمادہ کرلیا۔

۳۰ جون/۱۹۹۶ء کو میں نوا اسکوٹیا کے مقام سے ٹورانٹو کے لئے بذریعہ جہاز روانہ ہوا۔ یہ میرا بحیثیت غیر مسلم آخری سفر تھا۔ یہ تو مجھے بھی معلوم نہ تھا کہ کاتبِ تقدیر نے میرے لئے کیا لکھ رکھا تھا۔ میں ٹورانٹو پہنچ گیا۔ ہر چیز ہر بات معمول کے مطابق تھی۔ یہاں میرا دوسرا ہی دن تھا جب میرے ہزار میل کے سفر کی شروعات ہوئیں۔ میں یہاں اتوار کے دن پہنچا لیکن دوسرے ہی دن میری ملاقات ایک ایسی شخصیت سے ہوئی جو میرے لئے رحمت کا فرشتہ ثابت ہوئی۔ میری ملاقات رضوانہ بہن سے ہوئی وہ مسلمان خاتون تھیں۔ ان کے ساتھ تعارف ہوا اور گفتگو شروع ہوگئی۔ مجھے رضوانہ نام بہت اچھا لگا۔ میں نے اس کے معنی پوچھے اور یہ بھی پوچھا کہ یہ کس زبان کا لفظ ہے۔ انہوں نے بتایا کہ یہ عربی زبان کا لفظ ہے۔ میں نے ان کو اسلام

کے بارے میں اپنی معلومات سے آگاہ کرنا شروع کر دیا۔ میری ساری معلومات جلد ہی اختتام پذیر ہو گئیں۔ اب انہوں نے مجھے اسلام کے بارے میں بتانا شروع کر دیا۔ میں اسلام کے بارے میں رضوانہ بہن کی باتیں سن رہا تھا اور میں اس وقت کے کئی اہم اور ضروری سیشن میں بھی حاضری نہ دے سکا۔ ہوا یوں کہ رضوانہ بہن نے تین چار دن مسلسل اسلام کے بارے میں تمام ضروری معلومات فراہم کر دیں اور میرا ذہن ایسا تیار ہوا کہ میں نے چار دن کے بعد ہی اسلام قبول کر لیا۔ اسی دن سے میری زندگی میں انقلاب آ گیا۔ اب میں ہر چیز کو اسلامی نقطہ نظر سے دیکھنے اور پرکھنے لگا۔ اب میں خود کو دنیا کے ۱ء۲ بلین مسلمان بھائیوں اور بہنوں کا بھائی سمجھتا ہوں اور میں اس رشتے پر فخر کرتا ہوں جو مجھے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ کر حاصل ہوا۔

مجھے رضوانہ بہن نے مختلف اسکالرز کی سو سے زیادہ سمعی کیسٹس مہیا کی ہیں۔ نماز کا طریقہ، قرآن سیکھنے کا طریقہ سب کچھ ان میں ہے۔ میں ہر دن خود کو پچھلے دن سے بہتر بنانے کی کوشش کرتا ہوں۔ الحمد للہ اب میں نماز میں قرآن مجید عربی میں پڑھ سکتا ہوں۔ قرآن مجید کو پڑھنے کا اور سمجھنے کا کچھ الگ ہی سرور ہے۔ اب میں عربی زبان سیکھنے کی منصوبہ بندی کر رہا ہوں۔

یہ میری مختصر سی داستان تھی۔ میری اس داستان میں جو کچھ بھی بہترین حصہ ہے وہ اللہ کی عنایت ہے اور اگر کوئی غلط بات ہے تو اس کا قصوروار اور ذمہ دار میں ہوں۔ مجھے ایک طویل حدیث کا یہ حصہ بہت خوب صورت لگتا ہے۔

تم اللہ کی عبادت ایسے کرو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو اگر نہیں تو یہ سمجھ لو
کہ وہ تو تم کو دیکھ ہی رہا ہے۔

رینڈ ررا

میں عیسائی کیتھولک گھرانے میں پیدا ہوا اور پلا بڑھا۔ میرے والد کا تعلق ایسے خاندان سے تھا جس کے اکثر افراد پادری تھے جب کہ میری ماں کے خون میں طبقۂ اشرافیہ والا خون دوڑ رہا تھا۔ ہم پانچ بہن بھائی ہیں۔ میں صرف ایک بھائی ہوں باقی چار بہنیں ہیں۔ میں اپنے گھر میں سب سے چھوٹا تھا۔ میری بہنوں اور میری عمر میں اتنا فرق ہے کہ مجھے یاد نہیں کہ میں بچپن میں ان کے ساتھ کھیلا یا مل کر شرارتیں کی ہوں۔ اکثر جب میں ان سے کھیلنے کی ضد کرتا تو وہ مجھے بتاتیں کہ وہ اپنے اسکول کا ہوم ورک کر رہی ہیں۔ ہمارے پڑوس میں بہت سے مسلمان خاندان رہتے تھے۔ جب میں نے اسکول اور گھر سے باہر نکلنا شروع کیا تو بہت سے مسلمان بچے میرے دوست بن گئے۔ میرے خاندان میں ہر وہ چیز جس کی اسلامی وابستگی ہوتی حقیر چیز تھی۔ ہر جمعرات کو حکومتی ٹی وی اسٹیشن سے جب تلاوت قرآن مجید شروع ہوتی ٹی وی بند کر دیا جاتا۔ میری بہنیں کیتھولک اسکول میں پڑھتی تھیں لہٰذا مجھے بھی کیتھولک اسکول میں داخل کر دیا گیا۔

میں بچپن ہی سے اپنے گھر میں اسلام کے بارے میں منفی ریمارکس سنتا چلا آ رہا تھا۔ جب میں بلوغت کی عمر کو پہنچا میری ماں نے بطور خاص تاکید کی کہ میں مسلمان بچوں سے، جو کہ درحقیقت مسائل پیدا کرنے والے ہیں، دور رہوں۔ جو کچھ غلط ہوتا اس کا الزام مسلمانوں کو دیا جاتا۔ میں پڑھائی میں عمدہ ریکارڈ کا حامل نہ تھا البتہ انگریزی میں میں بہت اچھا تھا اور اس میں

اچھے نمبر آتے تھے۔ میں عیسائی مذہب وعقائد کے متعلق اپنے ماں باپ سے بہت سے سوالات کرتا تھا اور عیسائی مذہب وعقائد کی کتب بھی پڑھتا رہتا تھا۔ دوران مطالعہ عیسائی مذہب کا تضاد بھی میرے سامنے آتا تھا نیز میرا دل یہ کہتا تھا کہ یہ وہ باتیں نہیں ہیں جو میں سیکھنا چاہتا ہوں بہر حال مطالعہ پھر بھی جاری رہا۔ میں عیسائیت کا جتنا گہرا مطالعہ کرتا گیا۔ اس مذہب پر سے میرا اعتقاد اٹھتا ہی چلا گیا، میں جب اپنے والدین یا رشتہ داروں سے ان حقائق کو جاننے کے بارے میں معلوم کرتا تو وہ مجھے خاموش کرانے کی کوشش کرتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میں عیسائیت سے دور ہوتا گیا اور اپنے مسلمان دوستوں سے قریب ہوتا گیا۔ حالاں کہ ہم دوست مذہب کو موضوع گفتگو بہت ہی کم بناتے تھے۔

ہائی اسکول کے بعد میں کالج میں داخل ہوا یہاں بھی بہت سے مسلمان طلباء تھے۔ میں نے یہاں عیسائی طلباء کے ساتھ مذہبی سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کیا تھا۔ لیکن میری طبیعت کا اس جانب زیادہ میلان نہ ہوا اب ایک طالب علم کی حیثیت سے میں نے تلاشِ حق شروع کر دی اب میں عیسائیت کے علاوہ دیگر مذاہب کی کتابوں کا بھی مطالعہ کرتا تھا۔ پھر ایک دن مجھے اپنی زندگی کے سب سے زیادہ روحانی واقعے سے دوچار ہونا پڑا آپ بھی سنیے۔

ایک دن علی الصباح میں اچانک اٹھ کر بیٹھ گیا گویا کسی غیبی قوت نے مجھے اٹھا دیا ہو۔ میں نے دوسرے کمرے میں جا کر ہاتھ منہ اور پاؤں دھوئے اور میں اپنے کمرے میں آ کر فرش پر تشہد کی سی حالت میں بیٹھ گیا اس وقت فجر کی اذان کی آواز آرہی تھی۔ اذان کی یہ آواز میں اکثر سنتا رہتا تھا اور یہی میں نے خواب میں بھی سنی تھی۔ اور مجھ پر اس وقت ایک عجیب سی روحانی کیفیت طاری تھی۔ میں نے اپنے مسلمان دوستوں سے اس کا ذکر کیا انہوں نے مجھے ازسرِ نو اسلامی لٹریچر کے مطالعے کا مشورہ دیا۔ مشورہ بڑا صائب تھا۔ اب جب میں نے سنجیدگی سے اسلامی لٹریچر کا مطالعہ شروع کیا تو مجھے میرے گھر والوں، خاندان اور خاص طور پر اپنی ماں کی طرف سے شدید ردعمل کا سامنا کرنا پڑا۔ کیوں کہ مطالعے کے بعد میں دینِ اسلام کو قبول کرنے کے لیے تیار ہو گیا تھا۔

میری نگرانی کی جانے لگی۔ میں نے اپنے اسلام قبول کرنے کی نیت کا دوبارہ جائزہ

لیا۔ پھر ایک ایسا مرحلہ آیا کہ میرے لیے صرف دو راستے تھے کہ میں اپنے خاندان والوں کا، گھر والوں کا اور خاص طور پر اپنی ماں کا کہنا مان لوں اور دین اسلام سے ہمیشہ کے لیے قطع تعلق کر لوں یا کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ کر اللہ سے رشتہ جوڑ لوں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کر لوں۔ میں نے اللہ اور اس کے رسول کی غلامی کا راستہ اختیار کر لیا۔ ایک شام مغرب کی نماز کے بعد مسجد میں تمام نمازیوں کے سامنے میں نے کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت پڑھ کر اسلام قبول کر لیا۔ میرے کالج کے دوست بھی موجود تھے۔ یہ میرا انتخاب تھا۔

اسلام قبول کرنے کے بعد اپنے ہاتھ سے ایک تحریر بھی لکھ دی تھی جس میں میں نے یہ ذکر کر دیا تھا کہ میں دین اسلام اپنی مرضی سے اس مذہب کو حق سمجھتے ہوئے قبول کر رہا ہوں۔ کیا عجیب روحانی مسرت تھی۔

اب میری نئی زندگی شروع ہو چکی تھی۔ گھر والے شدید ناراض تھے۔ انہوں نے مجھ سے ہر قسم کا تعلق اور رابطہ ختم کر لیا۔ میں نے ایک جگہ کام کرنا بھی شروع کر دیا تھا۔ مجھ پر بڑا ہی کڑا امتحان تھا۔ میں اللہ سے استقامت کی دعائیں مانگتا تھا۔ دوسرا امتحان میری شادی کا مسئلہ تھا۔ ہمارے مسلمان خاندان میرے قبول اسلام سے خوش تو تھے مگر اپنی لڑکی سے شادی کرنے کے لیے کوئی تیار نہ تھا۔ کیا میں مرتد تھا؟

اگر میری شادی نہ بھی ہوئی تو مجھے افسوس نہیں ہوگا۔ اب میرا مرنا جینا اللہ ہی کے لیے ہے۔ جب میری ماں کا انتقال ہوا میں اس وقت بھی اس کے آخری دیدار کے لیے نہ جا سکا کیوں کہ خاندان کی طرف سے مجھ پر پابندی عائد تھی۔ میری ماں کی یہ خواہش تھی کہ میں اسلام سے برگشتہ ہو کر ہی آ سکتا ہوں۔ اور ظاہر ہے کہ میں ماں جیسی ہستی کی بھی یہ خواہش کبھی بھی پوری نہیں کر سکتا۔ اللہ مجھے دین اسلام پر ہی استقامت کے ساتھ وابستہ رکھے اور اسی حالت میں میری موت واقع ہو۔ (آمین)

عبدالحئی آدم

میری زندگی کے ابتدائی سترہ سال ان تجربات سے مختلف گزرے جن کا تجربہ عموماً ایک امریکی بچہ کرتا ہے۔ میں کیلی فورنیا کی ویسٹرن ریورسائیڈ کاؤنٹی کے ایک فارم میں پلا بڑھا۔ ہمارے پاس تقریباً دوسو کے قریب گائیں تھیں اور ہم دودھ، پنیر، مکھن اور گوشت سپلائی کرتے تھے۔

میرے والد نے جانوروں کو ذبح کرنے کے لیے چند مسلمان قصاب رکھے ہوئے تھے۔ وہ حلال گوشت سپلائی کرنے والے سپلائر تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہمارے ایک بہت بڑے خریدار اسلامک فوڈ مارٹ کے مالکان تھے جو مسلمان تھے اور ہمیں ایک بہت بڑے اور اچھے گاہک یا خریدار کے لیے یہ اہتمام کرنا پڑا تھا۔ کیوں کہ ان کے گاہکوں میں بھی پچانوے فی صد مسلمان تھے اور مسلمان جھٹکے کا گوشت نہیں کھاتے بلکہ ذبیحہ کا اہتمام کرتے ہیں۔

میرے والد ایک دہریے یا یوں کہیں کہ خدا کے وجود سے منکر کے طور پر پلے بڑھے۔ لیکن اپنے جوانی کے ایام گزارنے کے بعد وہ بہت مذہبی ہو گئے اور بائبل باقاعدگی سے پڑھتے تھے۔ میرے والد کے کیلی فورنیا میں بہت سے مسلمان دوست تھے، ان میں سے اکثر اب وہاں دوسری جگہ منتقل ہو گئے ہیں۔

میری ماں اگرچہ کیتھولک عیسائی تھی لیکن اس کو مذہب میں کوئی دل چسپی نہیں تھی۔ میری اور میرے بھائی بہنوں کی زیادہ تر تعلیم ہوم اسکولنگ کے طریقے پر ہوئی ہے اور یہ آپ کو

معلوم ہوگا کہ زیادہ تر کٹر عیسائی بلکہ متعصب عیسائی گھرانے ہوم اسکولنگ کو زیادہ ترجیح دیتے ہیں۔ کیوں کہ زیادہ ہوم اسکولنگ سپورٹ گروپس بھی بنیاد پرست عیسائی ہوتے ہیں۔ اور وہ ہوم اسکولنگ کے ساتھ ساتھ عیسائی عقائد اور بائبل کی تعلیم بھی دیتے ہیں۔ یہ کام پبلک اسکولوں میں نہیں ہوسکتا۔ بائبل کی تعلیم کے بعد جب ہم دعا مانگتے تو ہم حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کر دعا مانگتے تھے۔ کبھی کبھی میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ جب خدا کا بیٹا موجود ہے تو اپنی اولاد کی موجودگی میں کوئی کسی دوسرے سے سب سے زیادہ محبت کیسے کرسکتا ہے۔ اگر خدا اپنے بیٹے سے سب سے زیادہ محبت کرتا ہے تو یہ خدا کے تصور کے منافی ہے اور اگر وہ اپنے بیٹے سے زیادہ دوسروں کی اولاد سے محبت کرتا ہے تو یہ پدری شفقت کے فطری مزاج کے منافی ہے۔ جب میں یہ باتیں سوچتا اور اپنے دوستوں سے بحث کرتا تو وہ یہ کہتے کہ تم اب عیسائی نہیں رہے ہو۔

اس دوران میری دل چسپی موسیقی میں ہوگئی۔ میں نہ صرف موسیقی کا گرویدہ ہوگیا، بلکہ میرا اوڑھنا بچھونا موسیقی ہوگیا۔ آہستہ آہستہ کئی سالوں میں میرے پاس موسیقی کے نئے پرانے اور نایاب ذخیرہ کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی۔ میں نے موسیقی اور سُر تان کے کئی کورسز بھی کرلیے۔

میرے دیگر مشاغل میں عیسائی ریڈیو اسٹیشن کی نشریات سننا بھی شامل تھا۔ میں دیگر عیسائی ریڈیو اسٹیشنز کے ساتھ خاص طور پر ''Proplrecy experts'' کی نشریات سنتا۔ میں ان نشریات میں اکثر اسلام اور مسلمانوں پر الزامات کی بارش سنتا تھا۔ میں کبھی سوچتا تھا کہ دنیا میں آخر دیگر مذاہب بھی ہیں مگر الزامات کی بارش صرف اسلام اور مسلمانوں پر ہی کیوں! میں بعد میں اپنے دادا کے پاس اورنج کاؤنٹی منتقل ہوگیا۔ یہاں میں اکثر کمپیوٹر پر بھی مختلف مضامین تلاش کرتا اور اسلام کے بارے میں کمپیوٹر سے کافی معلومات حاصل کرتا رہا۔

یہیں مجھے تفصیل سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا ایک ہے اس کا بیٹا ہے نہ بیٹی ہے۔ مسلمانوں کی مقدس کتاب کا نام ''قرآن کریم'' ہے۔ اسلام میں کسی قسم کی پاپائیت کا تصور نہیں ہے۔ اسلام نہ ہی چنیدہ یا برگزیدہ نسل یا قوم کا تصور دیتا ہے وہ سب سے

اعلیٰ اور افضل اسی کو سمجھتا ہے جو خوف خدا رکھتا اور عمل صالح کرتا ہو۔

اسلام حضرت عیسیٰ کو برگزیدہ پیغمبر سمجھتا ہے۔ وہ ہمارے لیے سولی نہیں چڑھے۔ ہر شخص کو خدا نے بااختیار بنایا ہے اور وہ خدا کے سامنے اپنے اچھے اور برے عمل کا جواب دہ ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری پیغمبر ہیں۔ میں نے قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ حاصل کیا اور اس کو پڑھنا شروع کر دیا۔ مطالعے کے دوران میرا دل گواہی دیتا جاتا تھا کہ یہی خدا کا کلام ہے۔ اگرچہ میرا مسلمانوں کے ساتھ میل جول نہ تھا۔ میڈیا اپنی نشریات میں مسلمانوں کو دہشت گرد، ظالم، سنگ دل، غیر تعلیم یافتہ، غیر مہذب بتا رہا تھا۔ میں نے قرآن مجید کا ترجمہ پڑھ کر اپنے دل کی دنیا بدل لی تھی۔ میڈیا کا منہ میں بند نہیں کر سکتا تھا۔

ایک دن میں اسلامک سوسائٹی آف اورنج کاؤنٹی کی مسجد میں گیا۔ کتب خانے کے انچارج سے میری ملاقات ہوئی۔ تعارف کے بعد میری پہلی گفتگو جو ہوئی وہ ان الفاظ پر مشتمل تھی۔ ''میں اس وقت مسلمان ہونا چاہتا ہوں'' انہوں نے مجھے لائبریری میں بٹھایا اور کلمہ شہادت پڑھایا۔ نیز مجھے قرآن مجید اور کئی اسلامی کتابیں بھی تحفتاً پیش کیں۔ دو دن کے بعد جمعہ کا دن تھا۔ جمعہ کو میں نے اپنا قبول اسلام جمعہ کی نماز کے بعد پھر دہرایا۔ مسجد نمازیوں سے بھری ہوئی تھی۔ ہر ایک نے مجھے گلے لگایا اور مبارک باد دی۔

ان چند سالوں میں میں نے قرآن مجید پڑھنا اور نماز بھی سیکھ لی ہے۔ الحمدللہ! اب تک میں ہر روز نئی باتیں سیکھتا ہوں۔ میرے دل میں استاد کا بڑا احترام ہے جنہوں نے مجھے قرآن پڑھنا سکھایا۔ میں آپ سے اور جو بھی میری داستان پڑھیں دعا کا متمنی ہوں۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

داؤد پریڈیرلی

اسلام کا داعیہ خود ہی میرے دل میں پیدا ہوا تھا۔ میں رومن کیتھولک گھرانے میں پیدا ہوا تھا لیکن مجھے شروع ہی سے مختلف تہذیبوں، ثقافتوں، مختلف علاقوں کے تمدن اور بود و باش جاننے میں دل چسپی تھی۔ روحانیت کے موضوع سے مجھے بڑی دل چسپی تھی۔ یہی روحانیت کا حوالہ تھا جو مجھے میرے خدا کے قریب لے گیا۔ کیتھولک کے مذہبی طریقے فرانسکی کے سلسلے میں بھی وابستہ رہا۔ میں دعا پر یقین نہیں رکھتا تھا میرے دوست دعا مانگتے تو میں ان کی دعاؤں کو منافقت سے تعبیر کرتا تھا۔

ایک دن میں ٹیلی وژن پر خبریں سن رہا تھا کہ اچانک نیوز کاسٹر نے اپنی توپوں کا رخ مسلمانوں کی جانب موڑ دیا۔ وہی دہشت گردی کے الزامات، عورتوں پر تشدد کی خبریں، تشدد تشدد تشدد۔ میں نے خود سے کہا کہ کیا بکواس ہے اتنا یک طرفہ پروپیگنڈا۔ میں نے اسی وقت یہ تہیہ کرلیا کہ اس مذہب کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کروں گا کہ واقعتاً یہ دہشت گردی کی تعلیم دیتا ہے یا پھر صورت حال کچھ اور ہے۔

میں نے اسلام کا مطالعہ شروع کیا تو مجھے میڈیا شیطانی چالیں نظر آنے لگا۔ کتنا یک طرفہ پروپیگنڈا تھا اوہ میرے خدا! مزید مطالعے سے مجھے روحانیت اور خدا کی موجودگی کا احساس ہونے لگا۔ میں نے قرآن مجید کے ترجمے کا نسخہ حاصل کیا اور اس کا بھی مطالعہ شروع کردیا۔ اس عظیم کتاب نے میری آنکھیں کھول دیں۔ اللہ کی رحمت کے تذکرے سے میرا دل

باغ باغ ہو گیا اور میری اس کتاب سے گہری وابستگی ہو گئی۔

کسی بھی مذہب نے حتی کہ رومن کیتھولک ازم جس کا میں پیروکار تھا مجھ پر اتنا اثر نہیں کیا تھا جتنا اس کتاب نے اور اس مذہب نے ڈالا تھا۔ اگر آپ میری بات پر یقین کریں تو مجھے کہنے دیجئے کہ میں چوبیس گھنٹے، ساتوں دن خدا کے تصور میں ہی ڈوبا رہتا۔ نماز کا طریقہ میں نے سیکھ لیا تھا۔ آخر کار میرے قدم مسجد کی طرف اٹھ ہی گئے۔ میں مسجد میں داخل ہوا۔ چند افراد بیٹھے ہوئے تھے میں نے انہیں اپنے دائرہ اسلام میں داخل ہونے کی خواہش کے متعلق بتایا۔ اور میں کلمہ شہادت پڑھ کر حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔

الحمدللہ! آج میں اپنی بساط کے مطابق تعلیمات اسلام پر عمل کرتا ہوں۔ نمازوں کی پابندی، اور تلاوت قرآن مجید باترجمہ پڑھنا میرے روزانہ کے معمولات کا حصہ ہیں۔ میرا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ اللہ کے مقرب نبی ہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری نبی ہیں اور تمام انبیاء کے سردار ہیں۔

کرسٹوفر شیلٹن

اسلام کے ساتھ میرا تعارف آٹھویں جماعت میں ہوا۔ آٹھویں جماعت میں میرے مسلمان ہم جماعت نے مجھے اسلام کے بارے میں بتایا اس وقت اس کو بھی اسلام کے بارے میں بہت زیادہ معلومات نہ تھیں۔ لیکن اس نے اسلام کے بارے میں تجسس کا ایسا داعیہ میرے دل میں ڈال دیا کہ میں اس کو کبھی نکال نہ سکا۔

ہائی اسکول میں میری جماعت میں ایک اور مسلمان تھا۔ جب اس کے ساتھ میرا تعارف ہوا تو اس نے مجھے اسلام کے بارے میں ایک پمفلٹ دیا۔ میں نے اس پمفلٹ کو بارہا پڑھا۔ دسویں جماعت تک اسلام کے بارے میں میرا مطالعہ کافی ہو چکا تھا۔ میرا ہائی اسکول کا مسلمان دوست افریقن امریکن کمیونٹی سے تعلق رکھتا تھا۔ پہلے میرا خیال یہی تھا کہ اسلام کالے لوگوں کا یا رنگ دار افراد کا مذہب ہے۔ گوروں کا مذہب عیسائیت ہے۔ لیکن مزید مطالعہ سے معلوم ہوا کہ اسلام کالے یا گورے کی تفریق نہیں کرتا اللہ کی نظر میں سب برابر ہیں۔ اور اللہ ہی سب کا خالق و مالک ہے۔

میں اپنے مطالعہ کو بڑھاتا رہا۔ جب میں گیارہویں جماعت میں تھا تو میں نے قریبی بک اسٹور سے قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ والا نسخہ خریدا اور اس کا مطالعہ شروع کر دیا۔ ترجمہ کے لحاظ سے مجھے مترجم کا کام پسند نہیں یہ ایک ہلکے معیار کا ترجمہ تھا۔ بہر حال وہ نسخہ میرے مطالعے میں رہا۔ چند ماہ کے بعد کیفیت یہ تھی کہ میں اندر سے مسلمان تھا اگرچہ ابھی تک میں نے کلمہ نہیں پڑھا تھا۔

میں نے کئی مرتبہ اپنے شہر کے اسلامک سینٹر جانے کا ارادہ کیا مگر میری ماں نے سختی

کے ساتھ منع کر دیا تھا۔ اسی دوران مجھے عبداللہ یوسف علی کا ترجمہ قرآن مل گیا۔ یہ ترجمہ انتہائی معیاری ترجمہ تھا۔ صحیح معنوں میں اسی ترجمہ قرآن نے میری آنکھیں کھول دیں۔

میری ماں میری ان باتوں کو بہت گہری نظر سے دیکھ رہی تھی اور مجھ پر مختلف جگہوں پر آنے جانے کے حوالے سے پابندی تھی۔ اس نے مجھے اسلام قبول کرنے سے سختی سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ ایک مرتبہ وہ مجھے اپنے ساتھ پادری کے پاس بھی لے گئی مگر یہ تمام کوششیں ناکام رہیں۔ اس دوران میں نے مذہب اسلام اور تاریخ اسلام پر کافی کتابیں پڑھ لی تھیں اور اسلامی عقاید کے بارے میں مجھے خاطر خواہ معلومات حاصل ہوگئی تھیں۔ مجھے ایک نماز کی کتاب بھی مل گئی تھی اور میں نے اپنے طور پر نماز بھی سیکھ لی تھی۔ اس دوران میری ماں کی جانب سے مختلف پابندیاں عائد رہیں لیکن میرا سفر بھی جاری رہا۔ میری ماں میرے باپ سے علیحدہ رہ رہی تھی۔ ایک دن میری ماں نے میرے باپ کو میری ان حرکتوں کے بارے میں بتایا اور کہا کہ وہ اب مجھے اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتی۔ میرے باپ کو میری ان حرکتوں پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ میں ہائی اسکول پاس کرتے ہی اپنے باپ کے پاس منتقل ہوگیا۔ اپنے باپ کے پاس جانے کے بعد میں نے اپنے باپ کو اسلام کے بارے میں اپنی دل چسپی کے متعلق بتا دیا۔ میرے باپ نے کہا کہ اسے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ ایک دن میں نے اس قصبہ کے اسلامک سینٹر میں فون کیا اور اپنے بارے میں بتایا۔ جن صاحب سے میری فون پر بات ہوئی انہوں نے مجھے سینٹر آنے کی دعوت دی۔ میں وہاں پہنچا تو بہت سے مسلمان بھائیوں نے مجھے گرم جوشی سے خوش آمدید کہا اور میرا خیر مقدم کیا۔ میں اسلامک سینٹر آنے جانے لگا میرے پاس اس وقت تک کوئی سواری نہیں تھی یہی مسلمان بھائی مجھے گھر چھوڑ جاتے اور گھر سے لے جاتے۔

تین ہفتے اسی طرح گزرے۔ تین ہفتوں کے بعد جمعہ کی نماز کی ادائیگی کے بعد میں نے امام صاحب کے ہاتھ پر کلمہ شہادت پڑھ کر اسلام قبول کر لیا۔ جمعہ کی نماز کی وجہ سے سینٹر کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ سب نے مجھے مبارک باد دی اس دن سے میں اپنے قصبہ کے اسلامک سینٹر کی تمام سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا ہوں اور دین سیکھنے کی طرف بھی سنجیدگی سے حصہ لیتا ہوں۔ میرا ارادہ سوشیالوجی میں ایم اے کرنے کا ہے۔

ابراہیم کارلسن

میں سویڈن میں ایک عام سے غیر مذہبی لیکن عیسائی گھرانے میں پیدا ہوا۔ خاندان کے افراد کے اور میرے ماں باپ کے آپس کے تعلقات بڑے گہرے اور نہایت خوش گوار تھے۔ زندگی کے قیمتی پچیس سال خدا کے تصور کے بغیر ہی گزار دیے۔ یہ پچیس سال مادہ پرستی سے بھرپور اور خدا کے تصور اور روحانیت کے تصور کے بغیر ہی تھے۔ ساتویں جماعت ہی سے میں یہ سوچتا تھا کہ مستقبل میں میں پیشہ ور ماہر کمپیوٹر پروگرامر بنوں گا۔ لیکن یہ میرے تصور میں بھی نہیں تھا کہ میں ایک مسلمان کی طرح زندگی بسر کروں گا۔ ہائی اسکول میں تعلیم کے دوران جب کبھی مسلمانوں کا تذکرہ آتا تو بس یہی تصور ابھرتا تھا، یہ لوگ لمبے لمبے کپڑے پہننے والے، اسکارف، پگڑیاں اور ٹوپیاں پہننے والی قوم ہیں۔ مجھے آج تک یہ بات معلوم نہ ہوسکی کہ یہ تصور میرے دل و دماغ میں کہاں سے آیا۔ ہائی اسکول میں کلاسوں کے علاوہ میرا زیادہ تر وقت لائبریری میں کتابوں، اخبارات و رسائل کے ساتھ گزرتا۔ میرے دوست مجھے بلاتکلف کتابی کیڑا کہتے تھے۔ اسکول کی لائبریری ہی میں کتابیں تلاش کرتے کرتے قرآن مجید کے ترجمے کا نسخہ میرے ہاتھ آ گیا۔ میں نے شیلف سے نکال کر پڑھنا شروع کر دیا۔ کچھ حصے پڑھنے کے بعد مجھے یہ تو یاد نہ رہا کہ میں کیا پڑھ رہا ہوں لیکن یہ ضرور یاد رہا کہ جو کچھ پڑھ رہا ہوں معقول باتیں ہیں۔

اگرچہ میں اس وقت مذہبی فرد نہیں تھا تو خدا کو اپنی کائنات میں کہیں بھی نہیں رکھ سکتا

تھا اور مجھے اس کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ میرا مطلب یہ ہے کہ کائنات کی وضاحت وتشریح کے لیے ہمارے پاس نیوٹن تو تھا پھر کسی کی کیا ضرورت۔ یہ میرے خیالات تھے۔

وقت گزرتا گیا میں نے گریجویشن کے بعد نوکری کر لی، پیسے بنائے اور علیحدہ اپارٹمنٹ لے کر رہنے لگا۔ کمپیوٹر میرا شعبہ تھا اور پر جوش غیر پیشہ ور فوٹوگرافی میرا مشغلہ تھا۔ ایک دن میں ایک پر ہجوم مقام پر اپنی فوٹوگرافی کے ماہرانہ جوہر دکھا رہا تھا اور کچھ تصویریں لے رہا تھا کہ ایک مسلم نوجوان میرے پاس آیا اس نے مجھ سے کہا کہ آپ تصاویر لے رہے ہیں لیکن خیال رہے کہ یہاں میری والدہ اور بہنیں بھی ہیں۔ آپ ان کی تصاویر نہ لیں۔ یہ کسی بھی مسلمان سے میرا پہلا رابطہ تھا۔

پھر کچھ عرصہ بعد میں نے سویڈن کی اسلامک انفارمیشن آرگنائیزیشن کو فون کیا اور ان کو رسالہ کا سالانہ چندہ دیکر اس کا خریدار بن گیا اور عبداللہ یوسف علی کے ترجمہ قرآن کا بھی آرڈر دیا۔ اور ایک اور کتاب منگوائی جس کا نام "Islam Our Faith" تھا۔

میں نے عبداللہ یوسف علی کا ترجمہ قرآن مکمل کر لیا۔ مجھے قرآنی تعلیمات نے بہت متاثر کیا لیکن میرے دل میں مذہب کے لیے کوئی جگہ کیا خدا کے لیے کوئی خانہ نہ تھا۔ ایک مرتبہ میں ایک نہایت پر فضا مقام پر، جہاں قدرتی مناظر اپنی طرف دعوتِ فکر دے رہے تھے، تصاویر بنا رہا تھا۔ تصاویر اتارنے کا بعد میری زبان سے جو لفظ نکلا "ونڈرفل" قدرت نے ان کو کیا خوب بنایا۔ سچ پوچھیں مجھے ہر طرف خدا کی خوب صورت قدرت نظر آ رہی تھی۔ میرے دل میں خدا کی موجودگی کا احساس جاگ اٹھا۔ میں اسی وارفتگی کے عالم میں بہت دیر وہیں کھڑا رہا۔ پھر گاڑی چلا کر اپنے گھر آ گیا اور رات کو میں اپنے بستر میں یہی سوچتا رہا کہ کیا واقعی خدا ہے۔ اسی دوران میں نے ایک ٹی وی چینل پر اسلام سے متعلق ایک ڈاکومنٹری فلم دیکھی۔

اسی دوران میری ملاقات شاہدہ سے ہوئی۔ یہ ایک امریکی مسلمان خاتون تھیں۔ ان سے میری ملاقاتوں کے دوران اسلام پر گفتگو ہوئی انہوں نے مجھے مسلمان کرنے کے لیے بہت زور لگایا۔ پھر یہ امریکا چلی گئیں میرا ان سے ای میل کے ذریعہ رابطہ رہتا تھا۔ میں اسلام کے بارے میں ان سے سنجیدہ اور بے تکے سوالات بھی پوچھتا تھا۔ وہ نہایت صبر وتحمل کا مجسمہ

تھیں اور مجھے نہایت تفصیل سے علمی جوابات دیتی تھیں۔ لیکن انہوں نے میرے مسلمان ہونے کی امید نہ چھوڑی۔ وہ مجھے کہتی تھیں کہ تم اپنے دل کی آواز سنو تم کو سچی راہ مل جائے گی۔ پھر ایک دن مجھے اپنے دل کی آواز سنائی دی۔

میں ایک بس میں بیٹھ کر کہیں جا رہا تھا میرے ساتھ کی نشستوں پر کچھ لوگ سو رہے تھے کچھ اونگھ رہے تھے۔ شام کا خوب صورت منظر تھا۔ سورج غروب ہو رہا تھا۔ کچھ بادل کچھ دھوپ تھی۔ گلابی اور نارنجی رنگ کا ایک حسین امتزاج تھا۔ میں نے سوچا کہ خدا ہماری زندگیوں کو کیسے کنٹرول کرتا ہے ہم روبوٹ تو نہیں ہیں۔ پھر خیال آیا کہ میں کب تک فزکس اور کیمسٹری پر یقین کرتا رہوں گا کیا مجھے خدا کی اتنی بہترین تصویر نظر نہیں آتی۔ ڈوبتے سورج جیسے حسین منظر کی تصویر خدا کے سوا اور کون بنا سکتا ہے۔

چند دن کے بعد یہ ہوا کہ جب میں صبح سو کر اٹھا تو میرے ذہن میں خیال گزرا کہ کیا میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے مجھے ایک نئی صبح ایک نیا دن عطا کیا جو کہ مواقع بھرپور ہے۔ یہ تصور میرے لیے بڑا خوش گوار تھا۔ ان تجربات کے بعد میں خدا کے وجود کا اقرار کیے بغیر نہ رہ سکا لیکن پچیس سال تک اس کے وجود کا انکار کرنے کے بعد یہ اقرار اتنا آسان بھی نہ تھا۔

اس کے بعد میں کچھ عرصہ کے لیے امریکا چلا گیا۔ میں نے امریکا میں نماز پڑھنا، قرآن مجید کا ترجمہ پڑھنا، اور خدا کی قدرت پر غور کرنا شروع کر دیا اور یہ سب اس لیے کہ میں دیکھوں کہ میرا دل کیا کہتا ہے۔ نیویارک میں میری شاہدہ سے بھی ملاقات ہوئی۔ انہوں نے میری بڑی رہنمائی کی۔ نیویارک میں ایک دن ہمت کر کے میں ایک مسجد میں داخل ہوا۔ وہاں موجود افراد نے مجھے خوش آمدید کہا اور گفتگو بھی ہوتی رہی، کچھ کتابیں بھی حاصل کیں۔ بعض مسلمان بھائیوں نے اپنے گھر کے فون نمبر بھی دیے۔ انہوں نے مجھے اپنے گھر پر بھی مدعو کیا اور میرے سوالات کے جوابات بھی دیے اور میری بہترین مہمان نوازی کی۔ پھر میں ایک دن ہمت کر کے جمعہ کی نماز میں شامل ہوا۔ امام صاحب جو کچھ پڑھ رہے تھے میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا لیکن میں روحانی لذت و مسرت سے سرشار تھا۔ خطبہ کے بعد امام صاحب نے جمعہ کی دو رکعات کی امامت کی میں لوگوں کے ساتھ جماعت میں شریک تھا۔ اور یہ پہلا موقع تھا کہ میں با

جماعت نماز ادا کر رہا تھا۔ تقریباً دو سو کے قریب خدا کے بندے اس کے حضور سر بسجود تھے۔ میرے دل و دماغ مسلمان ہو گئے تھے اور میں نے خود کو مسلمان سمجھنا شروع کر دیا تھا۔ میرے دل نے مجھ سے سوالات شروع کر دیے کیا تم مسلمان ہو جاؤ گے، کیا مسلمان ہو کر پھر صبر و استقلال کا مظاہرہ کر سکو گے؟ میرے خاندان اور دوست مجھے چھوڑ دیں گے تو پھر کیا ہوگا؟ کیا پنج وقتہ نماز پابندی سے پڑھ سکوں گا، کیا سور کا گوشت (Pork) کھانا چھوڑ دوں گا۔ کیا شراب چھوڑنی پڑے گی؟ میں نے برطانوی خواتین کی قبول اسلام کی داستانیں پڑھیں تو میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو جھلکنے لگے کیسی عظیم خواتین ہیں۔ اس جدید دور میں اسلام قبول کر کے قربانیاں دے رہی ہیں خدا کی رضا کے لیے۔ کیا میں صبر و استقلال کا مظاہرہ کرتے ہوئے قربانیاں دے سکوں گا۔

گرمیوں کی تعطیلات کا زمانہ آیا تو اس میں میں نے قبول اسلام کا مصمم ارادہ کر لیا۔ گرمیاں گزر گئیں۔ سردیوں کا موسم آ گیا دل و دماغ میں تلاطم تھا۔ ایک دن برفباری ہو رہی تھی۔ میں نے غسل کیا کپڑے پہنے اور گاڑی چلاتا ہوا سیدھا مسجد پہنچ گیا۔ مسجد میں دیگر افراد کے ساتھ چند شناسا چہرے بھی ملے۔ میں نے ظہر کی نماز باجماعت ادا کی۔ نماز کے بعد مسلمان بھائیوں کی موجودگی میں امام صاحب کے ہاتھ پر کلمہ شہادت پڑھ کر اسلام قبول کر لیا۔

یہ اللہ کا مجھ پر احسان ہے کہ میرے دوستوں نے اور خاندان کے افراد نے میرے قبولِ اسلام کا برا نہیں منایا بلکہ میرے فیصلہ کو قبول کیا۔ الحمد للہ!

میں نے تمام بری عادات کو چھوڑ کر اسلامی طرز زندگی اپنانے کا فیصلہ کر لیا ہے اور اسی کے مطابق زندگی گزارنے کی کوشش اور جدوجہد جاری ہے۔

حسن الامین

حسن الامین ورنن جانز کے علاقے میں پیدا ہوئے اور چارلسٹن کے علاقے میں ایک بیپٹسٹ گھرانے میں پلے بڑھے۔ حسن الامین نے امریکا کی معروف ییل یونیورسٹی سے گریجویشن کی انہوں نے فرانسیسی زبان وادب میں مہارت حاصل کی۔ ان کا ارادہ تھا کہ لکھاری بنیں گے۔ گریجویشن کے بعد انہوں نے اسپین، مصر اور فرانس کے سفر کیے اور پہلی مرتبہ اسلامی ثقافت وتہذیب سے آشنا ہوئے، جہاں انہوں نے قاہرہ کی گلیوں اور بازاروں میں اور مختلف علاقوں میں غربت اور تنگ دستی کے مظاہرے دیکھے، وہیں انہوں نے اپنے کانوں سے مؤذنوں کی رس گھولتی ہوئی آوازوں میں اذان اور مسلم معاشرے کا بھی قریب سے مطالعہ کیا۔

امریکا واپس آنے کے بعد حسن الامین نے وفاقی حکومت کے ایک ادارے میں ملازمت اختیار کر لی اور دسمبر ۱۹۷۲ء میں آپ نیشن آف اسلام سے وابستہ ہو گئے۔ ان کے ذہن میں یہ خیال تھا کہ عالی جاہ محمد کی قیادت وراہنمائی میں مجھے اپنی شناخت اور زندگی کا معنی و مفہوم سمجھنے میں مدد ملے گی۔ ساٹھ کی دہائی اور ستر کی دہائی کے اوائل سال امریکا کی تاریخ میں بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ شہری حقوق کی تحریک (Civil Rights Movement) افریقن امریکن شہریوں سے امتیازی سلوک کا مسئلہ، امریکا کی تاریخ کے اہم افراد، جان ایف کینیڈی، میلکم ایکس، مارٹن لوتھر کنگ جونیئر وغیرہ کا قتل جیسے واقعات نوجوان نسل کے ازالۂ

التباس کے لیے کافی تھے نئی نسل ان واقعات سے بہت متاثر ہوئی۔ اس وقت افریقن امریکن کمیونٹی کی نئی نسل کے لیے نیشن آف اسلام میں بڑی جاذبیت تھی۔

حسن الامین نے اپنی تعلیم حاصل کرنے کے لیے کبھی پچھتاوے کا شکار نہیں ہوئے اور وہ کبھی بھی کسی قسم کی احساسِ کمتری کا شکار نہیں ہوئے۔ اس کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ کالا ہونے کے باوجود ان کی تعلیم وتربیت اور نشو ونما گوروں کے اکثریتی علاقے میں ہوئی۔ نیشن آف اسلام سے وابستگی سے وہ اتنے متاثر ہوئے کہ انہوں نے وفاقی محکمہ کی ملازمت سے استعفیٰ دے دیا اور گزر اوقات کے لیے مچھلی بیچنے کا کام شروع کر دیا۔ یہ ایک ایسا تجربہ تھا جس سے وہ خوب لطف اندوز ہوئے۔

۱۹۷۵ء میں عالی جاہ محمد کا، جو کہ نیشن آف اسلام کا بانی تھا، انتقال ہوگیا۔ واضح رہے کہ عالی جاہ محمد نے اسلام کا خود ساختہ ایڈیشن پیش کرنے کی کوشش کی تھی اور وہ اسلام کے بڑے دھارے قرآن وسنت کے راستہ سے ہٹا ہوا تھا۔ اس عرصہ میں حسن الامین نے قرآن و سنت کا صحیح سمت میں مطالعہ بھی شروع کر دیا تھا۔ عالی جاہ محمد کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا وارث دین محمد نیشن آف اسلام کا قائد بنا (لیکن وارث دین محمد اپنے باپ کے عقائد سے ہٹ کر صحیح مسلک کے پیروکار ہیں۔ امریکا کی مسلم کمیونٹی اور مسلم دنیا میں ایک احترام کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں) حسن الامین نے بھی وارث دین محمد کا راستہ اختیار کیا اور با قاعدہ کلمہ شہادت پڑھ کر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔

حسن الامین کا کہنا ہے کہ عقائد اسلام پر ایمان لانا میرے لیے بڑا اطمینان بخش تجربہ تھا۔ ۱۹۷۴ء میں حسن الامین نے نیشن آف اسلام کی پیروکار خاتون سے شادی کر لی تھی۔ وہ بھی ان کے ساتھ نیشن آف اسلام کو چھوڑ کر قرآن وسنت کے راستہ پر آ گئی۔ ان کی شریک حیات نے اپنی خداداد صلاحیتوں، اپنی تعلیم اور قائدانہ صلاحیتوں کی بناء پر اپنے بچوں کی نشو ونما اور دینی تعلیم دینے اور اسلامی رنگ میں ڈھالنے میں اہم کردار ادا کیا۔ مچھلی بیچنے کے کام کے بعد انہوں نے پکوان مہیا کرنے کا سلسلہ شروع کیا لیکن بالآخر وہ دوبارہ وفاقی محکمہ میں شامل ہو گئے۔

حسن الامین کی سرکاری ذمہ داریوں میں عوام کو مدنی حقوق کی فراہمی کی نگرانی کرنا بھی تھا۔ کسی زمانے میں حسن الامین کا ارادہ قانون کی ڈگری حاصل کرنے کا تھا۔ انہوں نے میری لینڈ یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا قانون کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۸۹ء میں بار کا امتحان پاس کرنے کے بعد حسن الامین جز وقتی وکالت بھی کرنے لگے۔ بالآخر انہوں نے سرکاری ملازمت چھوڑ دی اور کل وقتی وکالت اور قانون کے شعبہ سے وابستہ ہوگئے۔ ۱۹۹۷ء میں تحویلِ اطفال کے کئی کیسوں کی صورت حال میدان جنگ جیسی ہوگئی یہ کیس حسن الامین نے جیتے اور ان سے ان کو کافی شہرت ملی۔ حسن الامین نے مسلمان بچوں کو ان کے مسلم والدین کی تحویل میں دینے کے لیے بڑی جد وجہد کی اور اپنی ماہرانہ صلاحیتیں بروئے کار لائے اور ان میں کامیابی حاصل کی۔ اسلامی طرز زندگی حسن الامین کی پیشہ ورانہ زندگی میں ایک اہم کردار ادا کر رہی تھی۔ حسن الامین کہتے ہیں اللہ عادل ہے غفور الرحیم ہے۔ ہمیں بھی عدل، عفو و درگزر اور رحم سے کام لینا چاہیے۔

جولائی ۲۰۰۰ء میں حسن الامین کو پرنس جارج کاؤنٹی میں ڈسٹرکٹ کورٹ جج مقرر کیا گیا۔ وہ اپنی اس حیثیت کا احترام کرنا جانتے ہیں اور اس مقام تک پہنچنے کے لیے انہوں نے بڑی قربانیاں دی ہیں۔ وہ اپنی ریاست کے پہلے مسلمان جج ہیں۔ حسن الامین اپنے حقوق و فرائض سے پوری طرح آگاہ ہیں اور وہ مسلم کمیونٹی کے اہم فرد کی حیثیت سے بھی خود کو مسلم کمیونٹی کا خادم سمجھتے ہیں۔ ایک جج اور ایک اچھے مسلمان ہونے کی حیثیت سے لوگوں کو انصاف دلانا میرے فرائض منصبی میں شامل ہے۔ میں نیکی کا پرچار چاہتا ہوں۔ اسلام کے ساتھ میری گہری وابستگی میری جج کی حیثیت غیر جانب دارانہ حیثیت میں اضافہ کرتی ہے۔ میں ہر روز عدالت کی کرسی پر بیٹھنے سے پہلے یہ دعا ضرور مانگتا ہوں اے اللہ! مجھ سے مظلوم کو انصاف دلوانا اور ظالم کو اس کے انجام تک پہنچانا۔

مسلم کمیونٹی میرے انتخاب پر فخر کرتی ہے میری دعا ہے کہ میں حق و انصاف کے ساتھ اپنے مسلمان بھائیوں کی توقعات اور اسلامی پیمانہ پر پورا اتر سکوں۔

لوکاس گمبینو

میں ایک پیشہ ورانہ اور کاروباری امور کے مسائل کا ماہر وکیل ہوں۔ میں اپنے شعبے کی اخلاقیات پر سختی سے عمل کرنے والا ہوں۔ بعض وکلاء جو اپنے مؤکل کے کہنے پر پیسے بٹورنے کی غرض سے مقدمہ کرتے ہیں میں ان مقدمات کو نہیں لیتا حالاں کہ اکثر اوقات یہ بڑے منافع بخش اور مالی منفعت کا باعث ہوتے ہیں۔ میں کاروباری اداروں اور ان کے لین دین کے معاملات کو دیکھتا ہوں۔ یہ ایک صاف ستھرا کام ہے۔ میں خرید وفروخت یا ٹھیکے وغیرہ پر دی گئی جائیداد کے امور بھی دیکھتا ہوں۔

میں جنوبی الباما میں پیدا ہوا اور وہیں اپنے عیسائی گھرانے میں پلا بڑھا اسلام کے بارے میں میری معلومات بہت ہی کم تھیں بلکہ نہ ہونے کے برابر تھیں۔ جب میری عمر اٹھارہ سال کی ہوئی اس وقت میرے کئی مسلمان دوست بنے اور ان کی وساطت سے مجھے اسلام کے بارے میں جاننے کا موقع ملا۔ اٹھارہ سال سے لے کر اٹھائیس کی عمر تک میں بھی اپنے دوستوں سے اسلام کے بارے میں بہت سے سوال کرتا تھا۔ مختلف اعتراضات اٹھاتا اور بحث مباحثہ کرتا ساتھ ہی جب میری اسلام کے بارے میں دل چسپی زیادہ بڑھی تو میں نے سنجیدہ مطالعہ شروع کر دیا۔ حیران کن بات یہ تھی کہ جتنا میں اسلام کے بارے میں پڑھتا جاتا تھا میری دل چسپی مزید بڑھتی جاتی تھی۔ اسی دوران میری قانون کی تعلیم بھی جاری رہی اور میں نے ایک قانون کے طالب علم کی حیثیت سے قرآن کا مطالعہ شروع کر دیا۔ قرآن مجید کے مطالعہ کے بعد

مجھے یوں محسوس ہوا کہ اس کے الفاظ آہستہ آہستہ میرے دل میں گھر کرتے جارہے ہیں۔ میں نے بھی مزاحمت نہیں کی اور اپنے مسلمان بھائیوں کی موجودگی میں ایک مسجد میں اسلام قبول کرلیا۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں اور میں بحیثیت ایک کامیاب وکیل کے یہ کہہ سکتا ہوں کہ اسلام ایک بڑا ہی خوب صورت مذہب ہے۔ نیز یہی وہ مذہب ہے جو عالمی اور علاقائی امن و سلامتی کا پیغام دیتا ہے۔ ہماری امریکی سوسائٹی میں اچھے وکلاء کی ہمیشہ سے ضرورت رہی ہے اور یہ میری مسلمان کمیونٹی کی بھی ضرورت ہے۔ اس وجہ سے نہیں کہ اگر ہم قانون شکنی کریں تو ہمیں وکیل کی ضرورت پڑے گی بلکہ کسی کاروبار کو شروع کرنے، مکان کی خرید و فروخت کے لیے، کاروباری ڈیل بنانے کے لیے بہرحال ایک ذہین اور سمجھدار وکیل کی ضرورت ہوتی ہے۔ میرے دو بچے اور بیوی ہے ہر روز صبح اپنے دفتر جانے سے پہلے نماز کے بعد قرآن مجید کی تلاوت اور ترجمہ میرا معمول ہے۔

یوسف محمد

میں ۴؍ستمبر ۱۹۹۳ء کو شام چار بج کر دس منٹ پر اپنے بچپن کے خواب کی تکمیل کے لیے اپنے شہر ایبرڈین (اسکاٹ لینڈ) سے اپنی کیمپر وین میں دنیا کے ایک حصے کا چکر لگانے کے لیے نکلا۔ میں دنیا کے مختلف ملکوں میں گھومتا پھرتا، وہاں کے لوگوں کے رسم و رواج، ثقافت، تہذیب و تمدن سے واقفیت حاصل کی۔ لوگوں کے رہن سہن کو دیکھا۔ لوگوں کا متنوع الاقسام ہونا تو میری سمجھ میں آتا تھا مگر مختلف مذاہب میں بٹا ہوا ہونا میرے لیے خلجان کا باعث تھا۔ میں اپنے اس خوابوں کے سفر کی تکمیل میں مختلف اسلامی ممالک سے بھی گزرا۔ میں مشرقی یورپ کے ممالک میں گیا، وہاں لوگوں کو دیکھا۔

پہلا اسلامی ملک جہاں میں گیا وہ ترکی تھا۔ اگرچہ میں ترکی پہلے بھی جا چکا تھا مگر استنبول نہیں گیا تھا۔ اس سفر میں میں استنبول بھی گیا۔ میرا ترکی میں تین ہفتے کا قیام تھا۔ جب میں وہاں پہنچا تو میں بہت تھکا ہوا تھا۔ میں نے آرام کیا اور اپنی وین کو کیمپ سائٹ میں چھوڑ کر شہر کو دیکھنے نکل پڑا۔ میں نے استنبول میں مساجد اور تاریخی مقامات دیکھے۔ ایک دن جمعہ کے وقت میں مسجد کی طرف جا نکلا۔ جمعہ کے اوقات میں سیاحوں کا مساجد کی طرف آنا منع تھا میرے پاس کیمرا بھی تھا۔ لوگ ہجوم در ہجوم نماز کے لیے آ رہے تھے اور مسجد پوری بھری ہوئی تھی میں صحن کے ایک نکڑ پر کھڑا سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ میں ڈر بھی رہا تھا کہ یہ لوگ مجھے منع نہ کر دیں یا پھر میرے کھڑے ہونے پر اعتراض نہ کریں۔ لیکن اتنے لوگوں میں سے کسی نے نہ تو چبھتی

ہوئی نظر سے دیکھا اور نہ ہی کوئی اعتراض کیا۔ ایک آدمی کے ساتھ میری ہیلو ہائے ہوئی اور میں نے اس سے ہاتھ بھی ملایا اور ہم نے مسکراہٹوں کا تبادلہ کیا۔

وہاں سے نکلنے کے بعد میں بازار گیا۔ مختلف دکانوں میں جھانکتا ہوا بالآخر میں ایک کتابوں کی دکان میں داخل ہو گیا۔ اتفاق سے اس دکان کا مالک وہی شخص تھا جس سے میری مسجد میں ملاقات ہوئی تھی۔ ہم پھر ملے اس کے ساتھ میری پھر ہیلو ہائے ہوئی اس نے مجھ سے کہا کہ ذرا ٹھہریں میں ابھی آتا ہوں۔ چند منٹ کے بعد وہ آیا اور ایک بیگ میں خوب صورت ترجمہ والا قرآن مجید مجھے دے کر چلا گیا۔ یہ سب کچھ اچانک ہوا وہ دکان سے باہر نکل گیا۔ یہ سب کچھ اتنا آناً فاناً ہوا کہ میں اس کا شکریہ بھی ادا نہ کر سکا۔ پھر میں مشرقی ترکی کے تاریخی مقامات، مساجد و میوزیم دیکھنے کے لیے نکل پڑا۔ ایک چیز میں نے جو یہاں محسوس کی اور تقریباً تمام اسلامی ممالک میں، وہ یہ کہ وہ جب آپ سے ملتے ہیں، گفتگو ہوتی ہے تو وہ آپ کو کھانے کی دعوت ضرور دیتے ہیں۔ ترکی میں میں لوگوں سے ملا، لوگوں نے کھانے کی دعوت بھی دی اور وہ اصرار بھی کرتے ہیں۔ بہر حال میں ترکوں کی مہمان نوازی سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ میں ان سے ان کی تاریخ، ثقافت اور مذہب کے بارے میں بھی سوال اور گفتگو کرتا۔ ایران میں بھی میرے ساتھ یہی مہمان نوازی کا سلوک ہوتا رہا۔ میں نے ایران میں اپنے قیام اور سفر کے دوران کبھی اہانت آمیز سلوک، حقارت بھری نگاہوں کا سامنا نہیں کیا۔ لوگ مجھ سے خوش اخلاقی سے ملتے، تحائف دیتے۔ بہت سے یہ کہتے کہ یورپ یا دیگر ممالک کے ساتھ حکومتی پالیسی یا اختلاف اپنی جگہ۔ تم ذاتی حیثیت میں ہمارے بھائی اور مہمان ہو۔ تمہاری مہمان نوازی اور عزت ہم پر واجب ہے کیسی مثبت سوچ تھی۔

جب میں پاکستان آیا تو کوئٹہ میں میری وین کی ونڈ اسکرین ٹوٹ گئی۔ جب میں ایک ورک شاپ میں نئی ونڈ اسکرین لگوانے گیا تو اس دکان کے مالک کے ساتھ میرا تعارف ہوا، دوستی ہو گئی۔ میں پانچ دن اس کا مہمان رہا اس نے مجھے شہر کی اور مختلف مقامات کی سیر کرائی اور تحائف سے بھی لاد دیا۔ سیر کے دوران وہ مجھے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کے واقعات سناتا رہتا۔ ترکی میں تحفہ میں دیا ہوا قرآن مجید میرے پاس تھا جس کو میں

وقتاً فوقتاً پڑھتا رہتا تھا۔ پاکستان میں میں مختلف خطوں میں گھومتا پھرتا رہا۔ میں سندھ کے صحرائی خطوں میں بھی گیا۔ یہاں میں نے سیدھے سادے لوگوں کا اپنے خالق کے ساتھ حقیقی تعلق اور رابطہ کو محسوس کیا۔ ہوا یوں کہ میں نے تھکن سے چور ہو کر اپنی وین روڈ سے نیچے اتار کر پارک کر دی تھی، شام کا وقت تھا قریب ہی مٹی کے بنے ہوئے کچھ مکانات تھے۔ میں گاڑی سے اتر کر قریبی گھر پر پہنچا اور دروازہ پر دستک دی۔ ایک بوڑھے شخص نے دروازہ کھولا اور باہر آیا تو میں نے اسے السلام علیکم کہا اس نے نرمی سے مجھے وعلیکم السلام کہا۔ میں نے اس سے درخواست کی کہ میں اپنی گاڑی اس کے گھر کے قریب پارک کر کے رات ٹھہر سکتا ہوں صبح کو میں چلا جاؤں گا۔ وہ بوڑھا شخص انگریزی تو سمجھ نہیں سکتا تھا بہر حال میں نے ہاتھ کے اشارے سے بات سمجھانے کی کوشش کی۔ وہ سمجھ گیا اور اس نے مجھے اپنا مہمان بنالیا اس نے چائے بنوائی خود بھی پی اور مجھے بھی پلائی۔ اس کا گھر کچا اور نہایت سادہ تھا۔ میں چٹائی پر سو گیا۔ گھر کی کل کائنات میں گن سکتا تھا اس میں قرآن مجید کا نسخہ بھی تھا۔ جو کہ بہت پرانا تھا۔ چائے پیتے ہی مغرب کا وقت ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ بوڑھا شخص نماز کے لیے کھڑا ہوا اور اپنے رب کے حضور سر بسجود ہو گیا۔ میں آج تک خدا کے ساتھ اس کے تعلق کو محسوس کرتا ہوں۔

پاکستان سے میں انڈیا گیا وہاں بھی تاریخی مقامات دیکھے لوگوں سے ملا۔ سکھوں کے ٹمپل، ہندوؤں کے مندر اور مسلمانوں کی مساجد دیکھیں عیسائیوں کے قدیم تاریخی چرچ بھی دیکھے۔ عجائب گھر، قلعے سب کچھ کھنگال ڈالا۔

سال بھر کی صحرا نوردی اور دنیا کے کونے کونے کی خاک چھاننے کے بعد میں واپس اپنے شہر آ پہنچا اس سارے سفر میں اسلام کا گہرا نقش میرے دل پر آ چکا تھا۔ ایک دن میں اپنے ٹاؤن کے کتب خانے میں گیا اور ایک کتاب جس کا نام The basics of Islam لے آیا۔ پھر مطالعہ اسلام میرا شب و روز کا مشغلہ بن گیا۔ میری بیوی یہ سارے حالات بغور دیکھ رہی تھی۔ کئی ماہ اسی طرح گذر گئے۔ اس دوران میں اپنے مطالعہ سے اپنی بیوی کو بھی آگاہ کرتا رہتا تھا۔

جس دن میں نے یہ فیصلہ کیا کہ میں اسلام قبول کرنے جا رہا ہوں، وہ دن میری

بیوی کے لیے قیامت کا دن تھا وہ رو رہی تھی۔ مجھے چھوڑنے کی دھمکی بھی دے رہی تھی۔ میں اس کو تو زبردستی قبول اسلام کے لیے مجبور نہیں کرسکتا تھا۔ بہر حال میں نے مقامی اسلامک سینٹر میں جا کر کلمہ شہادت پڑھ کر اسلام قبول کر لیا۔ میری بیوی نے میرے ساتھ ایک معاہدہ کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ ایک سال تک میرے ساتھ رہے گی اور اس دوران سنجیدگی سے اسلام کا مطالعہ کرے گی اور اگر یہ مذہب اس کے لیے باعثِ کشش ہے تو وہ اسلام قبول کر لے گی ورنہ وہ مجھے چھوڑ کر چلی جائے گی اور طلاق کا کیس دائر کر دے گی۔ مجھے اپنی بیوی سے محبت ہے مگر دینِ اسلام مجھے سب سے زیادہ عزیز ہے۔ میرے جو بھی مسلمان بھائی بہن میرا واقعہ پڑھیں ان سے استدعا ہے کہ وہ یہ ضرور دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اسے دین اسلام قبول کرنے کی ہدایت عطا فرمائے۔

ڈویٹ محمد عبدالقوی

''جو ذہنی تبدیلی تم نے میرے بچے میں کر دی ایسا تو میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ میں تمہاری بہت شکر گزار ہوں''

یہ الفاظ ایک ماں نے ایک کمیونٹی ورکر کو تحریر کیے جو نوجوانوں کے ساتھ اٹلانٹک سٹی نیوجرسی کے قریب پلیسنٹ ول کے علاقے میں ان کے طور طریقوں کی درستی کے لیے کام کر رہا تھا۔

یہ ماں جس شخص کے لیے احسان منداور ممنون تھی اس کا نام ڈویٹ محمد عبدالقوی تھا جو کہ ایک بیالیس سالہ ریٹائرڈ باکسر تھا جس کا اب نیا میدان بگڑے ہوئے امریکی نوجوانوں کو صحیح راستے پر لگانا تھا تاکہ وہ معاشرے کے مفید شہری ثابت ہوں۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے ڈویٹ محمد عبدالقوی کا نام ڈویٹ بریکسٹن تھا۔ وہ 1981ء اور ۱۹۸۵ء میں باکسنگ کے سابقہ عالمی لائٹ ویٹ چیمپین اور کروز ویٹ چیمپین رہ چکے ہیں۔

ڈویٹ محمد عبدالقوی نے ۱۹۷۲ء میں اسلام قبول کیا۔ ۱۹۷۲ء سے ۱۹۷۵ء تک کا عرصہ انہوں نے جیل میں گزارا اور وہیں اسلام کی حقانیت سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا۔ جیل میں ان کو قرآن مجید کے انگریزی ترجمہ کا ایک نسخہ ہاتھ آگیا تھا۔ اپنے کاموں سے فارغ ہو کر وہ قرآن مجید کا نسخہ لے کر بیٹھ جاتے اور گھنٹوں اس کا ترجمہ پڑھتے رہتے۔ عبدالقوی کہتے ہیں کہ یہی کتاب ہے جس نے مجھے راہِ ہدایت بخشی۔ میں جہاں کہیں بھی جاتا ہوں قرآن مجید

میرے ساتھ ہوتا ہے۔

عبدالقوی تین سال پہلے پروفیشنل باکسنگ سے ریٹائرڈ ہو چکے ہیں۔ اپنی یادداشتوں کو دہراتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ جنوبی افریقہ کے شہر ڈربن میں باکسنگ کے چھ مقابلوں کے لیے گیا تھا۔ جوں ہی لوگوں کو یہ بات معلوم ہوئی کہ مسلمان ہوں گویا پورا شہر اُمڈ آیا اور مقابلے کے دوران میری بے حد حوصلہ افزائی کی۔ عبدالقوی کہتے ہیں کہ مجھے باکسنگ کے دوران برداشت، تحمل، معاملہ فہمی، صحیح وقت پر صحیح قوتِ فیصلہ کے سیکھے جانے والے اسباق نئی نسل کو منتقل کرنا ہے۔ ہمارا آج کا نوجوان غصہ سے بھرا ہوا ہے۔ ہمیں اسے یہ سکھانا ہے کہ غصہ کو کنٹرول کیسے کیا جائے کیوں کہ غصہ کو کنٹرول کر کے ہمارے نوجوان دوسروں کی عزت کر سکتے ہیں اور اپنا احترام بھی برقرار رکھ سکتے ہیں۔ ڈویٹ محمد عبدالقوی کہتے ہیں کہ ہمارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تحمل، برداشت اور درگزر کا جو درس دیا ہے میں وہی درس امریکا کے پبلک اسکولوں کے طلباء کو سکھا رہا ہوں۔

میوزک کا بے تحاشا شوق، تشدد، نشہ آور ادویات، اور عورتوں کی ہتکِ عزت، گندی اور فحش زبان کا استعمال، یہ چیزیں ہماری نوجوان نسل کو برباد کر رہی ہیں۔ مذہب اسلام، اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ہمیں انتہائی اچھے انداز سے ان تمام برائیوں اور بدکاریوں سے نبرد آزما ہونے کی تعلیم دیتی ہیں۔ الحمد للہ مسلمان نوجوان اس لحاظ سے قابل تعریف ہیں کہ ان کے پاس قرآن مجید اور سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذخیرہ موجود ہے۔ بد قسمتی سے غیر مسلموں کے پاس ایسا کوئی ذخیرہ نہیں ہے۔ محمد عبدالقوی کہتے ہیں کہ

''عیسائیوں کو یہ سوچنا چاہیے اور ان کو اپنی ذہنیت تبدیل کر لینی چاہیے کہ ان کے اعمال کا کفارہ ادا ہو چکا ہے۔ نہیں ایسا نہیں ہے۔ ہر شخص اپنے اچھے اور برے عمل کا خود ذمہ دار ہے۔ اچھے عمل کی جزا اور برے عمل کی سزا اسے مل کر رہے گی۔ قرآن مجید اس سلسلے میں کس قدر خوب صورت بات کرتا ہے کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا انسان کے لیے وہی ہے جو کام اس نے خود کیا۔''

ڈویٹ محمد عبدالقوی کے اپنے دو بچے ہیں۔ ایک دس سال کا اور دوسرا بیٹا بارہ سال

نا۔ وہ کہتے ہیں میری خواہش ہے کہ میرے بچے صحیح اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر اچھے سلمان بنیں۔

ڈویٹ محمد عبدالقوی اپنی اصلاح کا سارا کریڈٹ قرآن مجید کو دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر جیل میں مجھے قرآن پاک کا نسخہ نصیب نہ ہوتا تو ہوسکتا تھا کہ میں کسی اور جرم میں پھر دوبارہ جیل پہنچ جاتا۔ اللہ کا احسان ہے کہ اس نے قرآن پاک کا نسخہ میرے ہاتھ میں تھما دیا۔ دنیا میں رونما ہونے والے عالمی حالات و واقعات پر ان کا دل کڑھتا ہے۔ لیکن وہ پورے وثوق کے ساتھ کہتے ہیں کہ اگر ہم مسلمان اس عالمی منشور (قرآن مجید) کو اپنا رہنما مان لیں تو ہم ذلت کے گڑھے سے نکل سکتے ہیں۔

یوسف اسلام

میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں آپ تمام حضرات اس سے پہلے ہی بخوبی واقف ہیں اور آپ حضرات جو کچھ پہلے سے جانتے ہیں میں صرف اس کی توثیق کرنا چاہتا ہوں۔

اللہ جل شانہ نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ذریعے ہم کو سچائی کا مذہب (The Religion of Truth) عطا فرمایا۔

بہ حیثیت بنی نوع انسان اللہ تعالیٰ نے ہم کو حواس، ضمیر اور فرائض عطا فرما کر تمام مخلوقات میں بلند درجہ عطا فرمایا۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر اپنا خلیفہ بنایا اور اب ہمارے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم اپنے فرائض کو سمجھیں اور خود کو فریب نظر سے بچا کر آخرت کی زندگی کے لیے تیار کریں۔ اگر ہم نے یہ موقع ضائع کر دیا تو یہ موقع ہمیں دوبارہ نہیں ملے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے کہ جب انسان کو حساب و کتاب کے لیے اٹھایا جائے گا وہ کہے گا:

> ''اے پروردگار! مجھے دوبارہ زندگی دے کر بھیجئے اور ایک موقع اور دیجئے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اگر میں تم کو دوبارہ بھیجوں تو تم پھر دوبارہ بھی وہی کچھ کرو گے جو پہلے کر کے آئے ہو''۔

میری ابتدائی مذہبی تعلیم و تربیت

میں ماڈرن زمانے کے ایک پر تعیش اور شو بزنس سے متعلق ایک عیسائی گھرانے میں

پیدا ہوا۔ میں جانتا ہوں کہ ہر بچہ اپنی فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ مگر اس کے ماں باپ ہی اس کو کسی بھی مذہب کے مطابق پروان چڑھاتے ہیں۔ مجھے عیسائیت کے مطابق پروان چڑھایا گیا اور اسی مذہب کے افکار سمجھائے گئے۔ مجھے یہ سکھایا گیا کہ خدا موجود ہے، مگر خدا تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ یا راستہ نہیں ہے سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے۔

مجھے یہ بتایا گیا کہ عیسیٰؑ خدا کا دروازہ ہیں، میں نے ان تمام تعلیمات کو قبول تو کرلیا تھا مگر میں اسے ہضم نہیں کر پایا تھا۔ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مجسموں کو دیکھتا تھا اور سوچتا تھا کہ یہ تو پتھر ہیں ان میں زندگی تو نہیں اور جب میں سنتا کہ تین خدا ہیں یا تین سے زائد ہیں تو میں حیران و پریشان ہو جاتا تھا۔ لیکن کبھی بحث مباحثہ نہیں کرتا تھا اور کبھی میں اس پر یقین کرلیتا کیونکہ میں اپنے والدین کے عقیدے کی عزت بھی کرتا تھا۔

پاپ اسٹار:

پھر آہستہ آہستہ یوں ہوا کہ میں مذہبی تعلیم و تربیت سے بالکل ہی بیگانہ ہو گیا۔ میں نے موسیقی میں دلچسپی لینا شروع کر دی۔ میں موسیقی کی دنیا کا بڑا اسٹار بننا چاہتا تھا۔ پھر میڈیا اور فلموں نے مجھے جکڑ لیا اور میں نے سوچا کہ یہی میرے خدا ہیں، میری زندگی کا مقصد صرف اور صرف زیادہ سے زیادہ پیسہ بنانا تھا۔ میرے چچا کے پاس ایک نہایت مہنگی اور خوب صورت کار تھی اور ان کے پاس بے تحاشا پیسہ تھا۔ ان کی زندگی کا مقصد بھی پیسہ ہی تھا۔ میرے اردگرد رہنے والے ہمہ وقت پیسوں کے متعلق سوچ بچار کرتے تھے اور ان کی دنیا ان کا فلمی ماحول ان کا خدا تھا۔

میں نے بھی تہیہ کرلیا تھا کہ یہی میری دنیا ہے۔ خوب پیسہ بناؤ اور شاندار زندگی بسر کرو۔ میرا تعلق موسیقی کی دنیا سے تھا اور پاپ اسٹارز کی زندگیاں اور مثالیں میرے پیش نظر تھیں۔ میں نے موسیقی کی دھنیں بنانا، گانے لکھنا اور گانا شروع کر دیا۔ مگر ایک بات بتاتا چلوں کہ میرے دل کی گہرائیوں میں انسانیت کے لیے کچھ کرنے کا جذبہ بھی موجود تھا۔ یہ احساس کہ جب میں خوب امیر ہو جاؤں گا تو ضرورت مندوں کی مدد بھی کروں گا۔ ساری دنیا میں میرا نام پہنچ گیا۔ حالاں کہ ابھی میں نوجوان ہی تھا۔ میرا نام میری تصاویر میڈیا میں جگہ لینے لگیں۔

میڈیا نے مجھے میری حیات سے زیادہ بڑا بنا دیا کیونکہ میں اپنی حیات سے زیادہ بڑا بننا چاہتا تھا۔ پھر میں شراب اور نشہ میں مدہوش ہو کر رہ گیا۔

ہسپتال میں

اسی عرصے میں میں نے مالی آسودگی حاصل کی اور نہایت عیش و عشرت سے بھرپور زندگی گزاری۔ پھر اچانک میں شدید بیمار پڑ گیا۔ مرض کے طور پر ٹی بی تشخیص ہوئی اور میں ہسپتال میں داخل کرا دیا گیا۔ یہ وہ موقع تھا کہ جب میں نے سوچنا شروع کیا کہ میں کون ہوں؟ اور مجھے کیا ہو گیا ہے؟ کیا میں صرف ایک جسم ہوں اور میری زندگی کا مقصد صرف اس جسم کی بدنی ضروریات کو ہی پورا کرنا ہے؟

میں نے یہ محسوس کیا کہ یہ تکلیف (ٹی بی) میرے لیے اللہ جل شانہٗ کی ایک نعمت تھی۔ ایک موقع جس نے میری آنکھیں کھول دیں، میں یہاں ہسپتال میں کیوں آیا ہوں، میں اس بستر پر کیوں لیٹا ہوا ہوں؟ اب میں نے ان سوالات کے جوابات کی جانب سوچنا شروع کر دیا۔ یہ وہ موقع تھا کہ مجھے تصوف و عرفان کی جانب بہت دلچسپی پیدا ہوگئی اور میں نے اس موضوع پر پڑھنا شروع کر دیا۔

سب سے پہلے میں نے موت کے فلسفے سے متعلق عرفان و آگہی حاصل کی کہ روح حرکت میں رہتی ہے، یہ رکتی نہیں۔ میں نے محسوس کیا کہ میں روحانی مسرت کی شاہراہ کا مسافر ہوں اور اعلیٰ طریقہ سے اس کی تکمیل کر رہا ہوں۔ میں نے مراقبہ کرنا شروع کر دیا اور سبزی خور بن گیا۔ میرا امن اور الفاظ کی طاقت پر یقین پختہ ہوتا گیا۔ یہ میرا عمومی رجحان تھا۔ لیکن میرا پختہ نظریہ اس بات پر تھا کہ میں صرف ایک جسم نہیں ہوں، یہ احساس مجھے ہسپتال میں پیدا ہوا تھا۔ ایک دن جب میں پیدل چل رہا تھا کہ اچانک بارش شروع ہوگئی تو میں نے بارش سے بچنے کے لیے سائبان کی طرف چلنا شروع کر دیا اس وقت میں نے محسوس کیا کہ میرا بدن بارش سے بھیگ رہا ہے اور میں بارش سے متاثر ہو رہا ہوں۔ اس لمحے نے مجھے یہ کہنے پر مجبور کر دیا کہ جسم تو ایک گدھے کی مانند ہے اس کو جس طرح چاہو عادی بنا لو، اس کی تربیت کر لو ورنہ گدھا تم کو اسی رخ پر لے جائے گا جس پر

یہ جانا چاہے گا۔ اس وقت میں نے محسوس کیا کہ مجھ میں اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ تحفہ یعنی قوت ارادی موجود ہے اور ہمیں اللہ تعالیٰ کی مرضی ومنشاء کے آگے سرنگوں ہو جانا چاہیے۔ میں اس نئی اصلاح (Terminology) یعنی (Will of God) سے مسحور ہو گیا۔ ان دنوں میں مشرقی ادیان کا مطالعہ کرر ہا تھا اور عیسائیت سے بیزار آ چکا تھا۔ میں نے دوبارہ موسیقی کا سلسلہ شروع کر دیا اور اس میں اپنے افکار وخیالات کی عکاسی کرنے لگا۔ میں اپنے گانے کے چند بول آپ کو سنانا چاہتا ہوں جس سے اس زمانے میں میرے افکار وخیالات کی نشاندہی ہو جاتی ہے۔ وہ کچھ اس طرح ہے:

> I wish in knew, Wish in knew what makes the heaven, what makes the hell. Do I get to know you in my bed or some dusty cell while others reach the big hotel?

یہ وہ وقت تھا کہ جب میں اپنا راستہ متعین کرر ہا تھا۔ میں نے ایک مشہور گانا لکھا جس کا عنوان "The way to find God out" تھا۔ میں اس وقت موسیقی کی دنیا میں بام عروج پر تھا اور اس دنیا کے نوجوان میرے دیوانے تھے۔ مگر میرے لیے یہ وقت بڑا پر مشقت اور پر آشوب تھا، کیونکہ میں دن بدن شہرت اور دولت حاصل کرر ہا تھا اور ساتھ ساتھ اخلاص اور حق وسچائی کے راستے کا متلاشی بھی تھا۔ آخر کار میں اس نتیجے پر پہنچا کہ بدھ مت (Buddhism) سچا اور برتر مذہب ہے۔ مگر میں دنیا (تیاگ دینے) چھوڑ دینے کے حق میں بھی نہیں تھا۔ کیونکہ میں شو برنس کے ساتھ اتنا وابستہ تھا کہ خود کو سوسائٹی سے الگ تھلگ نہیں کر سکتا تھا اور نہ ہی راہب یا تارک الدنیا بن سکتا تھا۔ میں نے زین، چنگ، علم الاعداد اور علم نجوم سب کو آزمایا، میں نے دوبارہ پلٹ کر بائبل میں تلاش شروع کی مگر کچھ نہ ملا۔

اس مرحلے تک مجھے اسلام کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔ پھر گویا میرے ساتھ ایک معجزہ ہو گیا میرا بھائی یروشلم (اسرائیل) کے دورہ پر گیا وہاں مختلف جگہوں پر گھومنے پھرنے کے علاوہ مسجد اقصیٰ بیت المقدس بھی گیا۔ وہ مسجد اقصیٰ کے ماحول اور عبادات سے بے حد متاثر ہوا اور مسجد میں اس نے سکون، امن اور روحانیت محسوس کی جبکہ گرجا گھر اور سینیگاگ اس قسم کی

روحانیت سے خالی تھے۔

قرآن مجید:

جب میرا بھائی لندن واپس آیا تو ترجمہ والا قرآن مجید بھی اپنے ساتھ لایا۔ وہ قرآن مجید اس نے مجھے دے دیا۔ میرا بھائی مسلمان نہیں تھا مگر وہ یہ ضرور محسوس کرتا تھا کہ اس مذہب اسلام میں ضرور کوئی خصوصیت ہے۔ اس نے ترجمہ والا قرآن مجید اس لیے مجھے دیا کہ وہ خاص چیز میں تلاش کروں۔ جب میں نے اس کتاب ہدایت کا مطالعہ کیا گویا ہر بات مجھ پر واضح ہوتی چلی گئی۔ میں کون ہوں؟ زندگی کا مقصد کیا ہے؟ حقیقت کیا ہے؟ ہم کہاں سے آئے ہیں؟ کیوں آئے ہیں اور کہاں جانا ہے؟

میں نے محسوس کیا کہ یہی سچا مذہب ہے۔ مذہب اسلام ایسا مذہب نہیں ہے جیسا کہ مغربی دنیا نے اسے سمجھا ہے اور نہ یہ مذہب زمانہ قدیم (Old Age) کا ہے۔ مغرب میں جو اس سچے اور فطری مذہب اسلام کو قبول کرتا ہے اس کو متشدد اور انتہا پسند سمجھا جاتا ہے۔ میں نہ انتہا پسند تھا اور نہ متعصب و متشدد۔ میں پہلے جسم اور روح کے مسئلے پر پریشان تھا پھر یہ عقدہ کھلا کہ جسم اور روح الگ تھلک نہیں ہیں اور کسی کو مذہبی عقیدہ رکھنے کے لیے پہاڑوں میں بسیرا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس میں تو اللہ جل شانہٗ کی مرضی و منشاء کے آگے خود کو سرنگوں کرنا ہے۔

اگر ہم ایسا کریں تو فرشتوں سے بھی ارفع ہو سکتے ہیں۔ میرے لیے سب سے پہلا کام یہی تھا کہ میں اسلام قبول کرلوں۔ مجھے یقین ہوگیا کہ ہر چیز اللہ کی ملکیت ہے۔ وہ اللہ جس پر غنودگی کی کیفیت بھی طاری نہیں ہوتی اور میں نے سوچا کہ میرا اس مرحلے تک پہنچ جانا ہی میری اصل عظمت ہے۔

میں نے یہ جان لیا کہ میں خود تو پیدا نہیں ہوا ہوں اور نہ یہ افکار خود پیدا ہوئے ہیں۔ اب یہ میرے اندر کی پکار تھی کہ میں اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ تعلیمات کو اپنا لوں، پھر میں نے اپنے عقیدہ کی دریافت شروع کی۔ میں نے محسوس کیا کہ میں تو مسلم ہوں۔ قرآن مجید کے مطالعے سے مجھے یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام پیغمبروں کو اسی پیغام حق کے ساتھ بھیجا تھا۔ پھر یہ عیسائی اور

یہودی الگ کیوں ہیں؟

پھر مجھے معلوم ہوگیا کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بحیثیت مسیح کیوں قبول نہیں کیا اور انہوں نے کتاب میں سے الفاظ تبدیل کردیے۔ اسی طرح عیسائی کہ جنہوں نے خدا کا لفظ نہ سمجھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہنے لگے۔ قرآن مجید کی یہ خوبصورتی اور اعجاز ہے کہ وہ آپ کو غور وفکر کی دعوت دیتا ہے اور بہترین فیصلہ اور عمدہ شعور عطا کرتا ہے اور یہ بتاتا ہے کہ چاند اور سورج کی پوجا نہ کرو بلکہ جس نے ان کی تخلیق کی ہے صرف اس کی عبادت کرو، قرآن مجید بنی نوع انسان کو دعوت دیتا ہے کہ چاند اور سورج اور کائنات کی ہر تخلیق پر غور کریں کیا کبھی آپ نے سوچا کہ سورج چاند سے کتنا مختلف ہے اور اس کا زمین سے کتنا فاصلہ ہے۔ وہ ہمیں ایک سائز کے کیوں نظر آتے ہیں۔ بعض اوقات وہ ایک دوسرے کے اوپر آجاتے ہیں۔

جب خلانورد خلا میں جاتے ہیں اور زمین کا حقیر سا سائز دیکھتے اور خلا کی وسعتوں کا نظارہ کرتے ہیں تو وہ بہت مذہبی ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ اللہ جل شانہ کی نشانیاں اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔

جب میں قرآن مجید پڑھتا ہوں، یہ عبادات، نیکیوں، صدقات وخیرات کے متعلق گفتگو کرتا ہے۔ میں اب تک غیر مسلم ہی تھا کہ میں نے محسوس کیا کہ میرے سوالات کا جواب صرف قرآن مجید ہے اور اللہ نے اسے میری ہدایت کے لیے نازل کیا؟ اور میں نے اسے ایک راز کی طرح مخفی رکھا ہوا ہے۔ لیکن قرآن مختلف سطح پر گفتگو کرتا ہے۔ میں نے قرآن مجید کو ایک خاص سطح سے سمجھنا شروع کیا۔ وہ خاص سطح یہ تھی کہ جہاں قرآن مجید یہ کہتا ہے کہ اے ایمان والو! غیر مومن کو اپنا دوست نہ بناؤ اور مومنین بھائی بھائی ہیں۔ اس مرحلے پر میں نے سوچا کہ مجھے اپنے مسلمان بھائیوں سے ملاقات کرنا چاہیے۔

قبول اسلام:

پھر میں نے یروشلم (اسرائیل) کے سفر کا ارادہ کیا جہاں میرا بھائی سفر کر چکا تھا۔ اس سفر کے دوران میں مسجد اقصیٰ گیا اور مسجد میں جا کر بیٹھ گیا۔ ایک شخص میرے پاس آیا اور مجھ سے

پوچھا کہ میں کیا چاہتا ہوں۔ میں نے اس کو بتایا کہ میں مسلمان ہوں، پھر اس نے میرا نام پوچھا، میں اس کو اپنا نام اسٹیون بتایا۔ میرا نام سن کر وہ شخص پریشان ہوگیا۔ پھر میں نے باجماعت نماز ادا کی۔ اگرچہ میں اچھی طرح ادا نہیں کرسکا۔ پھر میں لندن واپس آگیا اور میری ملاقات ایک مسلمان خاتون جن کا نام نفیسہ تھا سے ہوئی۔ میں نے ان کو بتایا کہ میں اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں۔ تو انہوں نے نیوریجنٹ مسجد (New Regent Mosque) کی جانب میری رہنمائی کی۔ یہ ۱۹۷۷ء کی بات ہے اور قرآن مجید کا نسخہ حاصل کرنے کے ڈیڑھ سال بعد کی بات ہے۔ اب مجھ کو اس بات کا احساس ہو چکا تھا کہ مجھے اپنے غرور وتکبر اور اپنے اندر کے ابلیس (شیطان) کو دور کرنا چاہیے اور صحیح سمت چلنا چاہیے۔ پھر ایک جمعہ کے دن نماز کے بعد میں امام صاحب کے پاس گیا اور ان کے ہاتھ پر کلمہ شہادت پڑھ کر اسلام قبول کرلیا۔ میں ایک ایسا شخص تھا کہ شہرت اور قسمت دونوں میرے آگے ہاتھ باندھے کھڑی تھی۔ لیکن اللہ کے فضل سے میں راہِ ہدایت پا چکا تھا۔ قطع نظر اس کے کہ میں نے کس قدر کوشش کی یہاں تک مجھے قرآن مجید کا نسخہ مل گیا تھا۔ اسلام کے قبول کرنے کے بعد مجھے اللہ جل شانہٗ سے اپنا تعلق محسوس ہوتا تھا جو کہ میرے خیال میں عیسائیت یا کسی اور مذہب کے پیروکار کو نہیں ہوسکتا ہے۔ ایک مرتبہ ایک ہندو عورت نے مجھے بتایا کہ تم ہندومت کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔ اس نے کہا کہ ہم بھی ایک ہی خدا کی پوجا کرتے ہیں۔ ہم ان بتوں کو اپنی توجہ اور خیالات کو مجتمع کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

اس خاتون نے جو کچھ کہا اس کا خلاصہ یہ تھا کہ چیزیں خدا تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں۔ مذہب اسلام ایسا مذہب ہے کہ وہ اللہ اور بندے کے درمیان کسی قسم کی رکاوٹ نہیں لگاتا۔

کتنی پیاری حدیث ہے کہ مؤمن اور غیر مؤمن کے درمیان فرق کرنے والی چیز نماز ہے۔ نماز اصلاح اور تزکیہ کا عمل ہے۔

آخر میں میں یہ بتاتے ہوئے خوشی محسوس کررہا ہوں کہ میری یہ کوشش ہوتی ہے کہ ہر کام اللہ کی رضا کے لیے کروں اور میں دعا کرتا ہوں کہ آپ میرے تجربات سے کچھ وجدان حاصل کرلیں۔ میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ قبول اسلام سے پہلے میرا کسی مسلمان سے رابطہ یا تعلق نہیں ہوا تھا۔

میں نے قرآن مجید کا مطالعہ شروع کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ کوئی چیز مکمل نہیں ہے سوائے اسلام کے۔ اسلام ایک مکمل دین، مکمل ضابطۂ حیات ہے۔

اگر ہم اپنے پیغمبر سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کریں گے تو دنیا و آخرت دونوں جگہ کامیاب ہو جائیں گے۔

اے اللہ ہمیں توفیق عطا فرما کہ ہم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے پر چلیں۔ آمین

جرمین لجوانے جیکسن

(محمد عبدالعزیز)

جرمین لجوانے جیکسن (Jermaine Lajuane Jackson) ۱۱ دسمبر ۱۹۵۴ء کو امریکا کی انڈیانا اسٹیٹ کے شہر گرے میں پیدا ہوئے۔ ان کا تعلق افریقن امریکن گھرانے سے ہے۔ ان کی ماں کا نام کیتھرائن جیکسن اور باپ کا نام جوزف تھا۔ جرمین جیکسن معروف پاپ اسٹارز مائیکل جیکسن اور جینیٹ جیکسن کے بھائی ہیں۔ موسیقی کی دنیا میں ان کا نام بھی اپنے بھائی اور بہن کی طرح عالم گیر شہرت رکھتا ہے۔ مائیکل جیکسن اور جینیٹ جیکسن اب بھی ناچ گانے کے شیطانی دھندے سے وابستہ ہیں جب کہ جرمین جیکسن، یوسف اسلام (کیٹ اسٹیون) کی طرح اپنے عروج کے زمانے میں ہی پاپ کی دنیا چھوڑ چکے ہیں۔

ہادی عالم رسول اکرم ﷺ کا ارشاد پاک ہے:

من یرد الله به خیرا یفقه فی الدین

''اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں، اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتے ہیں''۔

جرمین جیکسن نے کافی عرصہ پہلے اسلام قبول کیا، اب وہ دینِ اسلام کے سپاہی اور خاموش مبلغ کی حیثیت سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ عمومی طور پر اخبار اور ذرائع ابلاغ سے دور

رہتے ہیں۔ ایک معروف انگریزی ہفت روزہ کے مسلمان صحافی سے ان کی گفتگو ہوئی، اس گفتگو کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے، جس میں جرمین جیکسن بتاتے ہیں کہ انہیں دینِ اسلام کی دولت کس طرح حاصل ہوئی۔

جرمین جیکسن کہتے ہیں:

''مذہب اسلام رنگ ونسل، قبیلہ، علاقائیت سے ماورا مذہب ہے، جو کہ ایک منفرد فضیلت کا حامل ہے۔ اسی لیے جب کوئی فرد اسلام قبول کرتا ہے اور مذہب اسلام کو قریب سے دیکھتا ہے تو وہ روحانی طور پر ایک گونہ سکون واطمینان اور فخر وانبساط کی کیفیت محسوس کرتا ہے، اگر چہ اپنے آباؤ اجداد کے مذہب کو چھوڑنا ایک بڑا کٹھن مرحلہ اور مشکل فیصلہ ہوتا ہے لیکن اسلام کی آفاقی تعلیمات، اس کی وسعت نظری اس انسان کو اس انتخاب میں مدد کرتی ہیں۔ اس زمانے میں اسلام دنیا کے سب سے بڑے مذہب کے طور پر سامنے آیا ہے۔ رسوائے زمانہ پاپ سنگر مائیکل جیکسن کے بھائی جرمین جیکسن ان ہدایت یافتہ افراد میں سے ایک ہیں جنہوں نے اپنے آباؤ اجداد کے مذہب کو چھوڑ کر اور مذہب اسلام کی حقانیت وصداقت سے متاثر ہو کر اس مذہب کو اپنا لیا۔ جرمین جیکسن نے اپنا اسلامی نام محمد عبد العزیز رکھا ہے، وہ لاس اینجلس کے مضافاتی علاقے میں ایک بہت آرام دہ اور خوب صورت مکان میں رہتے ہیں۔ محمد عبد العزیز کے اس مکان کو چاروں طرف سے خوب صورت پھول دار پودوں اور سرسبز وشاداب درختوں نے گھیر رکھا ہے، یہ وہی جگہ ہے جہاں جرمین جیکسن اپنی بہن جینیٹ جیکسن کے ساتھ موسیقی اور گانوں کی دھنیں ترتیب دیتے تھے۔ اب وہاں سے اذان کی آواز، تلاوتِ قرآن مجید کی آواز اور دنیا کے معروف قراء کی تلاوت قرآن مجید کی آوازیں آتی ہیں۔ پندرہ سے زائد سیکورٹی کی گاڑیاں محافظوں کے ہمراہ چوبیس گھنٹے اس گھر کی نگرانی کرتی ہیں۔ یہ علاقہ دنیا کے مہنگے ترین علاقوں میں سے ایک ہے۔ اب محمد عبد العزیز کے ان اظہار خیال کا خلاصہ پیش کیا جارہا ہے جس میں انہوں نے اپنے قبول اسلام اور دینِ اسلام کے ساتھ اپنے والہانہ لگاؤ اور عقیدت کا اظہار کیا ہے۔

سوال: آپ نے اسلام کی طرف آنے کا فیصلہ کب اور کیسے کیا؟

جواب: یہ ۱۹۸۹ء کی بات ہے جب میں نے اور میری بہن نے مشرق وسطیٰ کے بعض ممالک کا دورہ کیا۔ بحرین میں ہمارے قیام کے دوران بھی ہمارا شاندار استقبال ہوا اور ہمیں پر جوش طریقے سے خوش آمدید کہا گیا وہاں بچوں کے ایک گروپ سے بھی ہماری ملاقات ہوئی، بچوں نے نہایت معصومیت اور بھولپن سے باتیں کیں اور وہ ہم لوگوں سے مختلف سوالات بھی پوچھتے رہے۔ اسی دوران ایک چھوٹے سے معصوم بچے نے مجھ سے میرے مذہب کے بارے میں سوال کیا۔ میں نے ان کو بتایا کہ عیسائی ہوں۔ پھر میں نے ان بچوں سے ان کے مذہب کے بارے میں سوال کیا کہ تم کس مذہب سے تعلق رکھتے ہو۔ تمام بچوں نے بیک آواز جواب دیا ''اسلام''۔ سچی بات تو یہ ہے کہ ان کے پر جوش اور بیک آواز جواب نے مجھے جھنجھوڑ دیا پھر ان معصوم بچوں نے مجھے اسلام کے بارے میں بتانا شروع کر دیا۔ گفتگو کے دوران ان کی آواز کا جوش اور ردھم یہ بتا رہا تھا کہ مذہب اسلام کے ساتھ وابستگی ان کے لیے وجہ افتخار ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں سے میرا اسلام کی جانب سفر کا آغاز ہوا۔ میرا ان مسلمان بچوں کے ساتھ ملنا پھر ان کے ساتھ گفتگو کرنا اور ان کا معصومانہ انداز میں دین اسلام کے بارے میں بتانا اور اسلام کے ساتھ وابستگی کا فخر کے ساتھ اظہار کرنا یہ سب وہ باتیں تھیں، جن کی وجہ سے میں بعض مسلم اسکالرز اور علما سے ملنے اور دین اسلام کے بارے میں جاننے پر مجبور ہوا اور میں نے نہایت اشتیاق اور متجسسانہ انداز میں دین کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ وقت گزرتا گیا پھر یوں ہوا کہ میں اپنے اندر کے جذبات و احساسات کو لاکھ چھپانے کے باوجود بھی نہ چھپا سکا اور پھر یہ کہ جو بات میں نے دل کی گہرائیوں کے ساتھ قبول کر لی تھی میں اس کو کیسے چھپا سکتا تھا۔ سو میں کلمۂ شہادت اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمد عبدہ ورسولہ پڑھ کر حلقۂ بگوش اسلام ہو گیا۔ ابتدأ میں نے اپنے اسلام قبول کر لینے کو چھپایا پھر میں نے اپنے خاندانی دوست قنبر علی سے اس کا تذکرہ کیا، یہی برادر قنبر علی مجھے سب سے پہلے سعودی عرب لے کر گیا۔ اس وقت تک میں اسلام کے بارے میں بہت زیادہ نہیں جانتا تھا اور اس ضمن میں میری معلومات محدود تھیں لیکن یہ بات مجھے اچھی طرح معلوم تھی کہ سچائی اور ہدایت کا راستہ یہی ہے کوئی اور نہیں۔ وہاں جا کر میں نے ایک سعودی فیملی کے ساتھ کچھ وقت گزارا، انہی لوگوں

کے ساتھ میں مکہ مکرمہ گیا جہاں میں نے عمرہ ادا کیا۔ مدینہ منورہ بھی گیا اور مکہ مکرمہ ہی میں، میں نے پہلی مرتبہ اپنے قبول اسلام کا باقاعدہ اعلان کر دیا۔

سوال: جب آپ نے قبول اسلام کا اعلان کیا تو اس وقت آپ کے کیا احساسات تھے؟

جواب: اسلام قبول کرتے وقت اور کلمہ شہادت پڑھتے وقت مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ گویا یہ میری دوسری پیدائش ہے۔ اسلام میں، میں نے ان تمام سوالات کے جوابات پا لیے تھے عیسائیت جن کا جواب دینے سے یکسر قاصر تھی۔ اسلام وہ واحد مذہب ہے جس نے مجھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے متعلق اطمینان بخش جواب دیا، کیوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کبھی بھی دیگر مذاہب کے جواب سے مطمئن نہیں ہوا تھا۔ قرآن مجید حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا خوب صورت نظریہ پیش کرتا ہے۔ مذہب کے بارے میں میرے اندر کے سارے شکوک وشبہات اسلام ہی نے دور کیے، میں خدائے بزرگ و برتر سے دعا کرتا ہوں کہ میرے خاندان کے دیگر افراد بھی اس سچائی اور حقیقت کو پہچانیں اور اسلام کی حقانیت کو تسلیم کر لیں میرے خاندان کے افراد عیسائیت کی پرستشانہ رسومات (Cult of Christianity) کے پیروکار ہیں جو کہ دنیا بھر میں (Jehova's Witnessess) کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ان کے عقائد کے مطابق صرف ایک لاکھ چوالیس ہزار افراد ہی جنت میں جانے کے اہل ہوں گے۔ ایسا کیوں؟ یہ عقیدہ ہمیشہ مجھے الجھن میں ڈالتا رہا۔ مجھے اس بات پر بھی بڑی حیرت ہوتی تھی بائبل کو کئی افراد نے مدون کیا حتیٰ کہ کنگ جیمز کی بائبل (King James Bible) ایسے افراد کے ذریعے لکھوائی، مدون کروائی اور ترجمہ کروائی گئی جن کو کنگ جیمز نے اسپانسر کیا تھا، مجھے ان لوگوں پر بڑا تعجب ہوتا تھا کہ جنہوں نے بائبل کو تصنیف و تدوین کیا اور خدا کی طرف منسوب کر دیا اور خدائے بزرگ و برتر کی طرف سے دیئے گئے احکامات کو یکسر نظر انداز کر دیا۔ ان ہی دنوں سعودی عرب میں مجھے اسلامی تعلیمات پر مبنی یوسف اسلام (سابق Cat Stevens) کے کیسٹ سننے کا بھی موقع ملا ان سے بھی میری معلومات میں کافی اضافہ ہوا۔

سوال: جب آپ مسلمان کی حیثیت سے امریکا واپس لوٹے تو وہاں کیا ردعمل ہوا؟

جواب: میں نے ہمیشہ یہ دیکھا کہ امریکی ذرائع ابلاغ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈا کرنے میں مصروف ہیں، امریکی میڈیا نے میرے خلاف بھی مذموم پروپیگنڈا شروع کر دیا جس کی وجہ سے مجھے ذہنی طور پر بڑی اذیت اور صدمے سے دوچار ہونا پڑا۔ ہالی وڈ ایک ایسی جگہ ہے جو مسلمانوں پر تہمت طرازی کرنے اور ان کو بدنام کرنے پر ہمہ وقت تیار رہتی ہے اور وہ مسلمانوں کو دہشت گرد کے طور پر پیش کرتے ہیں جب کہ قرآن مجید حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بحیثیت نبی کیا خوب صورت تصور پیش کرتا ہے۔ عیسائی دنیا کو اس خوب صورت تصور کو دیکھنا چاہیے، میں حیران ہوتا ہوں کہ امریکا مسلمانوں کے خلاف الزامات کی بارش کیوں کرتا ہے۔ یہ باتیں مجھے افسردہ کر دیتی ہیں، میں ذہنی طور پر اب اس بات کے لیے تیار ہو گیا ہوں کہ میں امریکی میڈیا کو مسلمانوں اور اسلام کے خلاف الزام تراشی اور بہتان بازی سے روکنے کے لیے اپنی بہترین صلاحتیں استعمال کروں۔ مجھے اس بات کا اتنا اندازہ نہیں تھا کہ امریکی ذرائع ابلاغ میرے قبول اسلام کی خبر کو اتنی آسانی سے ہضم نہیں کر پائیں گے اور اتنا شور وغل اور واویلا مچائیں گے۔ آزادی اظہار (Freedom of Speech) کا نعرہ لگا کر میرے خلاف میڈیا میں طوفان بدتمیزی مچایا گیا۔ لیکن میرے آزادئ مذہب (Freedom of Religion) کے حق کو جرم بنا دیا گیا۔ اس طرح امریکی سوسائٹی کی منافقت کھل کر سامنے آ گئی۔ اسلام نے میرے بہت سے پیچیدہ مسائل کی گتھیاں سلجھا دی ہیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد ہی میں نے خود کو حقیقی معنیٰ میں انسان سمجھا اور وہ تمام باتیں اور چیزیں یکسر چھوڑ دیں جن کی مذہب اسلام میں ممانعت ہے۔ میرے اس عمل نے میرے خاندان کے لیے بھی مشکلات پیدا کر دیں، وہ بھی ابھی میرے اس فیصلے کو قبول نہیں کر پائے۔ مجھے دھمکیاں ملیں اور دھمکی آمیز خطوط آئے۔

سوال: کس قسم کی دھمکیاں؟

جواب: مجھے کہا گیا کہ میں امریکی معاشرے اور امریکی ثقافت میں بغض وعداوت کو پروان چڑھا رہا ہوں، یہ بھی کہا گیا کہ میں نے اسلام میں داخل ہو کر خود کو دوسروں سے الگ

تھلگ کرلیا۔ مجھے یہ دھمکی بھی دی گئی کہ وہ امریکا میں میری زندگی کو نا قابلِ برداشت بنا دیں گے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ میرے خاندان کے افراد وسیع النظری کا ثبوت دیں گے۔ میرے والد کی تعلیم یہی تھی کہ تمام مذاہب کا احترام کیا جائے، اسی بنا پر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ جیکسن فیملی کے افراد میرے قبول اسلام کو تسلیم کرلیں گے۔

سوال: آپ کے اسلام قبول کرنے پر آپ کے بھائی مائیکل جیکسن کا کیا ردعمل تھا؟

جواب: امریکا واپس لوٹتے وقت میں سعودی عرب سے بڑی تعداد میں اسلامی کتابیں لایا تھا۔ یہ کتابیں اسلامی تعلیمات، تاریخ اسلام، اسلامی تہذیب وتمدن، اسلامی عقائد جیسے موضوعات پر مشتمل ہیں، میں نے یہ کتابیں اپنے بھائی مائیکل جیکسن کو بھی دکھائیں، اس نے اپنے مطالعے کے لیے خود کافی کتابیں منتخب کیں، اس مطالعے کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کو ان مستند کتب سے براہِ راست استفادہ کا موقع ملا، ورنہ اس سے پہلے وہ بھی اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں امریکی ذرائع ابلاغ کے گھناؤنے پروپیگنڈے کا شکار تھا، اگرچہ مائیکل جیکسن مسلمانوں سے کوئی مخاصمت نہیں رکھتا تھا، تاہم وہ ان کے بارے میں مثبت سوچ بھی نہیں رکھتا تھا۔ میں یہ بات وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اسلامی کتب کے مطالعے کے نتیجے میں اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں اس کا ذہن مکمل مثبت سوچ کا حامل ہوگیا ہے یہ اسی تبدیلی کا نتیجہ ہے کہ اس کا ذہن مسلمان بزنس مین کے ساتھ تجارتی تعلقات پر آمادہ ہوا۔ اب اس کے مسلم دنیا اور مسلمان شخصیات کے ساتھ اچھے گہرے اور ذاتی روابط ہیں۔ وہ سعودی ارب پتی شہزادے ولید بن طلال کی ملٹی نیشنل کمپنی میں مساوی شیئر ہولڈر پارٹنر ہے۔

سوال: جیسا کہ آپ نے پہلے بتایا کہ مائیکل جیکسن مسلمانوں کے بارے میں مثبت سوچ نہیں رکھتا تھا لیکن پھر یہ افواہ بھی پھیلی کہ مائیکل جیکسن نے اسلام قبول کرلیا ہے اصل حقیقت کیا ہے؟

جواب: پہلی بات تو یہ کہ میرے علم میں کوئی ایسی بات یا بیان نہیں ہے کہ جس کی بنا پر یہ کہا جاسکے کہ مائیکل جیکسن اسلام یا مسلم مخالف جذبات رکھتا ہے دراصل یہ بھی مائیکل جیکسن مخالف کیمپ کا پروپیگنڈا ہے، جب امریکی ذرائع ابلاغ نے میرے اسلام قبول کرنے پر اتنا

واویلا مچایا اور میرے خلاف اتنا پروپیگنڈا کیا تو یہ مائیکل جیکسن کو کیسے بخش سکتے ہیں، مائیکل جیکسن کی اسلام سے قربت اور اسلام کا مطالعہ سب پر ظاہر ہو چکا ہے اور اس کو بھی اسی وجہ سے دھمکیاں مل رہی ہیں، لیکن کون جانتا ہے کہ کل کیا ہو جائے، ہدایت تو اس خدائے بزرگ و برتر کے ہاتھ میں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ مائیکل جیکسن اسلام قبول کر لے، آپ بھی دعا کریں۔

سوال: آپ کے قبول اسلام پر خاندان کے دیگر افراد کا کیا ردعمل تھا؟

جواب: جب میں امریکا واپس لوٹا تو میری ماں، میرے آنے سے پہلے ہی میرے تبدیلی مذہب کی خبر ٹیلی ویژن پر سن چکی تھی اور اخبارات نے بھی شہ سرخیاں لگائی تھیں۔ میری ماں ایک مذہبی اور مہذب خاتون ہیں، جب میں گھر پہنچا تو انہوں نے مجھ سے صرف ایک ہی سوال کیا ''کیا تم نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ اچانک ہی کر لیا تھا یا بہت سوچ بچار اور غور و فکر کے بعد یہ فیصلہ کیا تھا''۔ میرا جواب تھا ''ماں! میں نے یہ فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کیا تھا''۔ یہاں مجھے یہ بات کہنے دیجئے کہ ہمارا گھرانا ایک مذہبی گھرانا ہے، ہمیں جو کچھ عطا ہوا یہ خدائے بزرگ و برتر کی خاص عنایات ہیں پھر ہم اس کے شکر گزار بندے کیوں نہ بنیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں سماجی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا ہوں، میں نے غریب افریقی ممالک میں بڑی تعداد میں دوائیں بھیجیں۔ بوسنیا میں لڑائی کے دوران ہمارے جہاز ان کو امدادی اشیاء پہنچاتے رہے۔ میں اور میرے خاندان کے افراد سماجی خدمات اور انسانیت کے حوالے سے بہت سنجیدہ اور حساس ہیں، کیوں کہ ہم غربت کا زمانہ دیکھ چکے ہیں، ایک زمانہ تھا کہ سب افراد ایک چھوٹے سے گھر میں رہتے تھے۔

سوال: کیا آپ نے اپنی بہن پاپ اسٹار جینٹ جیکسن (Janet Jackson) کے ساتھ کبھی اسلام کے بارے میں تبادلۂ خیال کیا؟

جواب: میرا ایک اسلام قبول کر لینا میری بہن جینیٹ کے لیے بھی تعجب خیز بات تھی۔ شروع میں تو وہ پریشان تھی۔ ''تعدد ازواج'' کا مسئلہ اس کے ذہن میں اٹک گیا تھا، جب میں نے اس کو بٹھا کر تفصیل سے ''تعدد ازواج'' کے مسئلے کو بیان کیا اور موجودہ امریکی سوسائٹی سے اس کا تقابل کیا تو وہ مطمئن ہوگئی اور اس ضمن میں اس کے سارے اشکالات رفع

ہو گئے۔ دراصل مغرب میں آزادانہ اختلاط مرد و زن اور اخلاقی ذمہ داریوں سے انحراف اور زندیقیت عام ہے، شادی شدہ مرد اپنی بیوی کے علاوہ کئی کئی خواتین سے ازدواجی و جنسی تعلق رکھتے ہیں، یہ یہاں کی سوسائٹی میں عام بات ہے اور یہی اس معاشرے کی تباہی اور اخلاقی انحطاط کی اہم وجہ ہے۔ اسلام معاشرے کی حفاظت کے لیے اور اس کو ایسی آندھیوں سے بچانے کے لیے مضبوط باڑھ لگاتا ہے۔

اسلامی نقطۂ نظر سے اگر ایک مسلمان کسی خاتون سے دوسری شادی کرنا چاہتا ہے تو وہ اس کے لیے باوقار طریقہ اختیار کرتا ہے۔ ورنہ وہ پہلی بیوی کے ساتھ ہی وفادارانہ طریقے سے اکتفا کرتا ہے پھر اگر کوئی مسلمان دوسری شادی کرتا ہے تو اسلام عدل و انصاف کے تقاضوں کی تکمیل کے لیے اس پر مختلف شرائط بھی عائد کرتا ہے۔ اسی لیے ساری مسلم دنیا میں دوسری شادی والوں کا تناسب غالباً ایک فیصد یا اس سے بھی کم ہوگا۔ میری ہر غیر مسلم سے گزارش ہے کہ وہ تعصب اور مخالفت کی عینک اتار کر مذہب اسلام کا مطالعہ کرے تو شاید اس کو دنیا میں اسلام سے زیادہ عملیت پسند اور خوب صورت کوئی اور مذہب نظر نہیں آئے گا۔ شکریہ۔

جزاك الله خيراً

مارماڈیوک پکتھال

مارماڈیوک پکتھال (Marmaduke Pickthall) ۱۸۷۵ء میں لندن کے ایک عیسائی پادری ولیم پکتھال کے ہاں پیدا ہوئے۔ انہوں نے اپنی زندگی کے ابتدائی ایام سفک (Suffolk) کے دیہی علاقے میں گزارے۔ وہ علاقے کے معروف پرائیویٹ اسکول (Horrow) میں ونسٹن چرچل کے ہم عصر تھے۔ ان کو ابتداء ہی سے فوج یا فارن سروس میں جانے کا شوق تھا۔ سفک میں قیام کے فارغ دنوں میں پکتھال نے عرب دنیا اور ترکی کا بڑا جامع اور مطالعاتی دورہ کیا اور اسلام کا بڑے قریب سے مطالعہ کیا۔

۱۹۱۷ء میں مارماڈیوک پکتھال نے اسلام کی حقانیت سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا اور جلد ہی وہ برطانوی مسلم رہنما کے طور پر منظر عام پر آ گئے۔

وہ اسلامک انفارمیشن بیورو سے منسلک ہو گئے جہاں سے دیگر اشاعتی مواد کے علاوہ ہفت روزہ رسالہ Muslim Outlook بھی شائع ہوتا تھا۔

محمد مارماڈیوک پکتھال اس رسالے میں ترکی کی خلافتِ عثمانیہ کے حق اور اس کے دفاع میں مضامین لکھتے تھے۔ دراصل جس وقت پکتھال نے اسلام قبول کیا پہلی عالم گیر جنگ ختم ہو چکی تھی اور ترکی شکست کھا چکا تھا اور ترکی کی خلافتِ عثمانیہ کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ ان تمام واقعات کا پکتھال کے دل و دماغ پر گہرا اثر تھا اور وہ خلافتِ عثمانیہ کے ختم ہونے پر بڑے دل گرفتہ تھے۔ اس عرصے میں پکتھال کی تحریروں کی شہرت انگلینڈ سے نکل کر برصغیر تک پہنچ چکی

تھی۔ اسی دوران آپ ہندوستان تشریف لے گئے اور بمبئی پہنچ کر Bombay Chronicle کی ادارت سنبھال لی۔ ۱۹۲۵ء میں محمد مارماڈیوک پکتھال کو نظام آف حیدرآباد دکن کی طرف سے ایک اسکول کی پرنسپل شپ کی پیش کش ہوئی، جسے پکتھال نے فوراً قبول کرلیا اور اسکول کے پرنسپل ہوکر حیدرآباد چلے گئے۔

حیدرآباد کی اس وقت آبادی چار لاکھ نفوس پر مشتمل تھی اور پوری ریاست کی آبادی بارہ ملین افراد پر مشتمل تھی۔ حیدرآباد دکن کا حکمران خاندان مسلمان تھا، تاہم ریاست کی اکثریتی آبادی غیر مسلموں کی تھی۔

نظام دکن، میر عثمان خان ۱۹۱۱ء سے ریاست کے حکمران تھے اور وہ اسلامی وظائف اور عرب خاص طور پر یمن کے صوبہ حضر موت کے عربوں کے سرپرستِ اعلیٰ تھے۔ وہ ایک مخیّر، فیض رساں، کریم النفس اور مطلق العنان حاکم تھے۔ انہوں نے اپنی رعایا کی وفاداری کا صحیح لطف اٹھایا۔ انہوں نے مختلف اعلیٰ سرکاری ملازمین کا انتخاب نہ صرف متحدہ ہندوستان سے بلکہ غیر ممالک سے بھی کیا تھا۔ پکتھال کے الفاظ میں ''حیدرآباد تمام مسلمانوں کا دارالخلافہ تھا''۔

نظام خود بھی اردو اور فارسی کا قادرالکلام شاعر تھا، اس نے حیدرآباد کو ہندوستان کا اسلامی تہذیب وتمدن کا مرکز بنادیا تھا۔ حیدرآباد میں پکتھال نے اسلامی رواداری اور وضع داری کے نمونے کو بہت قریب سے دیکھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ پکتھال کو میر عثمان علی خان کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا اور انہوں نے بہت سے اہم ریاستی معاملات میں نظام کی مدد بھی کی۔

اسی پکتھال کو سہ ماہی Islamic Culture میگزین کا ایڈیٹر مقرر کردیا گیا جس کے سرپرست اعلیٰ خود نظام حیدرآباد تھے۔ اسلامک کلچر میگزین میں اس وقت کے بڑے بلند پایہ اسکالرز اور علماء مضامین لکھتے تھے۔ اس وقت کے نوجوان اور ابھرتے ہوئے اسکالرز جیسے ڈاکٹر حمید اللہ اور علامہ محمد اسد (سابق Leopold Weiss) بھی پکتھال کی سرپرستی میں اسلامک کلچر میں لکھتے رہے۔ حیرت انگیز طور پر مذکورہ دونوں اسکالرز اپنی علمی و تحقیقی سرگرمیوں کی بناء پر معروف ہوئے۔ بیش بہا دینی تحقیقی کاموں کے علاوہ علامہ محمد اسد نے انگریزی میں

قرآن مجید کا ترجمہ جبکہ ڈاکٹر حمید اللہ نے فرانسیسی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ کیا۔

محمد مارماڈیوک پکتھال نے اسلامی علوم وفنون اور اسلامی ورثہ کے عظیم مرکز برصغیر کو تباہی سے بچانے کے لیے بڑی انتھک خدمات سرانجام دیں جسے برطانوی سامراجی سازشیں تباہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہی تھیں، اس کی ایک جھلک ان کی تحریر Muslims in India-An Overview میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

حیدر آباد میں قیام کے دوران پکتھال نے اشاعتِ اسلام اور فروغِ دین کے لیے اپنی ذمے داریوں کو بڑی جاں فشانی اور تندہی سے پورا کیا۔ ۱۹۲۵ء میں مدراس کے مسلمانوں کی ایک کمیٹی نے پکتھال کو اسلام کے تہذیبی اور ثقافتی پہلو پر خطبات کی ایک مکمل سیریز پیش کرنے کے لیے مدعو کیا۔ Madras Lectures on Islam Committee مختلف مواقع پر بڑے بڑے علماء اور اسکالرز کو مدعو کر کے خطبات کا اہتمام کرتی تھی۔

پکتھال نے اسلامی تہذیب وتمدن اور اسلامی ثقافت وتاریخ کے حوالے سے آٹھ معرکتہ الآراء خطبات پیش کیے۔ یہ خطبات ۱۹۲۷ء میں شائع ہو چکے تھے، بعد میں پاکستان اور ہندوستان کے مختلف ناشرین بھی اس مجموعے کو Cultural Side of Islam کے نام سے چھاپتے رہے۔ پکتھال نے ان لیکچرز میں اسلام کو ایسے اصلاحی انداز میں پیش کیا ہے کہ غیر مسلم حضرات بخوبی اسلام کو سمجھ سکتے ہیں اور ان کے اعتراضات واشکالات رفع ہو سکتے ہیں۔

موجودہ حالات میں تو ان کے پانچویں لیکچر Tolerance in Islam کی اشاعت کی شدید ضرورت ہے۔

محمد مارماڈیوک پکتھال اپنے قیام ہندوستان کے دوران نہ صرف مختلف فورمز سے اسلامی موضوعات پر لیکچر کے لیے مدعو کیے جاتے بلکہ ہندوستان کی بڑی بڑی مساجد بھی خطبات جمعہ کے لیے ان کو مدعو کرتیں۔ قیام ہندوستان کے دوران انہوں نے اردو زبان بھی سیکھ لی تھی۔

پکتھال کو تحریکِ خلافت کی وجہ سے مولانا محمد علی جوہر کے ساتھ ایک خاص عقیدت تھی۔ ۱۹۲۰ء میں جب مولانا محمد علی جوہر لندن آئے تو پکتھال نے ان کا پرجوش خیر مقدم کیا

تھا۔ پھر ۱۹۲۰ء ہی میں پکتھال ''بمبئے کرانیکل'' کے ایڈیٹر بن کر ہندوستان آئے، نیز ان کے قیام حیدرآباد کے دوران بھی پکتھال کا مولانا محمد علی جوہر کے ساتھ تعلق قائم رہا۔

محمد مارماڈیوک پکتھال کے علمی کارناموں میں ایک اہم علمی کام قرآن مجید فرقان حمید کی خدمت ہے اور یہ خدمت انہوں نے ترجمۂ قرآن مجید کی شکل میں کی۔ انگریزی میں ترجمہ قرآن مجید کا خیال ان کے ذہن میں اسی وقت سے موجود تھا جب انہوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ انہوں نے یہ محسوس کرلیا تھا کہ ہر مسلمان کا یہ فرض ہے کہ قرآن مجید پڑھے، سمجھے اور اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو۔ دینی تعلیم کے حصول کے ساتھ ساتھ ہی انہوں نے ترجمہ قرآن مجید پر کام کا آغاز کردیا تھا۔ ۱۹۲۸ء میں پکتھال نے ترجمہ قرآن کے کام کو یکسوئی سے کرنے کے لیے اپنے کام سے دو سال کی چھٹی لی۔

قرآن مجید کا ترجمہ کرنے کے دوران پکتھال نے برصغیر کے علماء، یورپ میں موجود بعض مسلم زعماء اور مصر میں جامعۃ الازہر الشریف کے علماء سے مسلسل رابطہ رکھا اور ترجمہ کو درجۂ استناد تک پہنچانے کے لیے ان سے مشورے لیتے رہے اور ترجمہ قرآن مکمل کرنے کے بعد آپ مصر تشریف لے گئے جہاں آپ نے تین ماہ قیام کیا اور وہاں کے مسلم علماء سے اس ترجمۂ قرآن کی منظوری حاصل کی۔

قیام مصر کے دوران ہی بعض مسلم زعماء نے پکتھال کو یہ مشورہ دیا کہ وہ ترجمہ قرآن کی کوششوں سے باز رہیں اور علمائے مصر کو مشورہ اور منظوری میں شامل نہ کریں کیوں کہ بادشاہ کے نزدیک قرآن مجید کا کسی زبان میں بھی ترجمہ کرنا گویا گناہِ کبیرہ کے مترادف ہے اور وہ اس بات کو پسند نہیں کرتا اور علمائے ازہر کا اس معاملے میں تعاون کرنا ان علماء کے جامعہ کے ازہر سے اخراج کا اور پکتھال کے مصر سے اخراج کا سبب بن سکتا ہے، بہرحال ان زعماء نے پکتھال کے ساتھ تعاون جاری رکھا، قرآن مجید کے ساتھ پکتھال کی عقیدت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ پکتھال نے قرآن مجید از خود حفظ بھی کرلیا تھا۔ اور وہ اکثر قرآن مجید کے کلام اللہ اور معجزاتی کلام ہونے کا تذکرہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے کہا کہ مجھے اپنی مادری زبان انگریزی کا ایک پیراگراف یاد کرتے ہوئے دشواری محسوس ہوتی ہے جب کہ میں قرآن

مجید کے صفحات کے ساتھ آسانی کے ساتھ زبانی یاد کر لیتا ہوں۔ ساتھ ہی وہ اس آفاقی کتاب کو سیکھنے اور سمجھنے کی طرف بھی بہت زور دیتے۔

۱۹۳۰ء میں پکتھال کا انگریزی زبان میں ترجمہ قرآن Meaning of the Glorious Koran کے نام سے چھپ کر منظر عام پر آیا۔ بہت کم لوگوں کو یہ بات معلوم ہے کہ اس ترجمہ قرآن کی اشاعت میں نظام آف حیدر آباد دکن میر عثمان علی خان نے خصوصی دل چسپی لی تھی اور زرِ کثیر صرف کیا تھا۔

محمد مارما ڈیوک پکتھال کا یہ موقف تھا کہ قرآن مجید چوں کہ کلامِ الٰہی ہے، لہٰذا انسان کے لیے یہ محال ہے کہ وہ کلام اللہ کا ترجمہ کر سکے۔ ہاں البتہ یہ ضرور ہے کہ وہ اس کے مفہوم کے قریب پہنچ سکتا ہے۔ پکتھال کا ترجمہ قرآن مجید کسی بھی انگلش اہلِ زبان مسلمان کا پہلا انگریزی ترجمہ ہے۔

یوں تو اب تک انگریزی زبان میں کافی تراجم قرآن میسر ہیں، لیکن انگریزی بولنے اور سمجھنے والے افراد خواہ وہ دنیا کے کسی خطے میں بستے ہوں۔ محمد مارما ڈیوک پکتھال یا عبداللہ یوسف علی کے ترجمہ قرآن کو اوّلیت وفوقیت دیتے ہیں۔ اوّل الذکر ترجمے کو دنیا بھر کے مختلف ناشرین اور مسلم آرگنائزیشن چھاپتی ہیں جب کہ موخر الذکر ترجمہ مختلف ناشرین کے علاوہ "مجمع خادم الحرمين الشريفين الملك فهد لطباعة المصحف الشريف مدينه منوره" سعودی عرب سے طبع ہو کر ساری دنیا میں موجود ہے۔

محمد مارما ڈیوک پکتھال نے ان حضرات سے اتفاق نہیں کیا جو "اللہ" کا انگریزی ترجمہ "God" کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ "اللہ" خدائے بزرگ و برتر کا ذاتی نام ہے۔ اللہ ہی سارے کائنات کا خالق اور رازق ہے۔ انہوں نے اسلامی موضوعات پر انگریزی میں کام کرنے والوں سے اپیل کی کہ وہ اللہ کا ترجمہ God نہ کریں۔ یورپ اور مسلم امہ کی بڑی بڑی شخصیات نے پکتھال کو اچھے الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کیا۔

محمد مارما ڈیوک پکتھال کے انگریزی میں ترجمہ قرآن کو دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمہ کیا گیا جو کہ اس کے مقبول ہونے کی واضح دلیل ہے۔ بعض علماء کی جانب سے پکتھال کے

ترجمہ قرآن مجید پر تنقید بھی ہوئی۔ اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان نے پکتھال کے ترجمہ قرآن کا جائزہ لینے کے لیے علماء و اسکالرز کی ایک کمیٹی تشکیل دی۔ جائزہ رپورٹ میں پکتھال کے ترجمہ قرآن پر مکمل اطمینان کا اظہار کیا گیا اور اس کو قابل اعتماد قرار دیا گیا۔ بعد میں پکتھال کا ترجمہ قرآن ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد سے بھی شائع کیا گیا۔ اسلامک کلچر کے ایک اور ایڈیٹر اور معروف اسکالر علامہ محمد اسد نے بھی پکتھال کے ترجمہ قرآن پر غیر اطمینانی کیفیت کا اظہار کیا اور انہوں نے بھی انگریزی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ کیا ایک اور اسکالر پروفیسر احمد علی نے بھی اپنے انگریزی ترجمہ قرآن میں پکتھال کی بعض اغلاط کی نشان دہی کی ہے۔ واللہ اعلم۔ پکتھال ۱۹۳۵ء میں ساٹھ برس کے ہو چکے تھے۔ ۱۹۳۵ء میں حیدر آباد دکن کی ملازمت سے ریٹائرڈ ہونے کے بعد انگلینڈ واپس تشریف لے گئے اور ۱۹ رمئی ۱۹۳۶ء کو سینٹ آیوس میں ان کا انتقال ہوا اور ۲۳ رمئی کو woking کے قریب بروک وڈ، سرے کے مسلم قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ پکتھال کے انتقال کے بعد عبداللہ یوسف علی کا انگریزی ترجمہ قرآن شائع ہوا۔

مارٹن لنگز

(ابوبکر سراج الدین)

عظیم صوفی مفکر، معروف محقق بین الاقوامی شہرت یافتہ سیرت نگار مارٹن لنگز (Martin Lings) کے سانحہ ارتحال کی خبر مسلم دنیا نے نہایت مغموم ہو کر سنی۔ اسلام کے اس عظیم داعی کی رحلت سے مسلم دنیا ایک مسلم مفکر و محقق سے محروم ہو گئی۔

مشہور امریکی مفکر ایمرسن نے کہا تھا کہ جب کسی اسکالر کی موت واقع ہوتی ہے تو اس دنیا میں فی الحقیقت ایک خلا واقع ہو جاتا ہے، جس کا اثر دنیا کے سارے معاملات پر پڑتا ہے۔

مارٹن لنگز ۲۴ جنوری ۱۹۰۹ء کو برنج، لنکا شائر انگلینڈ میں پیدا ہوئے، ان کی پرورش پروٹسٹنٹ عیسائی کے طور پر ہوئی۔ انہوں نے اپنی زندگی کے کچھ ماہ و سال امریکا میں بھی گذارے جہاں ان کے والدین کام کاج کے سلسلے میں مقیم تھے۔ اس طرح ان کی ابتدائی تعلیم امریکا میں بھی ہوئی۔

انگلینڈ واپسی کے بعد انہوں نے مقامی اسکول میں داخلہ لے کر ہائی اسکول تک کی تعلیم مکمل کی، پھر انہوں نے برسٹل کے کلفٹن کالج سے گریجویشن کی انہوں آکسفورڈ یونیورسٹی کے Magdalen College سے انگریزی زبان و ادب کی تعلیم حاصل کی۔

۱۹۳۵ء میں مارٹن لنگز لتھوانیا چلے گئے جہاں وہ University of Kaunas میں Anglo saxon اور Midlle english کے استاد کی حیثیت سے اپنے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ انہوں نے یورپ کے مختلف ممالک کی مختلف جامعات میں انگریزی تاریخ وزبان وادب کے استاد کی حیثیت سے کام کیا۔

مارٹن لنگز کی زندگی میں مصر کا سفر ایک انقلاب کی حیثیت رکھتا ہے۔ ۱۹۳۹ء کے اواخر میں مارٹن نے مصر کے سفر کا ارادہ کیا۔ اس سفر کا مقصد اپنے دوست سے ملاقات تھا جو کہ قاہرہ یونیورسٹی میں استاد تھا۔ مارٹن کا یہ دوست مشہور زمانہ فرانسیسی فلسفی اور مفکر Rene Guenon (رینے گونوں) کے افکار وآراء سے بڑی دل چسپی رکھتا تھا۔

یہ فرانسیسی فلسفی رینے گینوں بعد میں فرانس سے مصر منتقل ہوگیا تو مارٹن کا یہ دوست رینے گینوں کے فکر وفن میں دلچسپی اور استغراق کی وجہ سے اس کا نائب بن گیا۔ رینے گینوں جدید تہذیب کا سب سے بڑا نقاد سمجھا جاتا ہے۔ رینے گینوں نے اپنے آفاقیت کے فلسفہ کو اسلام کے فلسفہ آفاقیت کے ساتھ منضبط کر دیا تھا۔

مصر کا سفر رینے گینوں کی زندگی میں بھی عظیم انقلاب لے کر آیا۔ انہوں نے آنکھ تو عیسائی قدامت پسند گھرانے میں کھولی تھی۔ اور اسی ماحول میں پروان چڑھے تھے لیکن فلسفہ کے گہرے اور عمیق سمندر میں غوطہ زنی کرتے کرتے وہ اسلامی تصوف تک پہنچ گئے اور اسلام کی آفاقیت اور حقانیت کو تسلیم کر کے حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ مارٹن لنگز بھی اپنے دوست کی طرح رینے گینوں سے بڑے متاثر تھے۔ ان ہی دنوں ایک حادثہ یہ ہوا کہ مارٹن لنگز کا دوست جو قاہرہ یونیورسٹی میں انگریزی کا استاد تھا اور گھڑسواری کا دلدادہ تھا ایک دن گھڑسواری کرتے ہوئے گھوڑے سے گر کر شدید زخمی ہوگیا اور جاں بر نہ ہوسکا۔ ان کے دوست کے انتقال کی وجہ سے قاہرہ یونیورسٹی میں خالی ہونے والی پوسٹ کے لیے مارٹن لنگز کو پیش کش کی گئی جسے انہوں نے قبول کرلیا۔

اللہ کی قدرت کے کیا نظارے ہیں وہ اپنے بندوں کے لیے کس کس انداز سے اور کس کس بہانے سے سامان مہیا کرتا ہے۔ لیکن یہ حضرت انسان اسے معمولی اتفاقات سے تعبیر

کرتا رہتا ہے، حالاں کہ دنیا میں اتفاق نام کی کوئی چیز نہیں ہے، تمام واقعات وحالات ایک مربوط سلسلے کی کڑی ہیں جسے اللہ جل شانہ کی ذات کنٹرول کرتی ہے۔ اپنے قاہرہ میں قیام کے دوران مارٹن لنگز نے اپنی توجہ عربی زبان وادب سیکھنے پر دی۔ رینے گینوں کی اہلیہ جو کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ خاتون تھیں، مارٹن لنگز کی عربی کی پہلی استاد بنیں۔ مارٹن لنگز ساتھ ساتھ مذہب اسلام، تاریخ اسلام اور اسلامی تصوف کا بھی مطالعہ کرتے رہے اور قاہرہ کے مختلف علماء کے ساتھ ان کے گہرے روابط تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بھی ہدایت کے دروازے کھول دیے اور وہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ اب وہ مارٹن لنگز سے ابوبکر سراج الدین بن گئے۔

انہوں نے عربی زبان میں ایسی مہارت حاصل کر لی کہ وہ اہل زبان کی طرح عربی بولنے لگے، اسلامی تصوف سے ان کو گہری دل چسپی تھی۔ رینے گینوں کی بھی اسلامی فلسفہ اور اسلامی تصوف میں بڑی گہری دل چسپی تھی ابوبکر سراج الدین گویا رینے گینوں کے روحانی شاگرد بن گئے۔ ان کا کہنا ہے کہ تصوف درحقیقت تزکیہ نفس کا نام ہے۔

۱۹۴۴ء میں مارٹن لنگز نے Lesly Smalley سے شادی کر لی ان کی رہائش گاہ اہرام مصر کے قرب وجوار میں واقع تھی جو کہ مقامی اور غیر ملکی سیاحوں کے لیے پناہ گاہ کا بھی کام کرتی تھی۔ انہوں نے ساری عمر مصر ہی میں مرنے جینے کا پروگرام بنایا تھا۔ لیکن مصر میں جمال عبدالناصر کے عرب قومیت کے نظریہ انقلاب کی بناء پر عوام میں برطانوی سامراج کے خلاف غیض وغضب کی لہر دوڑ گئی۔ اسی دوران قاہرہ یونیورسٹی کے تین برطانوی اساتذہ کو قتل کر دیا گیا۔ اسی بناء پر مصر کی سرزمین اب ابوبکر سراج الدین پر تنگ ہونے لگی۔ چناں چہ ۱۹۵۲ء میں ابوبکر سراج الدین افسردہ دل ہو کر برطانیہ واپس آ گئے۔ انگلینڈ واپسی پر کوئی کام کاج تو نہ تھا ان کی اہلیہ جو پیشہ کے اعتبار سے فزیوتھراپسٹ تھیں ایک ہسپتال سے منسلک ہو گئیں۔ ابوبکر سراج الدین نے عربی تاریخ اور زبان وادب پڑھنا شروع کیا، اور اپنی عربی کی گریجویشن مکمل کی۔

اس کے بعد ابوبکر سراج الدین نے انگلینڈ کے معروف تحقیقی ادارے اسکول آف اورینٹل اینڈ افریقن اسٹڈیز میں ریسرچ اسکالر کی حیثیت سے رجسٹریشن کروائی۔ اسی ادارے سے انہوں نے اپنی پی ایچ ڈی کی تحقیق مکمل کی، ان کا پی ایچ ڈی کا مقالہ (Thesis) الجزائر

کے معروف اور عظیم صوفی بزرگ الشیخ احمد العلوی کی شخصیت اوران کے افکار وتعلیمات پر تھا۔

۱۹۶۱ء میں ان کا یہ تحقیقی مقالہ چھپ کر منظر عام پر آیا اس تحقیقی کتاب کا نام "A sufi saint of the Twentieth century" تھا الشیخ احمد العلوی بیسویں صدی کے وہ مرد درویش تھے جنہوں نے اس خطے پر گہرے اثرات مرتب کیے۔

۱۹۵۵ء میں مارٹن لنگز "ابوبکر سراج الدین" نے برٹش میوزیم کے مشرقی علوم، نادر عربی کتب ومخطوطات کے نائب ناظر کی حیثیت سے کام شروع کیا۔ بعد میں وہ اس شعبے کے ناظم وناظر بن گئے۔ اس طرح ان کو نادر ونایاب علمی وتحقیقی کتب اور مخطوطات تک براہ راست رسائی ہوگئی۔ بعد میں انہوں نے برٹش لائبریری میں بھی اسی حیثیت سے کام کیا۔ اسی دوران ان کی ایک اور معرکتہ الآراء کتاب The quranic art of calligraphy and illumination منظر پر آئی اسی دوران ۱۹۷۶ء میں لندن میں ایک اسلامی میلہ World of Islam festival کے نام سے منعقد ہو رہا تھا۔ ابوبکر سراج الدین اس میلہ کے روح رواں تھے اوران کی کتاب محققین ومفکرین اور قرآن شناس حضرات کی توجہ کا خاص مرکز تھی۔

ابوبکر سراج الدین کے علمی وتحقیقی مقالات دنیا بھر کے اسلامک ریسرچ میگزین میں طبع ہوتے رہے۔ اورایک زمانہ ان کی تحریروں سے استفادہ کرتا رہا۔

۱۹۸۳ء میں ان کی ایک اور معرکتہ الآراء کتاب Muhammad, his life based on the earliest sources طبع ہو کر منظر عام پر آئی، ابوبکر سراج الدین کی کتابوں میں مذکورہ کتاب خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔ اس کی اشاعت کے بعد ابوبکر سراج الدین کا شمار انگریزی زبان کے معروف سیرت نگاروں میں ہونے لگا۔ ابوبکر سراج الدین نے سیرت کی اس کتاب کو جا بجا حواشی سے مزین کیا۔ عربی زبان میں مہارت، قدیم حوالہ جات تک رسائی، یہ دو ایسے اہم ذریعے تھے کہ جس نے اس کتاب کی ثقاہت پر چار چاند لگا دیئے۔

پاکستان کے سابق صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے اس کتاب پر ابوبکر سراج الدین کو خصوصی ایوارڈ سے نوازا، اور مصر کے صدر حسنی مبارک نے بھی اس کتاب کو پذیرائی بخشتے ہوئے

ایوارڈ سے نوازا۔ پچیس سے زائد زبانوں میں اسکا ترجمہ ہو چکا ہے۔

ابوبکر سراج الدین اپنے عہد کے مغربی مفکرین میں سرفہرست نظر آتے ہیں۔ وہ ایک اسکالر اور محقق ہونے کے ساتھ ساتھ عملی طور پر صوفی تھے۔ اتباعِ شریعت، سنتوں کی پیروی ان کا خاص شعار تھا۔ اور ان کا ذاتی رویہ صوفیانہ، عاجزانہ اور انکساری پر مبنی تھا۔ ان کی ساری عمر درس و تدریس اور تصانیف و تالیف میں گزری، ان کی کتابوں اور مضامین میں طرز تحریر تحقیقی ہونے کے ساتھ ساتھ ایسا دل کش اور رواں ہوتا ہے کہ قاری ان کی کتاب مکمل کئے بغیر نہیں چھوڑتا۔

تحقیق کے علاوہ ان کا ایک مشغلہ باغبانی بھی تھا۔ اپنے گھر میں وہ نت نئے پھولوں کے پودے لگاتے اور ان پر تجربات بھی کرتے۔ ان کے گھر کا Back yard متعدد انواع و اقسام کے پھولدار پودوں سے لدا ہوا نظر آتا ہے۔

مارٹن لنگز (ابوبکر سراج الدین) نے ۱۱ رمئی ۲۰۰۵ء کو چھیانوے سال کی عمر میں ویسٹ ہارم، کینٹ کاؤنٹی انگلینڈ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

۲۰۰۵ء کے اوائل میں ابوبکر سراج الدین نے مصر، دوبئ، سعودی عرب، ملائیشیا اور پاکستان کا دورہ کیا تھا۔ اور ان ممالک کے علماء اور اسکالرز سے ملاقاتیں کی تھیں ابوبکر سراج الدین اپنے انتقال سے صرف دس روز قبل ویمبلے کانفرنس سینٹر میں منعقد ہونے والی ایک سیرت کانفرنس میں ہزاروں کے اجتماع سے سیرت نبوی ﷺ کے حوالے سے خطاب کر رہے تھے۔ کسے معلوم تھا کہ دس دن بعد یہ مغربی اسلامی محقق و مصنف معروف سیرت نگار، دین اسلام کا داعی و مبلغ اور عظیم صوفی بزرگ پیوندِ خاک ہو جائے گا۔ ہائے زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے۔

ابوبکر سراج الدین۔۔۔۔آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے۔

ڈاکٹر جیکولین کوسینز

جب میں نے مذاہب کا مطالعہ شروع کیا مجھے خود بھی معلوم نہیں تھا کہ میں خود کون ہوں فی الحقیقت میرا کس مذہب سے تعلق ہے۔ اگر چہ میں عیسائی گھرانے میں پلی بڑھی لیکن عیسائیت کی تعلیمات سے میرا دل کبھی بھی مطمئن نہ تھا۔ ابتداً تو مجھے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ دنیا میں دوسرے مذاہب کا بھی وجود ہے۔ لیکن میں اس بات پر کامل یقین رکھتی تھی کہ ہمیں اپنے خالق کو تلاش کرنا چاہیے اس کی جستجو من میں رہنی چاہیے اور یہ سوچنا چاہیے کہ سطح زمین پر ہماری موجودگی کا مقصد کیا ہے۔

پھر مختلف عیسائی فرقوں اور ان کے عقائد کی بابت معلومات حاصل کرنا شروع کر دیں سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے تسلی نہیں ہوئی۔ پھر میں نے دوسرے مذاہب مثلاً یہودیت، ہندوازم، بدھ ازم وغیرہ کا مطالعہ شروع کر دیا۔

مایوسی کے بادل مجھ پر چھانے لگے۔ پھر یہ خیال میرے دل میں جگہ پکڑنے لگا کہ تمام مذاہب خرافات اور دیومالائی ہیں۔ جیسے سینتا کلاز میا ایلسٹر وغیرہ، ان تہواروں کو دیکھ کر جن میں میں پلی بڑھی تھی۔ لادینیت اور دہریت نے بھی میرے دل و دماغ میں جگہ پکڑنا شروع کر دی لیکن میں اس کے تصور سے ہی دہشت زدہ ہوگئی۔ کیوں کہ میرا یہ راسخ عقیدہ تھا کہ اگر اس کائنات کا کوئی خالق نہیں ہے تو پھر زندگی کا مقصد اور حاصل کچھ بھی تو نہیں۔ اور اگر کوئی خالق نہیں ہے تو عفت و عصمت، پاک دامنی اور باوقار و بامقصد زندگی کا تصور ہی بے معنی

ہو کر رہ جاتا ہے اس عرصے میں میں نے کٹر عیسائی طرز زندگی کو اپنا لیا۔ میرا کام تصنیف و تالیف سے متعلق تھا۔ دن کا زیادہ وقت لکھنے پڑھنے میں صرف ہوتا تھا۔ لہٰذا میں اپنے خیالات و تصورات کو دوسروں کے ساتھ موضوع گفتگو بھی نہیں بناتی تھی۔ لیکن اس کے باوجود میرے دوست اور اعزاء و اقربا مجھے یہ بات جتلانے کی کوشش میں لگے رہتے تھے کہ یہ بیسویں صدی ہے جدید سوچ اپناؤ اور دقیانوسی خیالات ترک کرو، ہر وقت کی متانت اور سنجیدگی ختم کر کے زندگی کے مزے اٹھاؤ، میں ایک اخبار کی مدیرہ اور تاریخ کی محققہ تھی۔

۱۹۸۷ء تک یہی میرا طرز زندگی رہا کہ اچانک میری زندگی میں ایک تلاطم آ گیا، اور سب کچھ بدل گیا اسی سال میرے والد کا انتقال ہو گیا۔

جاں نثاری، وفاداری اور پاکیزگی و راست بازی کچھ بھی تو کام نہ آیا کہ میں اپنے والد کی جان بچا سکتی ان کی بیماری دن بدن بڑھتی جا رہی تھی اور میں ان کے لیے کچھ بھی نہ کر سکی۔ جب وہ اس دنیا سے رخصت ہوئے تو گویا میں اس دنیا میں اکیلی رہ گئی۔ میرا دل غم و افسردگی سے بھر گیا، لیکن یہ میرے دل کے اندر کی کیفیت تھی میں نے اپنے اندر کی کیفیت کسی پر ظاہر نہ کی۔

اب میں پیچھے مڑ کر اس وقت کو یاد کرتی ہوں کتنا مشکل، صدمات سے بھرپور اور مایوسی و ناامیدی کا دور تھا۔ آہ! میں اپنی زندگی کا چکر پورا کر رہی تھی۔ شاید میں خودکشی کر لیتی۔

مذاہب کے مطالعے کے بعد یہ بات میرے علم میں تھی کہ ہر مذہب میں خودکشی حرام تھی اور یہ ایک ہیبت ناک اور ناقابل معافی گناہ تھا۔ اس رنج و کلفت کے مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے میں نے یہ سیکھا کہ یہ سب باتیں اپنے اندر معنی رکھتی ہیں۔

اب میں اپنے خالق کے سامنے (وہ جو بھی تھا) گڑگڑا کر دعا مانگتی کہ مجھے سیدھے راستے کا فہم عطا فرما دے۔ میرا مطالعہ تو مجھے اس طرف لے جا رہا تھا لیکن دل اس کو ڈھونڈ نہیں پا رہا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ میں خدائی ہدایت کے بغیر کچھ نہیں ہوں۔

ایک دن میں صبح سو کر اٹھی اور ٹیلی ویژن آن کیا۔ میرا ذہن تو ہر وقت مذہب و عقائد کی نکتہ چینی اور سوچ بچار میں الجھا ہوا ہی تھا۔ اسکرین پر ٹی وی کا معروف میزبان فل ڈونا

ہے (Phil Donahue) موجود تھا یہ ایک ٹی وی ٹاک شو کا میزبان تھا، اس کے سامنے ایک مرد اور ایک عورت بیٹھے ہوئے تھے۔ مرد غیر ملکی لہجے میں انگریزی بول رہا تھا اور اسلام اور عورتوں کے حقوق پر بات کر رہا تھا اس کے ساتھ اس کی بیوی تھی جس نے اسلام قبول کیا تھا وہ شخص جو کچھ کہہ رہا تھا مجھے اس میں کوئی دل چسپی نہیں تھی جہاں تک اس عورت کا تعلق تھا تو میں ایسی کوئی خواتین کو جانتی تھی جنہوں نے اپنے شوہروں کے مذہب کو قبول کر لیا تھا۔

میرے ذہن نے اس خیال کو بھی معقول نہیں سمجھا کہ اپنے ذاتی معاملات پر بغیر سوچے سمجھے کوئی مذہب قبول کر لیا جائے اور اپنے خالق و مالک کا صحیح ادراک بھی نہ ہو جب اس عورت نے گفتگو کا آغاز کیا تو میں نے اس کے لہجے میں ایک عجیب اعتماد یقین کا جذبہ دیکھا اور اس کی آنکھوں میں عجیب نور۔

وہ اپنے سر کو ڈھانپے نہایت باوقار انداز میں بیٹھی تھی، مجھے تو وہ بہت خوب صورت اور پاکیزہ اور معصومیت کا شاہ کار معلوم ہوتی تھی، اگر چہ میں نے اس کا جسم اور بال بھی نہیں دیکھے تھے لیکن یہ صفات اس کی آواز اور آنکھوں سے جھلک رہے تھے، وہ عملی مسلمان عورت اور اسلام کو دل سے چاہنے والی تھی۔ میں متعجبانہ انداز میں یہ سوچ رہی تھی کہ کیا مجھے مسلم معاشرہ ایک مسلم کے طور پر قبول کرے گا؟ ایسی عورت جس کی گوری رنگت، نیلی آنکھیں اور بھورے بال ہیں اگر چہ میں اسلام کے بارے میں بہت ہی کم معلومات رکھتی تھی لیکن اس عورت کی باتیں مجھے متاثر کر رہی تھیں اور اس کا جھلکتا ہوا اخلاص مجھے سننے اور نوٹس لینے پر مجبور کئے ہوئے تھا۔ جب ٹاک شو ختم ہوا تو میری یاسیت اور ٹینشن ختم ہو چکے تھے میری زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ جب میں اسلام کے بارے میں سن رہی تھی اور مجھے اس مذہب کے بارے میں کچھ معلوم نہ تھا۔ وہی مذہب جس کو چند عقائد کا مجموعہ سمجھنے کے بجائے آج بھی مکمل ضابطہ حیات سمجھتی ہوں۔

جو کچھ اس مسلم جوڑے نے ٹی وی پر بیان کیا میں وہ بہت کچھ تو یاد نہ رکھ سکی البتہ ان کے اخلاص و اعتماد اور خدائے بزرگ و برتر پر مکمل ایمان کے جذبے کو میں بھلا نہ سکی جواب میری روح میں بس چلا تھا۔ جو بات انہوں نے کی وہ قرآن مجید کے بارے میں اور یہ کہ اس

منحرف دنیا میں باوقار طرز زندگی کو کیسے اپنایا جائے نیز انہوں نے شوہر کے بیوی اور خاندان کے ساتھ وفاداری پر بھی گفتگو کی ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو اپنے مذہبی جنون کو سلیقے سے پیش کرنے کی کوشش کر رہا تھا، وہ منطقی انداز میں حقایق کے ساتھ بات کر رہے تھے، مجھے یہ باتیں بہت پسند آئیں میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ مجھے خود بھی اس بارے میں مزید معلومات حاصل کرنی چاہییں۔ اس ٹاک شو کے بعد بھی اس مسلم جوڑے کی باتیں میرے کان میں سنائی دیتی رہیں، وہ اپنے عقائد کے مطابق رہ بھی رہے تھے اور زندہ بھی تھے، مطمئن بھی تھے اور پرسکون بھی، اب میرے پاس ایک نیا لفظ موجود تھا ''اسلام'' میں امریکہ کے جنوبی علاقے میں ایک چھوٹے قصبے میں اکیلی ہی رہ رہی تھی، یہاں کی مقامی لائبریری میں اسلام پر کوئی کتاب نہ تھی۔

میں چوں کہ نیویارک میں پیدا ہوئی اور وہیں پلی بڑھی تھی اور کتب خانوں کے لیے کتابیں منگوانے کے طریقہ کار کے مراحل سے بخوبی واقف تھی اب میں نے اپنے قصبے میں مسلمانوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنا شروع کیں تو معلوم ہوا کہ قصبہ میں ایک مسلمان مرد ہے جس نے ایک ضابطہ پرست (Methodist) عیسائی عورت سے شادی کی ہوئی ہے، میں نے ان کے چرچ میں فون کیا اور ان کو بتایا کہ میں اس جوڑے سے ملنا چاہتی ہوں انہوں نے مجھے ان کے گھر کا فون نمبر دے دیا میں نے اس نیت سے اس گھر میں فون کیا کہ اس مسلم شخص سے رابطہ کر کے معلوم کروں کہ آیا اس کے پاس قرآن مجید کا کوئی نسخہ ہے یا میں ترجمہ قرآن مجید کہاں سے حاصل کر سکتی ہوں میری اس شخص سے فون پر گفتگو ہوئی اس نے مجھے قرآن مجید کا نسخہ حاصل کرنے کے بارے میں بتایا پھر میں نے ایک کتب فروش سے قرآن مجید کا پاکٹ سائز ایڈیشن نسخہ منگوالیا، جوں ہی مجھے ڈاک کے ذریعہ قرآن مجید کا نسخہ ملا میں نے پڑھنا شروع کیا اور دو دن میں مکمل کرلیا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ یہ سچی شاعری ہے نہ کہ خیالی باتیں، جوں ہی میں نے قرآن مجید مکمل کیا، مجھے محسوس ہوا کہ میں نے اسلام قبول کرلیا ہے یا اسلام نے مجھے قبول کرلیا ہے۔

میرے دل و دماغ پر قرآن مجید کا سرور سا چھا گیا تھا، اس سے پہلے مجھ پر ایسے

خیالات کبھی مسلط نہ ہوئے تھے، اب مجھے اسلامی لٹریچر پڑھنے کی دھن سوار ہوئی اچانک مجھے خیال آیا میں نے واشنگٹن ڈی سی میں واقع سعودی سفارت خانے فون کیا اور اسلامی لٹریچر کے بارے میں معلومات چاہی انہوں نے مجھے کچھ کتابیں، کتابچے اور دیگر لٹریچر بھیج دیا جو کہ ایک ہفتہ میں مجھے موصول ہوگئیں، میرا دل خوشی سے باغ باغ ہوگیا میں نے خود کو اپنے گھر قید کرلیا اور گہرائی کے ساتھ مطالعہ شروع کر دیا، دروازے بند کر دیے، ٹیلی وژن اور ٹیلی فون کے پلگ نکال دیئے، تا کہ کوئی مجھے دسٹرب نہ کر سکے۔

جس سکون سے میں نے اسلامی لٹریچر کا مطالعہ کیا مجھے یوں معلوم ہو رہا تھا کہ گویا میں جنت میں ہوں، جو کچھ میں نے مطالعہ کیا میرے فہم و ادراک نے قبول کیا۔ دینی کتابوں اور قرآن کے مطالعہ سے مجھے جو پیغام ملا۔ وہ نہ دقیانوسی اور غلط تھا اور نہ ہی پرانا تھا میرے سامنے تو ایک کائناتی پیغام تھا۔

میں نے پھر قرآن مجید کا مطالعہ شروع کیا اور آخر کار اپنے ''خالق'' کو پالیا۔ مجھے یقین ہے کہ میرا اللہ میری رہنمائی فرمائے گا اور ہر قدم جو میں اٹھاؤں گی اس میں اس کی مدد و حمایت شامل رہے گی۔

ان کتابوں میں ایک کتاب نماز کے طریقہ کی بھی تھی اب میں نے خود نماز سیکھنا شروع کر دی، اور ایک اسلامی کتابوں کے اسٹور کو نماز کی آڈیو ویڈیو کیسٹس، جائے نماز اور کچھ کتابوں کا آرڈر دے دیا، اسی دوران میں نے ایک اور ترجمہ قرآن مجید کا آرڈر بھی دیا۔ ہرے رنگ کی سنہری جلد میں مزین قرآن مجید خوب صورت عربی الفاظ جن کو اس وقت میں پڑھ نہیں سکتی تھی اور ساتھ ساتھ انگریزی ترجمہ میں نے یہ نیا ترجمہ بھی ابتدا سے شروع کر کے مکمل کیا اب تو میں خوابوں میں بھی قرآن مجید اس کا ترجمہ، مساجد اور اسلامی دنیا کو دیکھتی تھی۔

مجھے ان تمام چیزوں کو سمجھنے میں آسانی ہو رہی تھی۔

قرآن مجید کے مطالعہ سے مجھے قلبی سکون حاصل ہوا تھا۔

ایک ایسی عورت جو تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود ہمیشہ تشکیک، تردد اور مذہبی عقائد کے بارے میں بیزاری اور الجھن کا شکار تھی اب اعتماد و یقین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ذات کو معبود

برحق مان رہی تھی۔

دورانِ مطالعہ بعض باتیں میری سمجھ سے بالاتر تھیں اور بعض سوالات بھی اٹھتے تھے، لیکن میری کسی مسلمان سے واقفیت یا رابطہ نہ تھا کہ میں اپنے سوالات ان کے سامنے رکھتی اور جواب حاصل کرتی پھر مجھے ایک اسلامی رسالہ مل گیا جس کا نام Islamic Horizons تھا۔اس سے پہلے میں نے کسی اسلامی رسالے کا مطالعہ بھی نہیں کیا تھا۔

اب میں دل سے مسلمان تھی مگر میں کسی کو اپنا گواہ بنانا چاہتی تھی، میں نے اللہ کو گواہ بنا کر کلمہ شہادت پڑھ کر اسلام قبول کرلیا مگر میں جلد ہی کسی ایسے شہر میں جہاں اسلامک سینٹر ہوجا کر اس کی تجدید کروں گی، میں اب اپنا سر ڈھانپ کر باہر نکلتی ہوں اگرچہ نماز مجھے اچھی طرح یاد نہیں ہوئی مگر میں پانچ وقت نماز کی پابندی کر رہی ہوں اور سیکھ رہی ہوں، مجھے سورۂ فاتحہ زبانی یاد ہوگئی ہے اگرچہ ابھی میرے سفر کی ابتدا ہے مگر میں اللہ سے دعا کرتی رہتی ہوں کہ وہ مجھے صراط مستقیم پر قائم دائم رکھے اور مجھے مکمل اسلامی طرز زندگی اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔

جنو جوز گلوین

جب میں ایک ہائی اسکول میں استاد تھا میرے ایک عیسائی دوست ہی نے مجھے یہ کہہ کر جذباتی اور نفسیاتی طور پر زک پہنچائی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا نہیں ہیں اور یہ کہ عقیدہ تثلیث، غلط عقیدہ ہے، میرا فوری ردعمل یہ تھا کہ یہ بات صریحاً غلط ہے ''حضرت عیسیٰ خدا ہیں کیوں کہ آدم اور حوا نے گناہ کا ارتکاب کر کے خدا اور انسانوں کے رابطہ اور تعلق کو ختم کر دیا تھا، اور خدا نے اپنے بیٹے کو صرف انسانوں کی خاطر سولی چڑھوا دیا تھا کیوں کہ خدا ہم انسانوں سے بہت زیادہ محبت کرتا ہے، خدا اور اس کے بیٹے کی قربانی صرف ہمارے لیے تھیں'' میں اپنی بات کو مؤثر بنانے کے لیے بائبل کے اقتباسات بھی پیش کرتا تھا، ایک عملی اور سرگرم رومن کیتھولک عیسائی ہونے کے باعث میں نے کئی مرتبہ بائبل کو مکمل طور پر پڑھ لیا تھا، میں ہائی اسکول میں استاد، گرجا میں پادریوں کا نقیب سنڈے اسکول میں استاد اور اپنے بھتیجے اور بھتیجی کا کفیل تھا۔ ''حضرت عیسیٰ خدا ہیں'' یہ میرا آئیڈیل عقیدہ تھا۔

میرا تعلق میکسیکن امریکن گھرانے سے ہے، اور میں ایک اعتدال پسند پس منظر رکھنے والے عیسائی گھرانے سے تعلق رکھتا ہوں، میں ٹیکساس کے ایک چھوٹے سے قصبے میں پروان چڑھا یہ اتنا چھوٹا قصبہ تھا کہ اس میں نہ کوئی شاپنگ مال، نہ ہی سینما ہال، یا میکڈانلڈ تھا۔

ایک چھوٹے سے قصبے کے باسی کے طور پر میں نے خدا کی تخلیق اور مظاہر قدرت کا

جی بھر کر مطالعہ کیا بڑے شہروں کے باسیوں کو اتنی فرصت کہاں میں نے میفس ہائی اسکول سے گریجویٹ ہونے کے بعد ٹیکساس یونیورسٹی میں داخلہ لیا اور پھر یونیورسٹی آف ٹیکساس (آسٹن) انفارمیشن ٹیکنالوجی میں ماسٹر کیا۔

جب میں ہائی اسکول میں تھا تو چھٹیوں کے دوران کھیتوں میں سے کپاس کی چنائی کا کام کرلیا کرتا تھا، اس طرح میں اپنے سال بھر کے کپڑے خریدنے اور اسکول کی اسٹیشنری وغیرہ کے سامان خریدنے کے قابل ہو جاتا تھا۔

میرے والد روئی سے بنولہ الگ کرنے والی مشین پر کام کرتے تھے ہم آٹھ بہن بھائی ہیں جن میں ایک کار کے حادثہ میں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا، میں ہمیشہ دوسروں کے مذاہب اور عقاید کا بھی احترام کیا کرتا تھا، اور بائبل کے مطالعاتی گروپ میں بھی پابندی سے شرکت کرتا، ایک دن میرے ایک عیسائی دوست نے مجھ پر پھبتی کسی کہ رومن کیتھولک فرقہ باطل فرقہ ہے، وہ دوسرے فرقے سے تعلق رکھتا تھا ظاہر ہے کہ میں نے پوری شد و مد کے ساتھ اپنے فرقے کو حق اور سچائی پر ہونے کی دلیلیں دیں۔

میرے دوست نے میرے مذہبی عقاید پر تہمتیں باندھنے کے ساتھ کلیسائی شخصیات اور پوپ کو بھی برا بھلا کہا، اگر یہ غلط ہیں تو پھر صحیح کون ہیں؟ اگر یہ غلط ہیں تو صحیح اور راست عقاید پر کون ہیں؟

اسی دوران ایک واقعہ یہ ہوا کہ میں نے پارک کے ایک کونے میں ایک شخص کو سینے پر ہاتھ باندھے دیکھا وہ کبھی کھڑا ہوتا کبھی جھکتا، کبھی اپنا سر زمین پر ٹکاتا کبھی بیٹھ جاتا مجھے یہ دیکھ کر بڑا تعجب ہوا جب وہ اس عمل سے فارغ ہوا میں اس کے پاس گیا اور پوچھا کہ تم کون ہو اور یہ کیا کر رہے تھے۔

اس نے مجھے بتایا کہ وہ مسلمان ہے اور یہ مسلمانوں کی ایک عبادت کا طریقہ نماز ہے۔ دوران گفتگو اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام، ان کی والدہ حضرت مریم، قرآن مجید اور رسول خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی بتایا، حسن اتفاق دیکھئے وہ پاکستان، سعودی عرب یا مشرق وسطیٰ کا مسلمان نہیں تھا بلکہ اس کا پس منظر ہسپانوی تھا اور وہ اسپینش

زبان بولتا تھا میری بھی مادری زبان اسپینش تھی، اس کا نام ارمنڈو تھا میرے لیے وہ لمحات حیران کن اور تعجب خیز تھے، کہ اسپینش اور مسلمان واہ!

اس نے مجھے بتایا کہ اسپین میں مسلمان سات سو سال تک رہے اور اسپینش زبان میں عربی زبان کے ہزارہا الفاظ موجود ہیں، پھر آرمنڈو نے مجھ سے اسلام کا تعارف کروایا، اور بتایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا یا اس کے بیٹے نہیں، بلکہ اس کے جلیل القدر پیغمبر ہیں، اور ہم پر لازم ہے کہ ان کا احترام کریں اور ان پر ایمان لائیں، اور یہ کہ عبادت کے لائق صرف اور صرف خدائے بزرگ و برتر کی ذات ہے ہم دونوں کافی دیر گفتگو کرتے رہے، آرمنڈو نے مجھ سے پوچھا کہ کیا میں قرآن مجید کا ایک نسخہ تحفتاً دے سکتا ہوں میں نے کہا کہ 'مطالعہ کرنے میں تو کوئی حرج نہیں ہاں ہاں میں ضرور قبول کروں گا''، پھر ایک دن ایسی جگہ دوبارہ ملاقات کا وعدہ کر کے ہم دونوں رخصت ہو گئے، ہم دونوں وقت مقررہ پر پھر ملے اور آرمنڈو نے بلا تاخیر قرآن مجید کا نسخہ میرے حوالے کیا۔

میں نے گھر آ کر قرآن مجید کھولا تعارف پڑھنے کے بعد سورۂ فاتحہ کا ترجمہ پڑھا ایک عجیب حلاوت محسوس ہو رہی تھی، میں نے کئی مرتبہ اس سورت کا ترجمہ پڑھا عجیب الفاظ تھے اس سورت کے۔

اس سورت نے تو چند لمحوں میں میری دل کی دنیا بدل دی تھی۔

اب میں قرآن مجید پڑھ رہا تھا کبھی کسی آیت کے ترجمہ پر میری باچھیں کھل جاتیں کبھی بے اختیار رونے لگتا اور کبھی ہنس پڑتا۔

ایک اور مقام جہاں میں رکا رہا اور میری آنکھیں بار بار آنسوؤں سے بھر جاتی تھیں سورۂ مائدہ کی یہ آیت تھی

”واذا سمعوا ما انزل الی الرسول تریٰ اعینھم تفیض من الدمع مماعرفوا من الحق یقولون ربنا اٰمنا فاکتبنا مع الشٰھدینO

اور (یہی وجہ ہے کہ ان میں سے بعض سچے عیسائی) جب اس (قرآن)

کو سنتے ہیں جو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف اتارا گیا ہے تو آپ ان کی آنکھوں کو اشک ریز دیکھتے ہیں (یہ آنسوؤں کا چھلکنا اس حق کے باعث ہے جس کی معرفت انہیں (نصیب) ہوگئی ہے۔ (ساتھ یہ) عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب! ہم (تیرے بھیجے ہوئے حق پر) ایمان لے آئے ہیں سو تو ہمیں (بھی حق) کی گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ لے۔

آرمنڈو سے میری دوستی کو تین سال گزر چکے تھے اور تین سال سے میں قرآن مجید کا مطالعہ کر رہا تھا، قرآن مجید میرے دل میں جگہ کر چکا تھا، مگر نہ جانے کیوں میرا مذہب تبدیل کرنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔

آرمنڈو نے بھی کبھی مجھ سے تبدیلیٔ مذہب پر بات نہ کی، بس وہ بھی قرآن مجید کے مطالعہ کرنے پر زور دیتا تھا۔

واقعی یہ عجیب کتاب تھی، اتنے پر تاثیر اور روح پرور الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ دل کے اندر ایک توڑ پھوڑ، شکست و ریخت، اور گویا ایک جنگ جاری تھی، دل گواہی دے رہا تھا کہ یہی سچی کتاب ہے، پھر یہ خیال آتا کہ کیا اپنے آبائی مذہب کو ترک کر دوں؟

پھر حق جیت گیا اور باطل کو شکست ہوگئی، میں نے ایک دن آرمنڈو کو فون کیا کہ میں تم سے فوراً ملنا چاہتا ہوں وہ میرے مکان پر پہنچا میں نے کہا کہ میرے دوست بس بہت ہوگیا اب میں کلمہ شہادت پڑھنا چاہتا ہوں، میرے دوست کی آنکھوں میں آنسو آ گئے میں بھی رو رہا تھا۔

پھر ہم ایک اسلامک سینٹر گئے، امام صاحب نے ہمیں عزت سے بٹھایا جوس پلایا چند حضرات اور آ گئے پھر مجھے کلمہ طیبہ، کلمہ شہادت اور بعض دوسرے کلمات پڑھا کر جہنم سے بچا لیا، کلمہ کے پڑھتے ہی دل کی بے چینی اور بے کلی یکسر ختم ہوگئی۔

الحمد للہ دن بدن میری دینی معلومات میں اضافہ ہو رہا ہے، نمازوں اور تلاوتِ قرآن مجید کی پابندی کرتا ہوں قرآن مجید عربی میں پڑھنا بھی سیکھ لیا، دیگر تمام برائیوں سے بچنے کی پوری کوشش کرتا ہوں، اور ابھی سفر جاری ہے۔

کیتھی

قرآن مجید پڑھتے ہی ذہن کے بند دریچے کھلنے لگے۔

میں ایک ایسے عیسائی گھرانے میں پیدا ہوئی جو مذہب اقدار پر یقین نہیں رکھتا تھا، مجھے یاد نہیں کہ میرے والدین کبھی چرچ میں گئے ہوں، لیکن جب میری شادی ہوئی تو میں نے یہ چاہا کہ میں اپنے بچوں کو چرچ لے کر جاؤں گی اور ان کو مذہب سے روشناس کراؤں گی، اگر چہ میرا شوہر بھی مذہب میں دل چسپی نہیں رکھتا تھا لیکن اس نے مجھے اور دونوں بچوں کے چرچ جانے پر کبھی کوئی روک ٹوک نہ کی، میں نے پہلے رومن کیتھولک ازم کو اپنے لیے چنا اس لیے کہ میرے اور میرے شوہر کے خاندان کے بیشتر افراد اسی سے وابستہ تھے، اور میں اس سے کچھ شناسائی بھی رکھتی تھی، مجھے اپنے بچوں کے ساتھ چرچ جانا اچھا لگتا تھا مگر اس چرچ میں جہاں میں جاتی تھی بچوں کے لیے کوئی سہولت نہ تھی، جس کی وجہ سے مجھے بعض اوقات بچوں کو چھوڑ کر جانا پڑتا تھا، اور میں ہمیشہ یہ چاہتی تھی کہ چرچ میں جو تعلیمات دی جا رہی ہیں میرے بچے بھی اس کو سنیں۔

پھر اچانک ایک تنازعہ کھڑا ہو گیا۔ میرا بڑا بیٹا چرچ میں خیالات واحساسات کے روحانی تبادلے (Communion) کی کلاسیں لے رہا تھا، میں نصاب کے بعض مندرجات سے قطعاً متفق نہیں تھی۔ مثلاً یہ کہ ہر کیتھولک عیسائی کے لیے یہ ضروری تھا کہ وہ اعتراف گاہ (Confession) میں جائے اور پادری کے سامنے گناہوں کا اعتراف کرے، میں نے یہ

اعتراض کیا کہ اگر کوئی شخص کسی بھی گناہ یا لغزش کا مرتکب ہوا ہے وہ پادری کے سامنے جا کر اعتراف کیوں کرے اس کو اپنے گناہ کی معافی خدائے بزرگ و برتر سے مانگنی چاہیے۔ مجھ سے یہ کہا گیا کہ میں Pick and Choose کی پالیسی اپنالوں جو مجھے اچھا معلوم دے اس پر عمل کروں جس پر دل مطمئن نہ ہو اس کو چھوڑ دوں۔

ان ہی دنوں ملک بھر کے چرچوں میں پادریوں کے جنسی اسکینڈلز اور بچوں کو جنسی تسکین کے لیے استعمال کرنے کے واقعات پے در پے، منظر عام پر آئے ان واقعات نے مجھے دہشت زدہ کر دیا کہ جن کے سامنے ہم اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں وہ خود اندر سے کس قدر گھناؤنے اور غلیظ کردار کے مالک ہیں، میرا دل میڈیا پر ان کے خوفناک اور بھیانک اسکینڈلز دیکھ کر اور سن کر متلانے لگا۔

پھر میں نے پروٹسٹنٹ عیسائی کا طریقہ کار (Evangelicalism) کا مطالعہ کیا۔ یہی ادھیڑ بن اور شش و پنج جاری تھی دل عیسائیت کے کسی فرقہ کی طرف مطمئن نہیں ہو رہا تھا اسی دوران میں نے ہندومت، بدھ ازم اور یہودیت کا بھی مطالعہ کیا۔

اسی دوران ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کا واقعہ رونما ہو گیا، اب میڈیا میں ہر وقت اسلام کے بارے میں گفتگو ہوتی میرا اسلام کے بارے میں کچھ مطالعہ نہ تھا۔

میڈیا جس انداز سے اسلام کو پیش کر رہا تھا وہ انتہائی نامناسب معلوم دے رہا تھا بالآخر میں نے سوچا کہ اس مذہب کے بارے میں کم از کم معلومات تو حاصل کرنی چاہییں۔

نارتھ ورجینیا جہاں میں رہائش پذیر تھی وہاں کی مقامی لائبریری میں گئی اور اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں کتب کے متعلق استفسار کیا۔ لائبریرین نے متعلقہ شیلف تک میری رہنمائی کی میں نے اسلام سے متعلق کچھ کتابیں اور قرآن مجید کا نسخہ بھی لے لیا، یہ مذہب اسلام سے میرا پہلا تعارف تھا، حیرت انگیز بات یہ ہوئی کہ جب میں نے اپنے شوہر کو بتایا تو اس نے بھی ان کتابوں کے مطالعہ میں دلچسپی کا اظہار کیا۔

کچھ کتابوں کی ورق گردانی کے بعد یہ بات مناسب معلوم ہوئی کہ سب سے پہلے قرآن مجید کا مطالعہ کرنا چاہیے چناں چہ تمام کتابوں ایک طرف رکھ کر قرآن مجید کا مطالعہ شروع

کیا۔

قرآن مجید پڑھتے ہی ذہن کے بند دریچے کھلنے لگے، دل و دماغ ایک عجیب سرشاری کی کیفیت میں آ گئے تھے، میں جن مقامات کو اہم سمجھتی اپنے شوہر کو بھی سناتی، ایک دن میں کسی کام کے لیے گھر سے نکلی واپس آئی تو دیکھا کہ میرا شوہر بڑے انہماک سے قرآن مجید کا مطالعہ کر رہا ہے، چند مقامات اس نے مجھے پڑھ کر سنائے۔

ساتھ ہی ہم نے اسلام کے بارے میں کتابوں کا مطالعہ بھی شروع کر دیا۔ میرے شوہر کی دل چسپی بھی بڑھ چکی تھی۔

کئی ماہ اسی طرح گزر گئے میں اور میرے شوہر مذہب کے بارے میں جب بھی گفتگو کرتے ہمارا موضوع مذہب اسلام ہی ہوتا۔

آخر کار میں نے اور میرے شوہر نے کافی سوچ بچار کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ ہمیں اسلام قبول کر لینا چاہیے، کبھی اس بات پر غور کرتے کہ کیا ہم ثابت قدم رہ سکیں گے۔ بالآخر ہم اپنے بچوں سمیت ایک مسجد میں گئے کلمہ شہادت پڑھ کر اسلام قبول کر لیا۔

میں اور میرا شوہر بہت خوش ہیں میرے دو بچے ابھی چھوٹے ہیں جب کہ بڑا بچہ ہائی اسکول کا طالب علم ہے، اس کو بھی اپنے قبول اسلام پر فخر ہے میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور میرے گھر کے افراد کو اپنے دین پر ثابت قدم رکھے۔

محمد احمد

سب سے اہم بات یہ ہے کہ میں نے قرآن مجید کے بیس سپارے حفظ کر لیے ہیں اور حفظ قرآن مجید کا سلسلہ جاری ہے۔

میں نے تو یہ کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ جو باتیں میں آپ کو بتانے والا ہوں کبھی کسی سے ان کا تذکرہ کروں گا، لیکن میں کبھی کبھی یہ ضرور سوچتا ہوں کہ جن راستوں سے چل کر میں یہاں تک پہنچا ہوں وہ مشکلات سے بھرپور راستہ تھا۔

ہوسکتا ہے کہ کچھ لوگوں کے لیے میرے زندگی کے تجربات میں سبق ہوں، بعض لوگوں کے لیے میری کہانی موعظت کا سبب بن جائے لیکن میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ وہ لوگ جو زندگی کے کسی مرحلے پر اسلام قبول کرنے کے متعلق سوچتے ہیں ان کو چند رہنما اصول ضرور مل جائیں گے، میں امریکہ کے ایک ایسے گھرانے میں پیدا ہوا اور پروان چڑھا، جسے عرف عام میں عیسائی گھرانہ کہہ سکتے ہیں، لیکن میرے گھر کے افراد نے کبھی چرچ کا رخ نہیں کیا۔

مجھے یاد نہیں پڑتا کہ میرے والدین نے کبھی مذہب پر کوئی بات کی ہو یا کبھی کسی مذہبی رجحان کا اظہار کیا ہو، سوائے بچے کے بلپتسمہ کے موقع پر یا شادی و مرگ کے موقع پر میرے والدین انتہائی بے ترتیب زندگی گزارنے کے عادی اور بے تحاشہ شراب پینے والے اشخاص تھے۔ میں اور میرے دیگر بہن بھائی گھر میں سہمے اور ڈرے ڈرے سے رہتے تھے، مدتوں سے میرا باپ بے روزگار اور کسی بیماری کا بھی شکار تھا اس کے لیے بہترین مشغلہ شراب

نوشی تھا۔ بعض اوقات یوں ہوتا کہ وہ ہفتوں ہفتوں گھر سے غائب رہتا، میری ماں کا معاملہ ذرا مختلف تھا اگرچہ وہ بھی بے تحاشہ شراب نوشی کر کے خوابوں کی دنیا میں رہتی تھی لیکن بہرحال ماں تھی اس کو کبھی کبھی یہ خیال آہی جاتا تھا کہ اس کے بچے بھی ہیں اور ان کا خیال بھی رکھنا چاہیے۔

میں چوں کہ گھر میں بڑا تھا اس لیے بعض ضروری کام جیسے برتن دھونا، صفائی کرنا یا کبھی کبھی کھانا پکانا میں نے اپنے ذمے لے لیا، ساتھ ساتھ اسکول کا ہوم ورک اور اساتذہ کی طرف سے دیئے ہوئے پراجیکٹ بھی میں خود ہی مکمل کرتا تھا۔

اگرچہ میں نے اس زمانے میں اتنا محسوس نہیں کیا تھا کہ مگر حقیقت یہی تھی کہ میری زندگی ایک عذاب سے دوچار تھی۔

ایک مرتبہ میری چھوٹی بہن شدید بیمار ہوئی میں ہی اس کو ڈاکٹر کے پاس لے کر گیا ڈاکٹر نے میری بہن کی بیماری کو سرطان خون (Leukemia) کے طور پر تشخیص کیا، میری بہن میرے باپ کی غیر موجودگی میں تین ہفتوں بعد ہی اس دنیا سے رخصت ہوگئی اس حادثہ کے بعد میری ماں کی قوت اعتمادی میں بہت کمی آگئی اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں ختم ہونے لگیں، نتیجتاً میری ماں نے شراب نوشی میں اضافہ کر دیا۔

اب جب میں پیچھے مڑ کر اپنے اس وقت کو دیکھتا ہوں تو مجھے یوں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بچوں کو بڑا لچک دار بنایا ہوتا ہے بے ترتیب زندگی کے باوجود ہم بہن بھائی اسکول میں بہت اچھے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس بے سروسامانی کے عالم میں اور ماں باپ کی عدم توجہی کے باوجود ہم ایک دوسرے کی قوت تھے۔

میں نے ہائی اسکول کی تعلیم مکمل کر لی اب اس کے بعد میری زندگی ایک نئے ڈھب پر آگئی، میں نے گھر چھوڑ دیا بعد ازاں میرے بہن بھائیوں نے بھی یکے بعد دیگرے گھر چھوڑ دیا، اب ہم بھائیوں اور بہنوں کی مجتمع قوت بکھر گئی۔

میں نے گھر چھوڑتے ہی فوج میں شمولیت اختیار کر لی امریکہ اس وقت ویتنام کی جنگ کے درمیان میں تھا، تربیت کے بعد مجھے فرسٹ انفینٹری ڈویژن میں بھیج دیا گیا، میں اس زمانے میں خاموش اور سیدھا سادہ انسان تھا۔

ویتنام کی جنگ کے دوران مجھ پر عقدہ کھلا کہ مجھے جو ادویات دی گئی ہیں اس کا مقصد میرے اندر ہمت و جرأت کا جعلی و مصنوعی جذبہ پیدا کرنا تھا، نیز ایسی ادویات بھی دی گئیں تھیں کہ ان کو کھانے کے بعد فوجی اپنے اردگرد ہونے والی اموات اور ہلاکتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے آگے بڑھتے جاتے تھے، میں بھی اپنے حواس سے آگے پیش قدمی کر چکا تھا۔

پھر وہ دن بھی آیا کہ جس نے میری زندگی تبدیل کر کے رکھ دی۔

ہمیں بتایا گیا کہ ہم دشمن کے کیمپوں کو گھیرے میں لے چکے ہیں اور ہمیں ان سب کو ختم کر دینا ہے، کسی کو قیدی نہیں بنانا ہے۔ No Prisoners Please!

تقریباً ایک گھنٹے کی شدید گولہ باری کے بعد ایک لمحہ ایسا آیا کہ مجھے یوں محسوس ہوا کہ کسی نے مجھے ہوا میں اچھال دیا ہو اس کے بعد مجھے نہیں معلوم کہ کیا ہوا جب میں ہوش میں آیا تو اس وقت میں شدید تکلیف اور ذہنی کوفت کا شکار تھا، میں لیٹا ہوا تھا اور یوں محسوس ہو رہا تھا کہ درد کی شدت سے میری جان نکل جائے گی جب فوجی مجھے اٹھا کر لے جا رہے تھے وہ بے حد تھکے ہوئے تھے ان کو بھی سانس لینے میں دشواری محسوس ہو رہی تھی کہ چند لمحوں کے لیے وہ رکے اور مڑے، اسی لمحے میں نے خون کے لوتھڑوں کو دیکھا وہ خون میرے بدن سے نکل کر اسٹریچر پر پھیل رہا تھا اور میرا پورا جسم خون سے لت پت تھا، میں چیخا چلایا کہ مجھے نیچے اتارو وہ مجھے آرمی میڈیکل سینٹر تک لے آئے اور دھم کر کے مجھے نیچے رکھا، میری ٹانگوں کو کیا ہوا؟ میرے ساتھی فوجی مجھے وہاں چھوڑ کر جا چکے تھے، یہ آخری بات مجھے یاد ہے، پھر کیا ہوا مجھے معلوم نہیں لیکن جب میری آنکھ کھلی تو میں نے خود کو ہسپتال کے بستر پر لیٹا ہوا پایا جب میں نے اپنے جسم کے نچلے حصے کی طرف دیکھا وہاں مجھے سفید چادر پڑی نظر آئی جو میرے پاؤں والے حصے کو ڈھانپ رہی تھی اور بس وہاں کچھ اور نہ تھا۔ میں نے چلانا اور شور مچانا چاہا خدا نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا میں نے خود سے یہ سوال کیا، اور ایک لمحہ کے لیے تو میں خوشامدی انداز میں سوچ بچار کرتا لیکن بہت بعد میں یہ حقیقت آشکار ہوئی کہ اللہ نے اپنا بڑے فضل اور رحمت سے مجھے نوازا تھا جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے:

واذا اذقنا الناس رحمة فرحوا بها وان لقبسهم سيئا بما

قدمت ایدیھم اذا ھم یقنطون

اور جب ہم لوگوں کو رحمت سے لطف اندوز کرتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہو جاتے ہیں اور جب انہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے ان (گناہوں) کے باعث جو وہ پہلے سے کر چکے ہیں تو وہ فوراً مایوس ہو جاتے ہیں۔

میں نے نرس کو بلانے کے لیے اپنے اردگرد بٹن دیکھنا چاہا ہلنے جلنے کے بعد میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ ہاتھ اور بازو پٹیوں میں بندھے ہوئے تھے۔

میں بے بسی کے عالم میں چلایا تو نرس دوڑی ہوئی آئی اس نے آتے ہی مجھے بے ہوشی کا ٹیکہ لگایا اور میں سو گیا، جب میری آنکھ کھلی تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ میری نظروں کے سامنے ایک نہایت عمدہ اور باوقار شخص کھڑا ہوا میری آنکھوں میں جھانک رہا ہے، خفیف سی میٹھی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر ہے پہلا لفظ جو میں نے اس کی زبان سے سنا وہ تھا اسلام علیکم

اس وقت سے وہ شخص روزانہ میرے پاس آتا، وہ ڈاکٹر تھا، میرے جسمانی علاج معالجہ پر وہ مامور تھا لیکن ساتھ ہی وہ روحانی طور پر مجھے بیدار کر رہا تھا جو کہ اس وقت میری شدید ضرورت تھی اور جس کا مجھے پہلے کوئی تجربہ نہ تھا اور نہ ہی روحانیت سے کوئی واسطہ تھا۔

وہ مسلمان تھا، اس نے مجھ سے بہت سی باتیں کیں مجھے ارکان اسلام سکھائے، اسلامی نقطۂ نظر سے خدائے واحد کا تصور واضح کیا۔

اس وقت جب کہ مجھے ساری دنیا بھیانک نظر آ رہی تھی، تکلیف اور درد کی شدت تھی میری ٹانگیں ضائع ہو چکی تھیں بدن چھلنی تھا اس وقت اس مسلمان ڈاکٹر نے مجھے روشنی دکھائی اور زندگی میں ممکنات کے لامتناہی روپ دکھانے میں مدد دی، میرا دایاں ہاتھ بازو کے اوپر سے کاٹ دیا گیا تھا، جب دیاں ہاتھ کہنی کے اوپر سے کاٹ دیا گیا تھا۔

اس شخص نے مجھے قرآن مجید سے متعارف کروایا، مجھے آیات قرآنی اور دعائیں یاد کرائیں جو کہ میں اپنے درد کی شدت اور تکالیف اور ذہنی الجھنوں اور تناؤ کو دور کر دینے کے لیے پڑھتا، اسی نے مجھے یہ بتایا کہ حالات خواہ کتنے اچھے یا کتنے ہی برے کیوں نہ ہوں اللہ کی

رحمت کے طلب گار اور امید وار رہنے ہی میں عافیت و بھلائی ہے، جب صحت یاب ہوگیا، مجھے گھر روانہ کر دیا گیا جہاں مجھے سابق فوجیوں کے ہسپتال میں زندگی میں دوبارہ بحال کرنے والی سہولت کے شعبے میں داخل کر دیا گیا، مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ اسلام ہی بنی نوع انسان کے لیے آسان ترین مذہب ہے، میں اسلامی طریقہ سے وضو کرنے کی کوشش کرتا اور نماز کے عمل کو دہراتا۔قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وأمر اهلك بالصلوٰة واصطبر عليها لا نسئلك رزقا نحن نرزقك والعاقبة للتقوىٰ

اور آپ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم فرمائیں اور اس پر ثابت قدم رہیں ہم آپ سے رزق طلب نہیں کرتے (بلکہ) ہم آپ کو رزق دیتے ہیں، اور بہتر انجام پرہیزگاری کا ہی ہے۔

میرے گھر واپس آنے کے کافی بعد تک میرے چھوٹے بہن بھائی میرے پاس آنے اور مجھ سے ملنے سے خوف زدہ تھے، وجہ میری معذوری اور اپاہج پن تھا۔

لیکن بالآخر وہ ایک ایک کر کے آئے، ان میں سے تین اپنی زندگیوں میں انتہائی غیر ذمہ دار اور حد درجہ شراب کا نشہ کرنے والے تھے، اور باقی چاروں کے ساتھ نشہ آور اشیا کے مسائل تھے جن میں سے دو بھائی صحت کے مرکز سے صحت یاب ہو کر واپس آگئے تھے۔

میرا خیال ہے کہ وہ یہ سوچ رہے تھے کہ میں معذوری کی وجہ سے مایوس، پژمردہ اور خوف زدہ ہوگیا ہوں گا، لیکن جب وہ مجھ سے ملنے آئے تو انہوں نے مجھ میں بے انتہا اعتماد، اطمینان اور راضی برضا والی کیفیت دیکھی تو وہ بھی مطمئن ہوگئے۔اب ان کی یہ عادت ہوگئی تھی کہ وہ ہر ہفتے میرے پاس جمع ہوتے۔میرے کئی بھائی اور بہن اس وقت نشہ کی حالت میں بھی ہوتے تھے۔لیکن میں نے کبھی اعتراض نہیں کیا۔آہستہ آہستہ لیکن باریک بینی کے ساتھ میں نے ان کے ساتھ مذہب پر گفتگو شروع کی انہوں نے میری باتیں غور سے سننی شروع کیں میں نے ان کو اسلام کے بارے میں اور اسلام میں خدائے واحد کے تصورات کو پیش کیا تو وہ بہت متاثر ہوئے ان کو قرآن مجید کے بارے میں بتایا۔

میری دو بہنوں کے علاوہ تمام بہن بھائیوں نے اسلام قبول کرلیا، وہ تمام برائیوں کو چھوڑ کر عملی مسلمان ہیں اور اپنے اپنے علاقوں کی مسلم کمیونٹی میں بہت سرگرم ہیں، میں اپنی دونوں بہنوں کے لیے بھی دعا کرتا ہوں کہ اللہ ان کو حق و ہدایت کی راہ پر گامزن کردے، یہ اسلام کی برکت ہے کہ میرے بہن بھائی باہم شیر و شکر ہو کر رہتے ہیں میری معذوری اور اپاہج پن کے باوجود میرے ساتھ محبت اور احترام کا معاملہ کرتے ہیں، یہ دین اسلام کا فیضان ہے ورنہ امریکہ کے مادہ پرست ماحول میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

میں نے اسلام کا باقاعدہ مطالعہ کیا اور اساتذہ سے تعلیم بھی حاصل کی۔

سنسناٹی کا علاقہ جہاں میں رہتا ہوں قرب و جوار کے علاقوں میں لیکچر دینے کے لیے مجھے بلوایا جاتا ہے۔

ایک لیکچر کے دوران ہی میری ملاقات ایک خاتون سے ہوئی جو اب میری بیوی ہیں میری اہلیہ کا بچپن اور جوانی ایسا نہ تھا، جیسا میں نے اور میرے بہن بھائیوں نے گزارا وہ ایک خوش حال اور آسودہ گھرانے کی فرد تھیں اور یوگوسلاویہ کے عیسائی خاندان سے ان کا تعلق تھا جو کہ امریکا میں رہائش پذیر تھا۔لیکن ان کے اسلام قبول کرنے کے بعد ان کے خاندان نے ان سے رابطہ منقطع کرلیا ان کا گھرانہ کٹر عیسائی کیتھولک گھرانہ ہے۔ میری اہلیہ کا اللہ تعالیٰ کی ذات پر سچا یقین، حقوق اللہ کی ادائیگی کی پابند قابل تعریف ہے، ان کا ایک پراجیکٹ ضرورت مند مسلمانوں اور خاص طور پر نئے مسلمانوں کو کپڑوں کی فراہمی ہے۔نو مسلموں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے انہوں نے قومی سطح پر ایک نیٹ ورک بنا رکھا ہے، ہم کمپیوٹر کے ذریعہ ان کو تمام معلومات بہم پہنچاتے ہیں دور دراز کے رہنے والوں کو قریبی مساجد اور اسلامک سینٹرز کی اطلاع اور دوسری دینی ضروریات سے متعلق چیزوں کی فراہمی اہم قدم ہے۔

ہمارے پاس الاسکا سے خطوط آئے کہ ہم رمضان میں روزہ کس وقت افطار کریں جب کہ چوبیس گھنٹے کے دن اور رات میں بیس گھنٹے تک دن کی روشنی رہتی ہے۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ میں نے قرآن مجید کے بیس سپارے حفظ کر لیے ہیں اور حفظ قرآن مجید کا سلسلہ جاری ہے۔ الحمد للہ یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور

اس کی رحمت سے ہی ممکن ہوا ہے میری ایسی بساط کہاں تھی، سب سے خوب صورت بات یہ ہے کہ میرے تین بچے ہیں، پہلا بیٹا جو میری بیوی سے ہے، اور دو لے پالک بیٹیاں ہیں جو کہ جنگ سے اجڑے ہوئے (سابق) یوگوسلاویہ سے تعلق رکھتی ہیں، میری بیوی جان ہتھیلی پر رکھ کر یوگوسلاویہ گئی تھی اور ان کو امریکا لے آئی تھی یہ دونوں بچیاں جن کے والدین جنگ میں ہلاک ہوگئے تھے، سراجیو کے باہر ایک دریا کے کنارے بھوکی پیاسی بیٹھی رو رہی تھیں میری اہلیہ کو ان بے یارومددگار بچیوں پر بڑا پیار اور ترس آیا وہ ان کو لے آئی۔

ہم ان بچیوں کی زبان بھی سیکھ رہے ہیں تاکہ ان کو ان کے ورثہ کے بارے میں معلومات فراہم کرسکیں، ہم ان کو دینی تعلیم بھی دے رہے ہیں، اور مکمل اسلامی طریقے سے پروان چڑھا رہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اتنا فضل وکرم مجھ پر فرمایا ہے اور وہی میرے خاندان کی نگہبانی کررہا ہے، اسی نے مجھے ہدایت عطا فرمائی ہے میں اتنے احسانات کا شکر کیسے بجالاسکتا ہوں میں اپنی آخری سانس تک اسلام کے لیے جدوجہد جاری رکھوں گا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وما تقدموا لانفسکم من خیر تجدوه عند الله واستغفرو الله ان الله غفور الرحیم

اور جو بھلائی تم اپنے لیے آگے بھیجو گے اسے اللہ کے حضور بہتر اور اجر میں بزرگ تر پالو گے اور اللہ سے بخشش طلب کرتے رہو اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

نور حبیبہ

مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ قرآن مجید کے الفاظ میرے دل کی آواز تھے۔

میری ماں نے آٹھ سال پہلے عیسائیت چھوڑ کر مذہب اسلام قبول کیا مجھے معلوم ہوا کہ وہ شوال کا مہینہ تھا اور میری عمر اس وقت چھ سال کی تھی۔ میرے قبول اسلام کا فیصلہ میری ماں نے مکمل طور پر مجھ پر چھوڑ دیا، میرے خاندان کے دونوں طرف سے افراد عیسائیت کے پیروکار رہیں۔

میری ماں اپنے خاندان میں پہلی خاتون تھیں جنہوں نے اسلام قبول کیا، ان کے اسلام قبول کرتے ہی خاندان میں ایک زبردست طوفان بدتمیزی کھڑا ہوگیا اور شیطان کو اپنا کردار ادا کرنے کا خوب موقع ملا میرے خاندان کے افراد نے میری ماں کو دھمکیاں دیں، دہشت زدہ کیا نہایت بدتمیزی سے پیش آئے اور انہوں نے مجھے میری ماں سے چھین لینے کی بھی دھمکی دی۔

پچھلے سال سے میں نے اپنے آبائی مذہب عیسائیت کو مکمل طور پر اپنانے کا عزم مصمم کرلیا میں نے اپنی حتی المقدور کوشش کی لیکن یوں ہوتا تھا کہ جب بھی بائبل کھول کر پڑھنے بیٹھتی ہمیشہ مجھے یہ خیال رہ رہ کر آتا کہ میں کوئی غیر اہم یا غیر ضروری چیز پڑھ رہی ہوں حالاں کہ میری ماں نے میری تسکین و تشفی کے لیے مجھے بائبل کا ایک نیا نسخہ بھی لا دیا کہ جس کو میں بہتر طریقہ سے سمجھ سکوں۔

میں نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو بحیثیت خدا اپنے دل میں اتارنا چاہا لیکن میں ایسا نہ کر سکی میں وقفہ وقفہ سے چرچ بھی جاتی رہی لیکن وہاں بھی کچھ نہ سمجھ سکی۔

یہ جملہ My father is Holiness مجھے نہایت کمزور، ہیجان خیز اور زبان سے استعمال ہونے والا جملہ محسوس ہوا نہ کہ دل سے۔

میں جلد ہی جھنجلاہٹ اور اکتاہٹ کا شکار ہوگئی مجھے یہ محسوس ہونے لگا کہ جیسے میری کوئی سمت نہیں ہے میں ادھر ادھر ڈول رہی ہوں میں ہمیشہ خدا کے وجود اور اس کی موجودگی کا اعتقاد رکھتی ہوں لیکن تثلیث میری عقل سے بالاتر تھی۔ میں خدائے بزرگ و برتر سے دعائیں کرتی تھی کہ وہ مجھے صحیح راہ کا عقل و شعور عطا فرمائے میں اپنی ماں کے مصلیٰ (جائے نماز) پر بیٹھ جاتی اور دعائیں کرتی، میری ماں نے میری خواہش پر مجھے بھی ایک مصلیٰ لا دیا تھا، میں اپنی ماں کے ساتھ رمضان المبارک میں روزے رکھتی اور ان ہی کی طرح دعائیں مانگتی۔

ایک دن میں نے اپنی کتابوں کے شلف میں سے اسلامی کتابیں اور قرآن مجید لے کر ان کا مطالعہ شروع کر دیا، مجھے یقین نہیں آ رہا تھا، قرآن مجید کے الفاظ میرے دل کی آواز تھے میں نے رونا شروع کر دیا، اسلام ہی میرے دل کی آواز تھا، بہت سی چیزیں جو میں نے مطالعہ کیں میں ان پر عمل کر رہی تھی یا دل سے اعتقاد رکھتی تھی، بس میں نے اسی وقت اسلام قبول کرنے کا عزم مصمم کر لیا میں نے اپنی اس شدید دلی خواہش کا اظہار اپنی ماں سے کیا میری ماں مجھے مسجد لے گئیں میں نے ۱۱ اپریل کو چودہ سال کی عمر میں اسلام قبول کر لیا، میں خوشی سے رو رہی تھی، میں جب مسجد کے دفتر سے باہر نکلی تو وہاں موجود خواتین نے مجھے گلے لگایا اور خوب مبارک باد دی۔

اس میں شک نہیں کہ شیطان جو کہ انسان کا ازلی اور ابدی دشمن ہے مجھے راہِ حق سے بھٹکانے اور ہٹانے کی بھرپور کوشش کی طرح طرح کے خیالات وسوسے اور اندیشے میرے دل و دماغ میں پیدا ہوئے، مگر میں ثابت قدم ہوں۔

اگر مجھے اپنی ماں اور مسلم کمیونٹی کے افراد جنہیں میں آنٹیز، انکلز اور بہنیں ہی کہوں گی اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و فضل کی سپورٹ نہ ہوتی تو شاید میں یہ جنگ ہار چکی ہوتی اللہ تعالیٰ کی

ذات عظیم ہے۔

میرے خاندان کے افراد میرے اور میری ماں کے متعلق جھوٹ اور بکواس کرنے میں، دھمکیاں دینے میں اور دہشت زدہ کرنے میں مصروف ہیں، ان باتوں سے میرا دل بہت دکھتا ہے، ہم تمام رشتہ داروں کے تعلقات پہلے آپس میں بہت اچھے تھے مگر اسلام قبول کرتے ہی پہلے میری ماں اور پھر میں برے ہو گئے، اور وہ ہماری دشمنی میں پاگل ہو گئے۔

ہم مضبوطی کے ساتھ اسلام کی رسی کو پکڑ کر ہی اپنے دین پر قائم و دائم رہ سکتے ہیں، میرے مسلمان دوست اسلام کے نظریہ کو سمجھنے اور عمل کرنے میں میری مدد کرتے ہیں۔

الحمد للہ! میرے ان تجربات نے مجھے مضبوط بنا دیا ہے اور اب میں حقیقت کی آنکھ سے عیسائیت اور عیسائیوں کو دیکھ سکتی ہوں اور ان میں اور مسلمانوں میں جو فرق ہے اس کو بھی سمجھ سکتی ہوں مسلمان معاشرہ کتنا پاکیزہ اور محبت سے لبریز ہوتا ہے اس کا میں خوب مشاہدہ کرتی ہوں میں بہت خوش ہوں کہ میں مسلمان ہوں میں کسی قیمت پر بھی اپنے مذہب اسلام کو چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی، میرا عقیدہ ہی میری تلوار ہے اور میرا محافظ ہے یہ مذہب علم و حکمت سے معمور ہے، میں اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں کہ میری زندگی میں انقلابی تبدیلی آئی۔

شکریہ

فاطمہ لیپنبرگ

میں قرآن مجید کو جتنا پڑھتی گئی اس کی حقانیت کی قائل ہوتی گئی۔

میں ایک بیضوی رنگ کی مسلمان خاتون ہوں جس نے ۱۹۹۵ء میں اسلام قبول کیا میں فخر وانبساط کے ساتھ یہ بتاتی ہوں کہ میں مسلمان ہوں میرے لیے یہ سب کچھ بڑا مشکل اور کافی جدوجہد پر مشتمل دشوار گزار سفر تھا، کیوں کہ نوکری، دوست اور خاندان وغیرہ مجھے سب کی قیمت ادا کرنی پڑی۔

میں ایک بہت پاک باز اور عملی عیسائی عورت تھی، اور میرا تعلق یوم الخمیس والے چرچ (Pentecostal Church) سے تھا، اور میں اسی چرچ کے سنڈے اسکول سے بھی وابستہ تھی۔ میری زندگی پڑھنے پڑھانے اور صرف بائبل کے مطالعہ کے ساتھ مربوط تھی، پھر وہ دن آیا کہ میرے بیٹے کے ذریعہ میں اسلام سے متعارف ہوئی۔

ہوا یوں کہ ایک دن میرا بیٹا اسلامی مرکز سے واپس آیا تو آتے ہی مجھ سے کہا کہ ممی! آپ مسلمان کیوں نہیں ہو جاتیں مجھے بچے کی اس بات سے شدید دھچکا لگا کہ یہ عجیب وغریب خیال لے کر گھر آیا ہے، میں نے کہا نہیں! ہرگز نہیں میرے بچے نے پھر مجھے کہا کہ ممی! اسلام ایک پاکیزہ اور سچا مذہب ہے اور مسلمان دن میں پانچ مرتبہ اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔

یہ اسلام سے میرا پہلا تعارف تھا پھر میں نے سوچا کہ اگر اسلام ایک مذہب ہے تو مجھے اس کا مطالعہ کرنا چاہیے، میں نے معلومات حاصل کیں اور قرآن مجید حاصل کر لیا اور اس کا

مطالعہ شروع کر دیا۔

میں قرآن مجید کو جتنا پڑھتی گئی اتنا ہی اس کی حقانیت کی قائل ہوتی گئی، اور مجھے اس بات کا احساس ہوا کہ میرا مذہب تو صرف اسلام ہے، میں نے امن وسکون اور آسودگی کا راستہ پالیا تھا۔

میں نے اپنے قبول اسلام کو اپنے خاندان والوں سے چھپایا تھا لیکن ایک دن میں نے تہیہ کرلیا کہ میں ان کو بتادوں گی چناں چہ میں نے اپنے بھائی کو فون کیا اور بتادیا کہ میں نے اسلام قبول کرلیا ہے۔

میرا بھائی یہ سنتے ہی حیرت زدہ رہ گیا کیوں کہ ہم دونوں بہت کٹر عیسائی تھے، اور اپنے خاندان میں عیسائیت سے پھر کر مسلمان ہونے والی میں پہلی فرد تھی سال بھر پہلے میرے گھر والوں نے مجھے فون کیا اور مجھے بتایا کہ مجھے ان سے رابطہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور وہ مجھ سے ہر رشتہ ناطہ توڑ چکے ہیں اور آئندہ وہ بھی فون نہیں کریں گے، گویا میں ان کی بہن، بیٹی یا رشتہ دار ہی نہیں ہوں اگر چہ میں اپنے خاندان سے بہت محبت کرتی ہوں اور اپنے اردگر ان کی کمی بھی محسوس کرتی ہوں مگر میرے مذہب اسلام سے بڑھ کر اب میرے دل میں کسی کے لیے کوئی جگہ نہیں تاہم مجھے امید ہے کہ ایک دن وہ میرے فیصلے کو تسلیم کرلیں گے اور مجھ سے رابطہ کریں گے۔ان شاء اللہ

جب مجھے مقامی اسلامک سینٹر سے قبول اسلام کا باقاعدہ سٹرفکیٹ ڈاک کے ذریعے ملا میری خوشی کی انتہا نہ رہی میرا دل چاہا چھت کے اوپر چڑھ جاؤں اور دنیا والوں کو چلا چلا کر بتادوں کہ میں مسلمان ہوں اگر چہ میں نے اپنے خاندان کے افراد کو کھودیا لیکن مجھے مسلم امہ کے سارے بہن بھائی مل گئے۔ میرا اپنا مسلمان خاندان اتنا قابل تعریف ہے کہ الفاظ میں اس کو بیان کرنے سے قاصر ہوں۔

میں نے حجاب لینا شروع کر دیا ہے اور میں اس کو کسی قیمت پر اپنے سر سے نہیں اتار سکتی میرا اب ایک خواب ہے کہ میں حجاز مقدس مکہ اور مدینہ ہو کر آؤں عمرہ اور حج کے لیے مجھے امید ہے کہ میں جلد وہاں جاسکوں گی، مجھے اپنے ایمان کی تازگی کے لیے قرآن مجید، احادیث

نبوی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ کافی ہے۔

اسلام ایک ضابطۂ حیات ہے، اسلام کا معنی ہے، امن وسلامتی اور اپنے آپ کو مکمل طور پر اللہ کے احکام کے تابع کر دینا، ہر مسلمان کے ذمے پہلا فرض یہ ہے کہ حقوق اللہ کو پورا کرے، اور یہ چیز اس کے دل کی گہرائیوں کے ساتھ ہونی چاہیے۔

مجھ جیسی بیضوی رنگت کی خاتون کے لیے یہ آسان تو نہیں ہے کہ وہ عیسائیوں کے درمیان رہے، لیکن میں اپنا سر فخر سے بلند رکھتی ہوں، اس لیے کہ میں مسلمان ہوں۔

میرے پیارے مسلم بھائیوں اور بہنوں اگر آپ پیدائشی مسلمان ہیں اور اپنے فرائض کی انجام دہی میں کوتاہی اور سستی کر رہے ہیں تو اب بھی وقت ہے واپس آ جائیے۔ آپ آج ہی سے عمل شروع کر سکتے ہیں۔

میرے بھائیوں اور بہنوں! اپنا سر آپ بھی فخر سے بلند رکھیں اور دنیا کو بتا دیں کہ آپ امن پسند مسلمان ہیں۔

اسلام کی قدر و قیمت مجھ سے یا مجھ جیسے دوسرے بہنوں اور بھائیوں سے پوچھ لیں۔

سبحان اللہ

جینیفر لین جونز

جب میں قرآن مجید کا ترجمہ پڑھ رہی تھی انداز اور بیان کی خوب صورتی معنی کی وسعت، مفہوم کی گہرائی مجھے انتہائی متاثر کر رہی تھی۔

تمام مفکرین یہ کہتے ہیں کہ خوشبو کا یادوں کے ساتھ بڑا گہرا بندھن ہوتا ہے، میں سمجھتی ہوں کہ یہ حقیقت ہے کیوں کہ ایسی ہی خوشبو کی وابستگی مجھے میرے قرآن مجید کے ساتھ ہے جو کہ عبد اللہ یوسف کا ترجمہ ہے اور ۱۹۶۸ء میں طبع ہوا ہے، میرے لیے یہ بڑا خوب صورت خدائی تحفہ ہے، خوب صورت سنہری گل کی ہوئی جلد ہے لیکن کثرت مطالعہ اور لگاتار استعمال سے بہت پرانا معلوم دیتا ہے، جلد اکھڑ گئی ہے اور صفحات بھی مسلسل الٹ پلٹ کے باعث میلے معلوم دیتے ہیں، لیکن میں اپنے اس قرآن مجید کے نسخے کو نئے کے ساتھ تبدیل نہیں کرتی۔

میں نے اس قرآن مجید کے نسخہ کو پچیس سال قبل اپنے اسکول کی لائبریری سے چرایا تھا، اس نسخے کی خوشبو، پرانے کاغذ اور اس کی سیاہی جس سے یہ طباعت کے مرحلے سے گزرا ہے میری روح کا حصہ ہے، آج جب بھی میں قرآن مجید کے اس نسخے کو پڑھنے کے لیے اپنے ہاتھوں میں اٹھاتی ہوں، میں ماضی کی یادوں میں کھو جاتی ہوں کہ یہی قرآن مجید کا وہ نسخہ تھا جس نے مجھے اسلام سے متعارف کروایا، اور اس کے ذریعے میں اسلام کی تصویر دیکھ سکتی تھی یا اسلام کی ایک تصویر وہ مسجد تھی اور جو کوروبکس (اوریگن) میں واقع تھی جس کو میں اپنے والد کی کار

میں سے بیٹھ کر دیکھتی تھی جب میں اپنے دادا اور دادی کے گھر جاتی تھی جو کہ ہمارے گھر سے ایک گھنٹہ کی مسافت پر تھا۔

میری عمر چودہ سال کی تھی جب میں ہائی اسکول میں داخل ہوئی میں یہ کہہ سکتی ہوں کہ پورے ہائی اسکول میں بلکہ ہمارے پورے قصبے میں جہاں کی آبادی چار ہزار سے زائد نفوس پر مشتمل تھی میں ہی مسلمان تھی میں خود کو مسلم کہتی تھی کیوں کہ میں عیسائیت سے شدید بے زار تھی۔اس کی داستان بھی بڑی عجیب ہے۔

اگر چہ میں نے یہ سوچا نہ تھا کہ میں مسلمان ہو جاؤں گی یا اسلام کو دریافت کروں گی، مجھے ہائی اسکول میں اپنی انگریزی کلاس کے ریسرچ پیپر کے لیے موضوع کی تلاش تھی استاد کی طرف سے لازمی ہدایت تھی کہ ہم کسی بھی انسائیکلوپیڈیا کے علاوہ چند حوالہ جاتی کتب کی مدد سے یہ ریسرچ پیپر مکمل کر سکتے ہیں، اور یہ چودہ صفحات پر مشتمل تھا، ہائی اسکول کے جونیئر طالب علم کے معیار سے ہم آہنگ، موضوع کوئی بھی ہو سکتا تھا، کسی کے بارے میں بھی لکھا جا سکتا تھا، مجھے یاد ہے کہ میری کلاس فیلوز نے وہی روایتی انداز کے موضوعات کو منتخب کیا جو اس عمر کے بچے کرتے ہیں۔ مثلاً تیز موسیقی (Rock Band)، دل چسپ مشاغل، یا حالاتِ حاضرہ، اور دنیا میں رونما ہونے والے کسی واقعہ پر کوئی موضوع وغیرہ میں نے اپنے لیے ایک نئے عنوان کو تلاش کیا اور وہ یہ تھا:

"The split between India and Pakistan and The Rolle of the Islamic Religion"

میں مانتی ہوں کہ میں ایک نرالی ہی بچی تھی، اور میں اپنے بچپن کے زمانے سے ہی مذہب میں کافی دل چسپی رکھتی تھی میں سال بھر تک Cultish Group کو ماننے والی بھی رہی۔ جغرافیہ میرا پسندیدہ موضوع رہا ہے دنیا کتنی بڑی اور کتنی مختلف ہے، ممکنات سے بھرپور اور نئے تجربات نئے مقامات واہ!

ایک چھوٹے سے قصبے کی زندگی تو دم گھونٹ دینے والی سی معلوم دیتی ہے، میں نے فلم ''گاندھی'' بھی دیکھی ایسی فلم جس کو سترہ سال کی عمر کو پہنچنے والا ہر امریکن اسکول کا طالب علم

کم از کم تین مرتبہ دیکھتا ہے، اکتاہٹ سے بھرپور قدیم انگلستان خشک وخوں تھا، تو میں نے اسلام اور پاکستان کے متعلق اپنے ریسرچ پیپر تیار کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

میں جنون کی حد تک مطالعہ کی شوقین ہوں مجھے کتابیں دے دی جائیں یا مجھے کتابوں کی دوکان میں لے جایا جائے یا لائبریری میں چھوڑ دیا جائے میں ایسی جگہوں پر خوش رہنے والی لڑکی ہوں یہی شوق مجھے کشاں کشاں اسکول کی لائبریری میں بھی لے جایا کرتا تھا، لیکن لائبریری کے دروازے پر لگا ہوا چور پکڑنے والا آلہ مجھے ہمیشہ زہر لگتا تھا۔

میں نے قرآن مجید کا نسخہ اس لائبریری سے دریافت کیا تھا جو کہ ریسرچ کی کتاب کے شعبہ میں موجود تھا اور شاید ہی کسی نے لائبریری سے عاریتاً لیا ہوگا، لیکن یہ شعبہ لائبریرین کی تیز آنکھوں کے سامنے رہتا تھا، میں نے سب سے پہلے اس ریسرچ والے شعبے میں اسی قرآن مجید کو اٹھایا، سونگھا اور پہلے صفحات کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔

جس وقت قرآن مجید کا نسخہ میرے ہاتھوں میں موجود تھا میں اپنے ذہن میں ریڈیو، ٹی وی اور میڈیا میں آنے والے ان ماہرین کا تصور کررہی تھی جو انتہائی غیض وغضب، جذباتی اور منفی انداز سے اسلام اور مسلمان پر تنقید کرتے اور ان کو نشانہ بناتے تھے۔

جب میں قرآن مجید کا ترجمہ پڑھ رہی تھی، انداز اور بیان کی خوب صورتی، معنیٰ کی وسعت، مفہوم کی گہرائی مجھے انتہائی متاثر کررہی تھی۔ میں نے کئی مرتبہ لائبیریری میں آکر اس کا مطالعہ کیا اور یہ فیصلہ کرلیا کہ یہ قرآن مجید میرا ہے ایک دن میں نے چپکے سے اس قرآن مجید کو اپنی کتابوں کے بستہ میں اپنی کتابوں کے ساتھ رکھا اور چپکے سے لے کر لائبریری سے نکل گئی، عجب اتفاق یہ ہے کہ بغیر اسکین کے لائبریری سے جاتے ہوئے چور پکڑنے والا آلہ بھی خاموش رہا۔ دودن کی چھٹی کے دوران میں سارا دن قرآن مجید پڑھتی رہی اور دودن کے بعد حقیقت حال یہ تھی کہ میں مسلمان تھی، کچھ عرصے کے بعد لوگوں میں یہ معلوم ہوسکا کہ میں اندر سے مسلمان ہوں بات دراصل یہ ہے کہ مجھے اپنے عقائد کو مشتہر کرنے کی چنداں ضرورت بھی نہ تھی، مجھے اس وقت کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا جب میرے گھر والوں کو اس بارے میں معلوم ہوا کہ میں چھپ کر نماز پڑھتی ہوں تو ان کو اس کم عمری میں میرا یہ فیصلہ بہت بڑا لگا، میں

نے نماز پڑھنے کے لیے جائے نماز بھی حاصل کرلی تھی جس کو بڑی احتیاط سے چھپا کر رکھتی تھی لیکن جب میں نے اسٹور کے خشک گوشت کا بنا ہوا پزا کھانے سے مسلسل انکار کیا تو انہوں نے میرے استقامت کو خاص طور پر نوٹ کیا، علاوہ ازیں میں نے اسلامی کتب کا مطالعہ بڑھا دیا تھا اور میرے کمرے کی دیواروں پر اسلامی پوسٹرز آویزاں تھے۔ تبدیلی ہمیشہ مشکلات لے کر آتی ہے، میرا خاندان بہت زیادہ مذہبی تو نہ تھا لیکن عیسائیت کی تہذیب وتمدن اور ثقافت کے ساتھ ان کا بندھن مضبوط تھا، ان کو الزام دیا بھی نہیں جاسکتا تھا۔

لیکن پھر ایک دن انہوں نے میرا جائے نماز (مصلّٰی) اٹھایا یہ مصلّٰی میں نے ڈزنی ورلڈ کی ایک دوکان سے لیا تھا میرا لمبا کُرتا، اسلامی کتب اور میرا محبوب ترین قرآن مجید کا نسخہ بھی اٹھایا اور اس کو کوڑے کرکٹ کے ڈبے میں پھینکنے کا فیصلہ کیا، میں بہت روئی چیخی اور چلائی میں نے بھی ان سے کہہ دیا کہ اگر انہوں نے یہ چیزیں گھر سے باہر ڈبہ میں پھینکی تو میں خودکشی کرلوں گی اور اس کی ذمہ داری آپ پر ہوگی۔

بہر حال میں نے کسی طرح ان کو اس بات پر راضی کرلیا کہ وہ ان چیزوں کو ڈبے میں بند کر کے گھر کے بالائی حصے میں رکھ دیں جہاں تک میری رسائی نہ ہو۔

میں نے قرآن کا دوسرا نسخہ تلاش کرلیا کچھ اسلامی کتب بھی مل گئیں لیکن میں ان کو گھر میں نہ لائی تھی، میرے گھر سے کچھ فاصلے پر ایک کالج کی لائبریری میں قرآن مجید کا نسخہ اور کچھ اسلامی کتب کا ذخیرہ تھا، میں نے مطالعہ کے لیے وہاں جانا شروع کر دیا، آخر کار مجھے ایک دن مسجد میں جانے کا موقع مل گیا، میرے ایک دوست نے مجھے فون کیا اور مجھے بتایا کہ وہ کورئیلس مسجد جارہا ہے یہ وہی مسجد ہے جس کو میں اپنے دادا دادی کے گھر جاتے ہوئے راستے میں اپنے والد کی کار میں سے دیکھتی تھی۔

میں نے اپنی ماں سے جانے کی اجازت مانگی اور ان کو بتا دیا کہ میں مسجد جارہی ہوں، میرا قرآن، اسلامی کتابیں گھر کے بالائی حصے میں محصور تھا، میں نے سوچا کہ میری ماں کی پریشانی میرے جانے کی اجازت مانگنے پر واپس لوٹ آئے گی، مگر معجزہ یہ ہوا کہ انہوں نے اجازت دے دی۔

جب ہم مسجد کی طرف جا رہے تھے مجھ پر شوق اور گھبراہٹ دونوں طاری تھی، یہ میرا کسی مسلم ادارے کی طرف پہلا باقاعدہ رابطہ تھا، میں بیک وقت پرشوق اور وحشت زدہ تھی، یہ وہی سب کچھ تھا جس کا میں خواب دیکھتی تھی، جب ہم مسجد کے پارکنگ ایریا میں پہنچے اور کار سے باہر آئے تو بارش ہو رہی تھی، میں نے دھندلے انداز سے مسجد کی عمارت کو دیکھا، لیکن اپنے دوست کے سامنے میں مطمئن نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی۔

اب ہم عمارت کی طرف چلے، مرکزی دروازہ کھولا اور اندرونی حصے کی طرف میں نے دیکھا کہ سامنے سے ایک شخص تیز تیز چلتا ہوا ہماری طرف آیا، اور انگلی کے اشارے سے مخاطب ہو کر ایسے بولا کہ جیسے آوارہ بلی کو ہش ہش کیا جاتا ہے۔

یہ دروازہ مردوں کے داخلے کے لیے ہے تم دوسرے دروازے سے عورتوں والے حصے میں چلی جاؤ اور میرے دوست کو بازو سے پکڑ کر آگے لے جانے لگا میں نے نہ ہی کسی ردعمل کا اظہار کیا اور نہ ہی اس سرگرم خیر مقدم کو انا کا مسئلہ بنایا میں مرکزی دروازے سے باہر نکلی بارش میں بھیگی ہوئی عورتوں والے حصے میں داخل ہوئی اور جوتے اتار کر شیلف میں رکھے اور نرم قالین پر چلتے ہوئے آگے آگئی، نہایت خاموشی سے اپنے اردگرد دیکھتے ہوئے دیواروں پر لگے عربی خطاطی کے نمونوں کو دیکھنے لگی، میں نے اس حصے کا چکر لگایا اور سڑک کی جانب کھڑکی کا پردہ ہٹا کر آنے جانے والی ٹریفک کو دیکھنے لگی جہاں سے میں اس مسجد کو دیکھتی ہوئی اپنے والد کی کار میں گزرتی تھی، پھر چند عورتیں اس حصے میں داخل ہوئیں، ان میں سے ایک امریکن مسلمہ تھی، اسی دوران انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ آیا میں نے اسلام قبول کیا ہے یا نہیں اتنے میں اذان ہوئی اور نماز کے بعد میں نے سارے نمازیوں کی موجودگی میں کلمہ پڑھ کر اسلام قبول کرلیا، تین سال کے بعد جب میں نے کالج میں داخلہ کے بعد گھر چھوڑا تو پھر میں نے اپنی ماں سے گھر کے بالائی حصے میں رکھی ہوئی اپنی قیمتی اشیا واپس لینے کے لیے اجازت مانگی تاکہ میں ان کو بھی اپنے سامان کے ساتھ پیک کرلوں۔

ایک رات کے بعد میں اپنے کالج کے ہوسٹل کے کمرے میں بیٹھی اپنا سامان کھول رہی تھی اور وہی مسجد مجھ سے ایک میل کے فاصلے پر تھی۔

میں نے بکس کھولا سب سے پہلے اپنا وہی قرآن مجید کا نسخہ نکالا اس بات کو اب بیس سال گزر چکے ہیں، بیس سال پہلے قرآن مجید کا یہی نسخہ میرے اسکول کی لائبریری کے ریفرنس سیکشن میں رکھا ہوا تھا۔

کئی مرتبہ میں نے اس کو واپس کرنے کے متعلق سوچا لیکن میں اس کو اپنے سے جدا کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔ سوچیں! جب میں اس قرآن مجید کو پڑھنے کے لیے کھولتی ہوں پچھلی بھولی بسری یادیں تازہ ہو جاتی ہیں۔

جہاں تک اس نسخہ کو چرا کر لانے کا تعلق ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا اور معاف فرمانے والا ہے۔

خدیجہ

میں خدائے بزرگ و برتر کے بابرکت نام سے اپنے قبول اسلام کی مختصر سی داستان پیش کررہی ہوں۔ میں ابتدا سے ہی مذہبی طور طریقے رکھنے والی اور خدا کی ذات پر یقین رکھنے والی لڑکی تھی لیکن خدا کا تصور کیا ہے میں اس سے ہمیشہ نا آشنا رہی اور یہی بات میرے دل کو غیر مطمئن رکھتی تھی، اور اسی لئے میں حق کی متلاشی رہتی۔

۱۹۸۴ء میں جب کہ میری عمر تینتالیس سال کی تھی، میری زندگی بہت سے موڑ اور حادثات سے گھوم کر بند گلی پر آکر کھڑی ہوگئی۔

میں نے ادھر ادھر بہت ہاتھ پیر مارے۔ مختلف مذاہب کا مطالعہ کیا لیکن کہیں بھی دل کی بے کلی اور بے اطمینانی دور کرنے والی بات پیدا نہ ہوسکی، ۱۹۸۸ء میں میں اس نتیجہ پر پہنچی کہ کبھی بھی مذہب کے تعلق سے اطمینان بخش اور پرسکون صورت حال کو نہیں پہنچ سکتی۔ ایک مرتبہ تو ایسا ہوا کہ میں نے خود کو زمین پر گرادیا اور ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑ دیئے اور خدا سے فریاد کی کہ اے خدا تو مجھے راہ حق پر گامزن کردے۔

ابھی اس بات کو سال بھر بھی نہیں گزرا تھا کہ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ میں باورچی خانے میں تھی میں نے ایک نرم سی آواز میں یہ جملہ سنا کہ ''پارک میں جاؤ'' تین مرتبہ یہ جملہ مجھے سنائی دیا میں نے سوچا کہ کہیں میرا ذہن تو نہیں بہک رہا ہے، لیکن یہ جملہ تین مرتبہ میں نے بقائمی ہوش وحواس سنا تھا، لیکن کس پارک میں؟ میں نے خود سے پوچھا ''کہاں جاؤں'' میں نے اپنی

وہیل چیر نکالی اور گھر سے باہر نکل گئی خدا جانے میں کس سمت جا رہی تھی، گویا ان دیکھی ڈور تھی جس سے میں بندھی ہوئی کھینچی جا رہی تھی، کوئی قوت مجھے میری ان دیکھی منزل کی طرف لے جا رہی تھی۔ میں اپنے گھر سے کافی آگے نکل چکی تھی، یہاں ایک پارک تھا حالانکہ میں اس پارک کی طرف کبھی نہیں آئی تھی، میں پارک میں داخل ہوئی تو دیکھا کہ بینچ پر ایک شخص بیٹھا ہوا ایک کتاب پڑھ رہا ہے۔

مجھے کوئی ہچکچاہٹ یا کوئی خوف محسوس نہیں ہوا میں سیدھی اس کی جانب پہنچ گئی، حالاں کہ کسی کی خلوت یا مصروفیت میں مداخلت کرنا ویسے ہی غیر اخلاقی اور میری طبیعت و مزاج کے خلاف تھا۔

میں اپنی وہیل چیئر پر اس کے مزید قریب ہوگئی، اس کے پڑھنے کے انداز سے یوں معلوم ہو رہا تھا کہ گویا ارد گرد سورج کی چمکتی ہوئی کرنیں بکھر رہی ہیں، پھر اچانک اس شخص نے میری جانب دیکھا اس کا چہرہ نور سے معمور تھا، میں نے اس سے پوچھا کہ وہ کیا پڑھ رہا تھا اس نے بتایا کہ وہ قرآن کریم پڑھ رہا تھا یہ کتاب قرآن مجید میرے لئے اجنبی کتاب تھی کیوں کہ میں نے دیکھا کہ اس کی تحریر میرے لئے ناقابل شناخت ہے۔

اس نے مجھے بتایا کہ یہ ہماری مذہبی اور مقدس کتاب ہے، اور وہ مسلمان ہے۔

میں نے اس سے کہا کہ وہ قرآن مجید کا کچھ اور حصہ میرے لئے پڑھ سکتا ہے۔ قرآن مجید کے الفاظ اور بیان سے قاصر اس کے خوب صورت سر سننے کے بعد میں نے فوراً اس سے کہا، کیا میں مسلمان ہو سکتی ہوں۔

اس نے مجھے اسلام کے بارے میں تفصیل سے بتایا اور یہ بھی بتایا کہ اگر میں اخلاص اور حسن نیت کے ساتھ اور سوچ بچار کے ساتھ اسلام قبول کروں تو یہ زیادہ بہتر ہوگا، چنانچہ میں نے ایسا کیا دوسری ملاقات میں وہ میرے لیے اسلام پر کچھ کتابیں لایا، میں نے ان کا مطالعہ کیا اس نوجوان کی مدد سے مجھے کافی معلومات حاصل ہوئیں جو بڑی مدد و معاون ثابت ہوئیں۔

۱۲ ستمبر ۱۹۸۹ء کو دن کے ڈیڑھ بجے کے لگ بھگ مقامی اسلامک سینٹر میں لوگوں کی موجودگی میں کلمہ شہادت پڑھ کر میں دائرۂ اسلام میں داخل ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے ایک مکمل

ضابطہ حیات ''دین اسلام'' کی شکل میں مجھے عطا فرما کر مجھ پر بڑا احسان کیا۔

میں ان الفاظ کے ساتھ ان تمام حق کے متلاشیوں کے لئے دعا کرتی ہوں کہ وہ دامنِ اسلام سے وابستہ ہو کر اللہ کی رحمت کے مستحق بن جائیں۔

اللہ کے فضل و کرم سے میرے قبول اسلام کے بعد میرے جاننے والے پانچ مزید افراد نے اسلام قبول کیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو استقامت عطا فرمائے۔

لیزلی سنسلیئر

میں ایک لا مذہب اور لادینی گھرانے میں پروان چڑھی میرا باپ لوتھری کلیسا کا رکن (Lutheran) جب کہ میری ماں غیر بپتسمیہ (Unbaptize) تھی، بچپن میں میں فیئر بینکس الاسکا کے لوتھری چرچ میں جاتی تھی لیکن پادری کی گرج دار، غصیلی اور دہشت زدہ کر دینے والی آواز و شخصیت میرے لیے قطعاً قابل قبول نہ تھی، میرا باپ کبھی کبھی بائبل پڑھتا تھا اور کبھی مذہبی گیت بھی گاتا تھا اور کبھی روحانیت پر بات کرتا باوجود اس کے کہ وہ مذہب سے بالکل لاتعلق رہتا تھا، البتہ میرے نانا اور نانی بہت مذہبی اور کٹر عیسائی تھے۔

جب ہم الاسکا سے واشنگٹن منتقل ہوئے تو وہ ہمیں پابندی کے ساتھ قریبی چرچ میں لے جاتے، کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ میری ماں بھی بڑے شوق سے چرچ جانے کے لیے بنتی سنورتی اور چرچ چلی جاتی تھی۔

میں بڑی پابندی سے سنڈے اسکول میں بھی شرکت کرتی اور میں ہائی اسکول میں میتھوڈسٹ یوتھ فیلوشپ کی بھی اہم رکن تھی۔

اگر چہ میں ایک ایسے گھرانے کی فرد تھی جو خود کو سیکولر کہتا تھا لیکن کبھی عیسائی رسومات بھی ادا کر لیتا تھا، میں نے دیکھا کہ میرے والدین کرسمس کا تہوار بڑے اہتمام کے ساتھ مناتے تھے، اور دعائیں مانگتے تھے۔

میں اگر چہ بے بی عیسیٰ (Baby Jesus) علیہ کے لیے نرم گوشہ تو یقیناً رکھتی تھی مگر

حضرت عیسیٰ کے بت کی طرف منہ کر کے دعا نہیں مانگتی تھی، کچھ سالوں کے بعد میرے ماں باپ میں علیحدگی ہوگئی۔

پھر میں نے بھی شادی کر لی لیکن میرے شادی کے ایام نہایت بھیانک اور تکلیف دہ تھے۔ میری ماں نے دوسری شادی کر لی اور میرا سوتیلا باپ ایک نیک اور نرم خو شخصیت تھے۔

جب میری شادی ہوئی تو میں نے ایک معاہدے پر دستخط کر دیئے کہ میرے بچے کیتھولک طریقے پر پروان چڑھیں گے، ایک سال کے بعد مجھے ان کلاسوں میں شرکت کرنا پڑی جس میں یہ بتایا جاتا تھا کہ کس طرح غیر کیتھولک ماں اپنے کیتھولک عقاید کے بچوں کو پروان چڑھائے۔

پھر میں اور میرے شوہر چرچ کی مذہبی اور دیگر سرگرمیوں میں بہت زیادہ سرگرم ہوگئے، عیسائی مذہب میری زندگی کا لازمی جز بن گیا اور بالآخر میں نے بپتسمہ کی رسم بھی ادا کروالی، اس وقت میری عمر اکیس سال کی تھی۔ لیکن ایک بات میرے ذہن میں ہمیشہ کھٹکتی رہی کہ ہم عیسائی حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کی مورتیاں کیوں بناتے ہیں اور اس کو کیوں پوجتے ہیں، یہ تو سراسر بت پرستی ہے، یہ سوال ہمیشہ میرے ذہن میں کلبلاتا رہتا تھا، باوجود اس کے کہ میں چرچ کی سرگرمیوں اور اس کے پروگراموں میں بہت سرگرم اور آگے آگے تھی۔ اب جب میری بیٹی سنڈے اسکول میں کنواری مریم (Blessed Virgin Mary) کی مورتی کے آگے مذہبی گیت گاتی تو مجھے فوراً بت پرستی کا احساس پریشان کر دیتا، اور وہ لمحات میرے لیے انتہائی پریشان کن ہوتے۔

اس تصور اور سوچ نے مجھے آہستہ آہستہ چرچ سے پھر دور کر دیا اس عرصے میں میں نے دوبارہ کالج میں بھی داخلہ لے لیا، اس دوران میرا بیٹا ایک حادثہ کا شکار ہوا اور اس کے دماغ پر شدید چوٹیں آئیں۔

چرچ سے دوری کے باعث میرا شوہر کے ساتھ بھی اختلاف رائے ہوا جس نے آگے چل کر بڑے تنازع کی صورت اختیار کر لی۔ شوہر سے اختلافات، تعلیم، بچے کا حادثہ ان

سب نے مل کر میری شخصیت کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔ پھر میری شوہر سے علیحدگی ہوگئی۔

مختصر یہ کہ میں نے کچھ عرصے بعد دوسری شادی کر لی میرا شوہر مسلمان تھا نکاح کے موقع پر امام صاحب نے اس بات کو کنفرم کر دیا کہ عیسائی عورت کی شادی مسلمان آدمی سے ہوسکتی ہے۔ میرے مسلمان شوہر نے جو کہ خود بہت عملی مسلمان تھا مجھ پر اسلام قبول کرنے کے لیے کسی قسم کا کوئی پریشر نہیں ڈالا، میں کبھی کبھی چرچ چلی جاتی پھر میں کیتھولک ازم سے چھٹکارا حاصل کر کے یوم الخمیس چرچ (Pentecostal) کی رکن بن گئی اور ایک نئی بائبل حاصل کر لی۔

میں نے اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں جب میں نویں کلاس میں تھی پڑھا تھا لیکن اس کتاب میں Mohammadans اور Mohammadanism جیسی اصطلاحات استعمال کی گئی تھیں جن کو مسلمان استعمال نہیں کرتے۔

اگرچہ مجھے قرآن مجید میرے شوہر نے تو نہیں دیا، مگر میں نے کہیں سے حاصل کر لیا، میں نے قرآن مجید کو حیرت انگیز طور پر سادہ، پراز حقائق اور سادگی کے ساتھ قابل فہم و ادراک پایا، پھر میں نے پبلک لائبریری سے اسلام پر مزید کتب حاصل کیں میں نے اپنے مطالعہ کے اوقات کو بائبل، قرآنِ مجید اور اسلامی کتب میں تقسیم کر دیا، دیگر مذاہب کی کتب بھی میں نے حاصل کیں، مسلم معاشرت، مسلم علوم وفنون اور مسلم طریقۂ عبادت و دعا کے متعلق بھی معلومات حاصل کیں۔ میں اپنے مطالعہ اور محسوسات کو اپنے خاندان کے افراد اور دوستوں سے شیئر کرتی تھی۔

میں نے مطالعہ کے دوران یہی اندازہ کیا کہ اب مجھے قرآن مجید کے مطالعہ کی طرف ہی توجہ دینی چاہیے، پھر میں نے ان تمام تر توجہ قرآن مجید پر مرکوز کر دی اب میں قابل ذکر باتوں کو اپنی بیٹی سے بیان کرتی جو بڑی ہو رہی تھی اور میری باتوں کو نہایت توجہ سے سنتی تھی ایک مرتبہ میں نے اپنے خاندان کے افراد سے کہا کہ میں ایک دن اسلام قبول کر لوں گی میرے گھر والوں نے تو کسی ردِ عمل کا اظہار نہیں کیا لیکن میرے مرد دوستوں نے جو لامذہب سیکولر تھے انہوں نے میرے اس بیان کو قبول نہیں کیا۔

حالاں کہ اس وقت تک مجھے خود بھی معلوم نہ تھا کہ میں اسلام قبول کروں گی یا نہیں، جیسا کہ میں نے ذکر کیا کہ میرے خاندان کے لوگ میرے قبول اسلام کے معاملے میں غیر جانب دار رہے، لیکن میری بیٹی نے میری حمایت کی میرا بیٹا جس کے دماغ پر ایک حادثہ کے باعث چوٹ لگی تھی اور طویل عرصے سے ہسپتال میں رہنا پڑا تھا اور میں نے اس کی بڑی جاں فشانی سے تیمارداری کی تھی اس نے صرف اسکارف پہننے کی مخالفت کی تھی، جب کہ اس کی بیوی نے بڑی شد و مد کے ساتھ اپنے بچوں یعنی میرے پوتی پوتے کو کیتھولک طریقے سے پروان چڑھانے کا عزم کیا تھا۔

آخر کار میں نے مصمم ارادہ کر کے مقامی اسلامک سینٹر میں اسلام قبول کرلیا، میری بیٹی بھی اس کارِ خیر میں میرے ساتھ شریک رہی، میرے اسلام قبول کرنے کے بعد جب اس نے بھی اسلام قبول کرنے کی درخواست کی تو میری حیرت اور خوشی کی انتہا نہ رہی، اس نے بھی اسلام قبول کرلیا، میرا لباس بہت ڈھیلا ڈھالا اور امریکن اسٹائل لباس ہے اور میں ہمیشہ اسکارف سر پر لیتی ہوں۔

چوں کہ میں نے اسلام قبول کرنے کا یہ فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کیا تھا اس لیے میں خوش ہوں۔

دنیا کی حالت اور قرآن مجید اور اسلامی کتابوں کے مطالعے کے بعد میں صرف ایک تبصرہ کرنا چاہتی ہوں، کہ صرف اسلام کو ہی اپنا کے دنیا امن وسلامتی کا گہوارہ بن سکتی ہے۔

ایک اسلامی بھائی

وہ قرآن کی پہلی سورۃ، سورۃ الفاتحہ تھی۔

میری ماں غیر عملی یہودی خاتون اور باپ افریقن امریکن عیسائی تھا لیکن اس کو بھی مذہب سے دور کا واسطہ نہ تھا، خیالات ونظریات کے اعتبار سے دونوں سوشلسٹ تھے، ظاہر ہے کہ ایسی صورت حال میں میری نشوونما اور تربیت میں مذہب کا کوئی حصہ نہ تھا، میں نے اختصار کے ساتھ یہودیت اور عیسائیت دونوں کا مطالعہ کیا میں دیگر باتوں میں اپنے والدین سے اختلاف رکھتا تھا لیکن باوجود سوسلسٹ ہونے کے خدا کے وجود کے وہ بھی قائل تھے۔

جب میری عمر پندرہ سال کی ہوئی تو میں نے گرمیوں کی چھٹیوں میں مقامی کمیونٹی کالج میں کچھ کورسز کیے، میرے ایک استاد نے مجھے یہ مشورہ دیا کہ وہ کورسز منتخب کرو جو تمہارے ہائی اسکول میں نہیں ہیں۔

میں نے دو ایسے کورسز منتخب کیے جو بہرحال اسکول میں نہیں تھے، ایک عربی زبان کیوں کہ مختلف ثقافتوں اور تہذیب وتمدن کے بارے میں جاننا میرا شوق تھا، جب اس عربی کے کورس کا دورانیہ ختم ہوا تو میرے استاد نے جو کہ ایک اطالوی کیتھولک تھا ایک پمفلٹ کلاس میں تقسیم کیا یہ کلاس کا آخری دن تھا پھر اس نے مجھے کہا کہ میں اس کو بلند آواز سے پڑھوں۔

میں نے اس کو بلند آواز سے پڑھا یقیناً جو میں نے پڑھا وہ خدائی الفاظ تھے، ایسی متاثر کن شاعری جو مسحور کن تھی۔

میں ، وہ عربی زبان میں پڑھا تھا بدن پر کپکپی طاری ہوگئی، جب میں نے وہ ختم کی اور اس کا ترجمہ پڑھا، میری آنکھیں آنسوؤں سے بھیگ چکی تھیں، اس سے پہلے مذہب کبھی کلاس میں زیر بحث نہیں آیا تھا، مجھے نہیں معلوم کہ وہ کیتھولک اطالوی استاد مسلمان تھے یا نہیں، لیکن جو پڑھا گیا اس سے کلاس میں ہر ایک متاثر تھا۔

کیا آپ کو معلوم ہے کہ کلاس میں جو پڑھا گیا وہ کیا تھا وہ قرآن مجید کی پہلی سورت سورۃ الفاتحہ تھی، سیدھے اور سچے راستے پر چلنے کی میری ابتدا جس پر الحمد للہ میں پچھلے چالیس سال سے گامزن ہوں، جوں ہی میں گھر پہنچا میں نے ٹیلی فون ڈائریکٹری اٹھائی اور کوئی مسجد، اسلامک سینٹر یا مسلمان کا نمبر تلاش کرنے لگا مگر کامیابی نہیں ہوئی، بڑی مشکل سے ایک نام پر میں نے اندازہ لگایا کہ یہ نام مسلمان شخص کا ہوسکتا ہے، میں نے اس کے نمبر پر ڈائل کیا وہ فلسطین کا ایک مسلمان تھا اس نے میری ملاقات نوجوان مسلمان کے ایک گروپ سے کروائی جو جمعہ کی رات کو مشرقی لاس اینجلس میں جمع ہوتے تھے۔

الحمد للہ پھر میں نے اسلام قبول کرلیا، یہی دس پندرہ مسلم نوجوان جو طالب علم تھے، اور چند ایک ان میں شادی شدہ بھی تھے، انہوں نے مسلم کمیونٹی کی باقاعدہ داغ بیل ڈالی آج چالیس سال بعد امریکہ میں ایک ملین کے قریب مسلمان ہیں جب کہ جنوبی کیلیفورنیا جہاں آج کل میری رہائش ہے صرف اس علاقے میں سو سے زائد اسلامک سینٹرز موجود ہیں۔



Designed by: Naveed Ahmad 0321 840 1998